

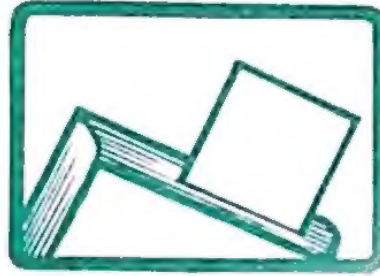
پارا مرا

حسن تقوی

ماورا پبلشرز

۳ بہاولپور روڈ

لاہور



جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

| | | |
|----------|---|------------------------|
| ناشر | : | ماورا پبلشرز |
| مطبع | : | شرکت پرنٹنگ پریس لاہور |
| قیمت | : | 40 روپے |
| بارسوختم | : | ۱۹۶۵ء |

انتساب

اُس کے نام

جس کی محبت میری شاعری کا سرمایہ ہے

باذوق لوگوں کے لیے
ماورا پبلشرز کی کتابیں
خوبصورت کتابیں
تزیین و اہتمام
خالد شریف



خالد شریف

جی چاہتا ہے تمہارا شکریہ ادا کروں کہ ”برگِ صحرا“
کی ترتیب سے اشاعت تک تمہاری ذاتی توجہ،
محنت اور محبت اگر شامل نہ ہوتی تو یہ مجموعہ خیال
شاید ابھی مدّتوں ”فرد فرد“ ہی رہتا — مگر
اظہارِ تشکر سے گریزاں بھی ہوں کہ تم میرے ناشر
نہیں، دوست اور بھائی ہو اور دوستوں کے لیے
شکریہ کیسا ؟

محسن نقوی

فہرست غزلیات

- ۱ - اُجڑے ہوئے لوگوں سے گریزاں نہ ہوا کر ، ۱۷
- ۲ - میں خود زیں ہوں مگر ظن آسان کا ہے ، ۱۹
- ۳ - بول اے سکوتِ دل کہ درِ بے نشان کھلے ، ۲۱
- ۴ - شفق کی جھیل میں جب سبکِ آفتاب گرے ، ۲۲
- ۵ - بجز ہوا کوئی جانے نہ سلسلے تیرے ، ۲۳
- ۶ - جس دل پہ جبر کروں گا تجھے بھلا دوں گا ، ۲۵
- ۷ - وحشت میں سکون ڈھونڈتی ہے ، ۲۸
- ۸ - پچھڑکے مجھ سے کبھی تو نے یہ بھی سوچا ہے ؟ ۳۰
- ۹ - وہ دے رہا ہے دلا سے تو عمر بھر کے مجھے ، ۳۲
- ۱۰ - سمجھ سکا نہ مرے چاند کوئی دردِ ترا ، ۳۴
- ۱۱ - مجھے خلا میں بٹکنے کی آرزو ہی سہی ، ۳۵
- ۱۲ - فن میں یہ معجزہ بھی پیدا کر ، ۳۷
- ۱۳ - نبی نہ تھے مگر انساں پہ جاں چھڑکتے تھے ، ۳۹
- ۱۴ - سرِ بارِ دوشِ وحشت و موجِ نفسِ عذاب ، ۴۱
- ۱۵ - دل وقفِ سیلِ دیدہ پر آب ہی تو ہے ، ۴۲

- ۱۶ - جسم تڑپا ہے خاک پر تنہا ، ۴۴
- ۱۷ - میری محبت تو ایک گھر ہے ، تیری وفابے کراں سمندر ، ۴۶
- ۱۸ - ہم جو بچے ہر قتل تو یہ منظر دیکھا ، ۴۸
- ۱۹ - خوشی کا غم ہے نہ غم کی کوئی خوشی اب تو ، ۴۹
- ۲۰ - اس طرح مرے ذہن میں اُترا ہوا تو ہے ، ۵۰
- ۲۱ - لہو کی موج ہوں اور جسم کے حصار میں ہوں ، ۵۲
- ۲۲ - سوز اُٹا تو تو اُمیں آئے ، ۵۳
- ۲۳ - شامل مراد شمن صنفِ یاراں میں رہے گا ، ۵۵
- ۲۴ - نیا ہے شہر ، نئے آسمانے تلاش کروں ، ۵۷
- ۲۵ - گم صم ہوا ، آواز کا دریا تھا جو اک شخص ، ۵۹
- ۲۶ - لوگوں کے لیے صاحبِ کردار بھی میں تھا ، ۶۱
- ۲۷ - اُجر اُجر کے سنورتی ہے تیرے ہجر کی شام ، ۶۳
- ۲۸ - ایسا تنہا گھر میں کیونکر جاتیے ، ۶۵
- ۲۹ - وہ جس کا نام بھی لیا پہیلیوں کی اوٹ میں ، ۶۷
- ۳۰ - پھر وہی میں ہوں وہی درد کا صحرایاں ، ۶۸
- ۳۱ - ہم وہ ہیں جن کو حفظِ مراتب کا غم نہیں ، ۷۰
- ۳۲ - لوٹ کر کوئی آتا ہے کب ، دیکھیے ، ۷۱
- ۳۳ - ہم کو بھی چھپا اے شبِ غم اپنے پروں میں ، ۷۳
- ۳۴ - خواہشوں کے زہر میں اخلاص کا رس گھول کر ، ۷۵
- ۳۵ - چھتے اشکوں سے بھی آنکھیں نہ چمکایا کرو ، ۷۶
- ۳۶ - تمام عمر وہی قصہ سفر کہنا ، ۷۷

- ۳۷ - رہتے تھے پستیوں میں مگر خود پسند تھے ، ۷۹
- ۳۸ - بہت ہوا کہ غم دو جہاں کی زد میں نہیں ، ۸۰
- ۳۹ - اب رفتگاں کی یاد کا کچھ تو پتا بھی دے ، ۸۲
- ۴۰ - فلک پر اک ستارہ رہ گیا ہے ، ۸۴
- ۴۱ - ادراک پر محیط ہے ارض و سما کا دکھ ، ۸۶
- ۴۲ - وحشیں بکھری پڑی ہیں ، جس طرف بھی جاؤں میں ، ۸۷
- ۴۳ - اہل جفا سے ربط و فاقہ توڑ دیجیے ، ۸۹
- ۴۴ - چھڑ گئی اُس سے اہل درد کی بات ، ۹۰
- ۴۵ - ہر اک قدم پہ یہ خدشہ مری نگاہ میں ہے ، ۹۱
- ۴۶ - روشنی تیرے سفیروں کا نشان باقی ہے ، ۹۲
- ۴۷ - یوں جشن و فامنا رہا ہوں ، ۹۴
- ۴۸ - یہ دل یہ پاگل دل مرا کیوں سمجھ گیا آوارگی ! ، ۹۵
- ۴۹ - وہ کون لوگ تھے اُن کا پتا تو کرنا تھا ، ۹۶
- ۵۰ - اتنی مدت بعد ملے ہو ، ۹۷
- ۵۱ - تجھ سے ربط اتنا غمِ شام و سحر ، اپنا ہے ، ۹۹
- ۵۲ - بچھڑ کے تجھ سے یہ سوچوں کہ دل کہاں جائے ، ۱۰۱
- ۵۳ - اہل دل جاں سے بھی گزر آئے ، ۱۰۳
- ۵۴ - جب دھوپ مجھے پیکر آزار بنا دے ، ۱۰۵
- ۵۵ - ہر سو خیالِ یار کی چادر سی تان کہ ، ۱۰۷
- ۵۶ - موجِ خوشبو کی طرح بات اُڑانے والے ، ۱۰۹
- ۵۷ - بکھر رہے ہیں خد و خال چار سو میرے ، ۱۱۰

- ۵۸ - سورج کو دفنانے آئے ، ۱۱۱
- ۵۹ - اگر یہ خلق بھی مقتل میں لمحہ بھر ٹھہرے ، ۱۱۴
- ۶۰ - بہار کیا اب خزاں بھی مجھ کو گلے لگائے تو کچھ نہ پائے ، ۱۱۵
- ۶۱ - جلا کے تو مجھی اگر آسرا نہ دے مجھ کو ، ۱۱۷
- ۶۲ - سکوں کے دن سے فراغت کی رات سے بھی گئے ، ۱۱۹
- ۶۳ - خواب بکھرے ہیں سہانے کیا کیا ، ۱۲۰
- ۶۴ - وہی تھارنگ اُداسی کا رہگزر جیسا ، ۱۲۱
- ۶۵ - جب سے اُس نے شہر کو چھوڑا ہر رستہ سفسان ہوا ، ۱۲۲
- ۶۶ - جتنے بھی سخنور ہیں سبھی مہرب لب ہیں ، ۱۲۴
- ۶۷ - اب کیا ہوئیں وہ صحبتیں اسے دل وہ بزم آرائیاں ، ۱۲۶
- ۶۸ - اجنبی شہر لگے صورتِ زنداں مجھ کو ، ۱۲۸
- ۶۹ - وہ صبا زادہ سہی ، صرصر بھی ہے ، ۱۳۰
- ۷۰ - اُس کو اپنے گھر کے ستاٹے سے کتنا پیار تھا ۱۳۲
- ۷۱ - رہز و فرات کا نہ مسافر ہوں نیل کا ، ۱۳۳
- ۷۲ - جذبے کو زبان دے رہا ہوں ، ۱۳۴
- ۷۳ - سنگدل کتنے ترے شہر کے منظر نکلے ، ۱۳۶
- ۷۴ - وہی قصے ہیں وہی بات پُرانی اپنی ، ۱۳۸
- ۷۵ - اب تو ہر اک اک بدلتی رُت سے جی ڈرتا ہے ، ۱۳۹
- ۷۶ - رات باقی رہے کہ ڈھل جائے ، ۱۴۱
- ۷۷ - اس شہر میں ایسی بھی قیامت نہ ہوئی تھی ، ۱۴۳
- ۷۸ - وہ لوگ جن کو ستاروں کی جستجو ہے بہت ، ۱۴۴

- ۷۹ - تجھ پر بھی فسوں دہر کا چل جائے گا آخر ، ۱۴۶
- ۸۰ - ٹھہر جاؤ کہ حیرانی تو جائے ، ۱۴۷
- ۸۱ - میں کل تنہا تھا ، خلقت سو رہی تھی ، ۱۴۸
- ۸۲ - یہ کیا کہ دن کو بھی رات لکھو ، ۱۵۰
- ۸۳ - چاندنی جب خوف کے منظر کو عیاں کر گئی ، ۱۵۲
- ۸۴ - باغی میں آدمی سے نہ منکر خدا کا تھا ، ۱۵۳
- ۸۵ - بہر وہاں بدل رہے ہیں ، ۱۵۵
- ۸۶ - میں کیوں نہ ترکِ تعلق کی ابتدا کرتا ، ۱۵۶
- ۸۷ - کچھ اپنی آنکھ بھی ہے خمارِ انا سے مست ، ۱۵۷
- ۸۸ - نہ پوچھ غم نے دکھائی ہیں پستیاں کیسی ؟ ۱۵۸
- ۸۹ - آنکھیں کھلی رہیں گی تو منظر بھی آئیں گے ، ۱۵۹
- ۹۰ - گھوڑا ندھیروں کی نگر می میں جنسِ ہنر کو عام کریں ، ۱۶۰
- ۹۱ - صحرا کو فرات کہہ رہا ہوں ، ۱۶۱
- ۹۲ - امرت تری چاہت کا پتے بن نہ رہا جائے ، ۱۶۲
- ۹۳ - دل مرجھائے پھولوں جیسا ، چہرے پر ہریالی ہے ، ۱۶۳
- ۹۴ - یہ ہم نے دیکھا تھا خوابِ پیار سے ندی کنارے ، ۱۶۵
- ۹۵ - اب یہ خواہش ہے کہ اپنا ہمسفر کوئی نہ ہو ، ۱۶۷
- ۹۶ - رشیم زلفوںِ نسیم آنکھوں والے اچھے لگتے ہیں ، ۱۶۸
- ۹۷ - اک دیا دل میں جلانا بھی بجھا بھی دینا ، ۱۶۹
- ۹۸ - شہر کی دھوپ سے پوچھیں کبھی گاؤں والے ، ۱۷۱
- ۹۹ - جب تک ترے ہمسفر رہے ہیں ، ۱۷۳

- ۱۰۰۔ وہ دل کا بڑا ندبے وفا تھا ، ۱۷۵
- ۱۰۱۔ جو منتقلوں کو چلے جتنے دلاوروں کی طرح ، ۱۷۹
- ۱۰۲۔ یہ خوف دل میں نگاہ میں اضطراب کیوں ہے ، ۱۸۱
- ۱۰۳۔ ہوس تو ہے کہ بلندی پہ تیرا گھر دیکھوں ، ۱۸۳
- ۱۰۴۔ اب کوئی نہیں بہر تماشا سرِ مقل ، ۱۸۵
- ۱۰۵۔ سو بھی جاؤں تو ہر اک خواب بڑا ہی دیکھوں ، ۱۸۷
- ۱۰۶۔ گلا نہیں کوئی تجھ سے جو تو دکھائی نہ دے ، ۱۸۹
- ۱۰۷۔ کہنے کو تو گزرے کسی طوفان بھی سر سے ، ۱۹۱
- شیرازہ ، ۱۹۳ تا ۲۰۰

پسِ غبارِ سفر

مجھے ظاہر کے انبساط سے باطن کا دکھ زیادہ پسند ہے، کیونکہ ظاہر کا انبساط اپنے ناپائیدار تاثر کی بنا پر نامحسوس صورت اختیار کر کے ذہن سے محو ہو جاتا ہے، اس کے برعکس باطن کے دکھ کی ہر کروٹ نہ صرف دل و دماغ کے لیے جراثیم افزا ثابت ہوتی ہے بلکہ اکثر اوقات اس کی شدت سے ”حواس“ تنگ پگھلنے لگتے ہیں۔
اس ”غیر واضح“ مگر مسلسل تفریق کا ”مانوس تاثر“ ذہن میں ہر لمحہ ایک دھندلی لکیر کی صورت میں ابھر اُبھر کر متا رہتا ہے۔

اس لیے ”اظہار“ کے لیے حواس کو مشعور می طور پر ظاہر و باطن کے عمل اور ردِ عمل کے لیے وقف کر کے ”رد و قبول“ کے مراحل سے گزر کر ”حاصل“ کو واضح اور وجہ ”خد و خال“ عطا کرنے کا نام میرے نزدیک ”فن“ ہے۔

”فن“ ہر لمحہ ”فنکار“ کی ذات کو ریزہ ریزہ تراش کر خود ”قطرہ قطرہ اُس کی نس میں بس جانے کے غیر مختتم عمل میں مصروف رہتا ہے۔
”جذب و آمیزش“ کے یہ سلسلے ”فنکار“ کے لیے انتہائی ”تکلیف دہ“ ہونے

کے باوجود جبلی طور پر نہایت ضروری ہیں۔
جہاں تک ”فن“ کی تخلیق کے محرکات کا تعلق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر وہ احساس فن کی تخلیق کا محرک بن سکتا ہے۔ جو جذبہ و خیال کی غیر مرئی سرحدوں کو چھو لینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ پھر فنکار کو بھی اس قسم کی ہر تحریک کے تقاضے اپنے شعور کے زبناں میں مقفل رہ کر پورے کرنا ہوتے ہیں جس کی بنیاد احساس کے ہائمتوں جذبہ خیال

کی مشترکہ سرحدوں پر رکھی گئی ہو۔ کوئی بھی فنکار مشاہدے کی حد تک تو اپنے ہمسفروں کا ساتھ دے سکتا ہے مگر تخلیقی محسوسات کے عمل سے گزرتے وقت وہ ہر لحاظ سے تنہا ہوتا ہے اور یہی تنہائی اُس کی ذات کا تشخص کرنے کا فرض بھی انجام دیتی ہے!

میرا خیال ہے کہ ”کمال فن“ کے عناصر مشاہدے کی بے پناہ وسعت، شعور کی شدید سختگی، تجربے کی عمیق گہرائی، جذبہ و خیال کی ہم آہنگ سچائی اور اظہار کی آفاق گیر توانائی سے ترتیب پاتے ہیں۔

یعنی فنکار جب خارجی عوامل کی اجتماعی شکل پر داخلی کرب کی تہ چڑھتا ہے تو جذبہ و خیال کی تمام تر توانائیاں اس غیر واضح اور مبہم صورت کو تجربے کی آنچ دے کر ”واضح ابلاغ“ کے شفاف پیکر میں ڈھال دیتی ہیں۔ یہ صورت حال اپنی ہیئت کے اعتبار سے ایک ایسے ”فن پارہ“ کی شکل میں نمودیر ہوتی ہے جو ”زمان و مکان“ کی خود ساختہ حدود سے ماورا، اور ماہ و سال کی گرد سے محفوظ ہوتا ہے، اس موڑ پر پہنچ کر فنکار یقین کا لہجہ اختیار کرتا ہے اور یہی یقین اُسے کائنات سے زیادہ اپنی بنیاد دینا ہے۔

بنان و اعتماد کی اس ”خار آلود“ فضا میں فنکار کی زبان ”سند“، قول ”مستند“ ارادہ محکم اور مشاہدہ ”منفرد“ ٹھہرتا ہے، پھر اُس کی آواز ہجوم ہمسفراں میں بھی اپنی پہچان کھو نہیں پاتی اور وہ اپنے آپ کو سارے عالم پر چھایا ہوا محسوس کرتا ہے، یہی وہ مقام معرفت ہے جہاں حقیقتِ اشیاء اپنے چہرے سے تمام نقابیں اٹھا کر فنکار پر کشف کے تمام باب کھول دیتی ہے اور حلقہ دم خیال خود بخود ٹوٹ جاتا ہے، غیب سے مضامین آتے ہیں، ”صریر خامہ“ نوائے سر و ش میں ڈھلتی ہے، ہر لفظ گنجینہ معنی کا طلسم، ہر بات عکس آیاتِ سمادات، ہر استعارہ اُپرے ہستی کا اشارہ، ہر تبلیغ اسرارِ عالم کی توضیح، اور ہر انداز خلوتِ یار کا محرم راز نظر آتا ہے، لیکن کمال فن کو پرکھنا بھی تو بچائے خود ایک ”فن“ ہے، کیونکہ میرے نزدیک آج تک کوئی ایسا پیمانہ فکر و نظر ایجاد نہیں ہوا جو ”کمال فن“ کے آخری نقطے

کا تعین کر سکا ہو اور شاید ارتقاء فن کا راز بھی اسی نکتے میں پوشیدہ ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو میر وغالب کے نقاد دو علیحدہ علیحدہ راستوں پر نہ چل نکتے، حالانکہ جہاں میر نے ترتیب فن کے لیے ”درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان ہوا“ کہہ کر فن کی ہمیشگی کا بھید کھولا ہے وہاں غالب نے بھی ”فن“ کی ابدیت کے لیے یہ کڑی شرط لگا دی کہ ”پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی“

غالب کی دل گداختگی ہو یا میر کی درد آشنائی، دونوں اپنے اندر ایک سچے اور کھرے فنکار کی فراخ دلانہ حوصلہ مندی اور فنکارانہ ایذا پسندی پر داد خواہی کا بھرپور تاثر رکھتی ہیں۔ بات میر یا غالب کی ذات تک محدود نہیں بلکہ ہر فنکار خواہ وہ اپنے ناقد کی نظر میں کتنا حقیر کیوں نہ ہو، فن کے دشتِ خاں میں قدم رکھتے ہوئے ”برہنہ پائی“ کے آداب کا لحاظ ضرور رکھتا ہے، اور میری نظروں میں اُس کی برہنہ پائی اگر ”قابلِ اعزاز“ نہیں تو کم از کم لائقِ تحسین ضرور ہے، کہ ”منجھ کسار“ سے وہ ”کوہکن“ بہر نوع زیادہ بلند مرتبت اور عظیم ہے جو تیشہ بکف رہ کر ”سینہ کو ہمار“ میں چھپے ہوئے ”بھید“ کا ظلم رکھتا ہے اور پھر اُس ”بھید“ سے اپنی بستی کے ساوہ لوح لوگوں کو آگاہ بھی کرتا ہے،

البتہ یہ ضروری نہیں کہ ہر ”کوہکن“ فن کے ”بے ستوں“ سے ”فکر“ کی ”جوتے شیر“ نکال کر اپنی پیشانی پر ڈائی شہرت کا کتبہ بھی نصب کر سکے؛ کیونکہ ایک فنکار اپنے اندر کی کائنات میں اتنا کم ہوتا ہے کہ اُسے اپنے باہر کی فضا میں گونجتے ہوئے ہنگاموں کی بعض اوقات خبر بھی نہیں ہونے پاتی، اُسے اپنے محسوسات کی عکاسی کے لیے کئی زندگیاں ضرورت ہوتی ہیں کہ اُس کے اپنے عناصر منتشر ہونے میں جتنا وقت لگتا ہے اُس سے کہیں زیادہ مدت اُسے کائنات کے بکھرے ہوئے ریزوں کو یکجا کرنے کے لیے درکار ہوتی ہے، اُس لیے وہ مختصر ترین عرصہ میں ”فن“ کے خد و خال کو جس قدر بھی سنوار سکتا ہے وہی غنیمت ہے۔ یہاں یہ بحث ہی فضول ہے کہ کون کتنا نام آور ہے؟

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، مجھے کبھی بھی یہ خواہش نہیں رہی کہ میں ”فن“ کے پُر ہول دشتِ خاں میں اپنے ہمسفروں کا میر کا رواں بنوں۔ ابھی تو مجھے اپنی پہچان

کے کتنے مراحل طے کرنا ہیں۔ اور پھر مجھے تو ”کارواں“ سے ”گردکارواں“ زیادہ عزیز ہے کہ وہ اپنے کارواں کی واضح جہت کی ”مستند علامت“ سمجھی جاتی ہے۔

مجھے اپنے فکر کی کم مائیگی سے ندامت ہے نہ شاید اس کی کوتاہ قاستی سے کوئی شکایت بلکہ مطمئن ہوں کہ میرے دامن میں جو کچھ بھی ہے وہ ”میرا“ ہے اور یہی احساس کبھی کبھی مجھے اپنے ”ہونے“ کا یقین دلاتا ہے،

”برگِ صحرا“ میری ذہنی آوارگی کا آئینہ ہے اور میری فکری شکست و ریخت کی ناممکن تاریخ بھی۔ اس کے اشعار میں آپ مجھے بھی تلاش کر سکتے ہیں اور میرے شاعرانہ کردار کا سراغ بھی لگا سکتے ہیں۔

میں فلم کی نوک کو ضمیر آدم کی زبان سمجھتا ہوں اور فن کی شریعت میں جھوٹ بولنا میرے نزدیک ایک ایسا گناہ ہے جسے نہ تنقید برداشت کر سکتی ہے اور نہ تاریخ میں روایت کا منہ نہ ہوں نہ جدت کا باغی بلکہ یوں ہے کہ میرے پاؤں ماضی کی ”سنہری خاک میں دھنسے ہوئے ہیں اور سر مستقبل کے روشن خلاؤں کی زد میں ہے اس لیے میری شاعری بھی دونوں زمانوں کے ذائقوں کی شاعری ہے۔ ”برگِ صحرا“ کی اشاعت سے میں نہ تو اتنا نامدم ہوں کہ آپ سے معذرت چاہوں اور نہ ہی اتنا مطمئن کہ آپ کی رائے سے بھی بے نیاز ہو جاؤں۔

میرے اشعار خواب ہیں، سچ مچ کے خواب جو اپنی تعبیروں کے لیے اکثر میرے ذہن میں جلا کر مجھے جاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں اگر آپ بھی کچھ دیر کو میرے ساتھ جاگ سکتے ہیں تو مجھے خوشی ہوگی۔ ورنہ مجھے تو بہر حال جاگنا ہی ہے!

محسن نقوی

۱۵ فروری ۱۹۷۸ء



اُجڑے ہوئے لوگوں سے گریزاں نہ ہوا کر
حالات کی قبروں کے یہ کنبے بھی پڑھا کر

کیا جانیے کیوں تیز ہوا سوچ میں گم ہے؟
خوابیدہ پرندوں کو درختوں سے اڑا کر

اُس شخص کے تم سے بھی مراسم ہیں تو ہوں گے
وہ جھوٹ نہ بولے گامرے سامنے آ کر

اب دتکیں دے گا تو کہاں اے غمِ احباب!
میں نے تو کہا تھا کہ مرے دل میں رہا کر

ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کر دے
تنہائی کے لمحوں میں کبھی رو بھی لیا کر

وہ آج بھی صدیوں کی مسافت پہ کھڑا ہے
ڈھونڈا تھا جسے وقت کی دیوار گرا کر

برہم نہ ہو کم فہمی کو تہ نطنسراں پر۔!
اے قامتِ فن اپنی بلند سی کا گلا کر

اے دل تجھے دشمن کی بھی پہچان کہاں ہے؟
تُو حلقہٴ یاراں میں بھی محنت طرہا کر!

میں مری بھی چکا، مل بھی چکا موجِ ہوا میں
اب ریت کے سینے پہ مرا نام لکھا کر

پہلا سا کہاں اب مری رستار کا عالم!
اے گردِ دُشِ دوراں ذرا تھم تھم کے چلا کر

اس رست میں کہاں پھول کھلیں گے دلِ ناداں؟
زخموں کو ہی وابستہ زنجیرِ صبر لکھ کر

اک رُوح کی فریاد نے چونکا دیا مجھ کو
تُو اب تو مجھے جسم کے زنداں سے رہا کر

اس شب کے مقدّر میں سحر ہی نہیں محسن
دیکھ رہے کئی بار چہرہٴ غوں کو بھبھاکر



میں خود زمیں ہوں مگر ظرفِ آسمان کا ہے
کہ ٹوٹ کر بھی مرا حوصلہ چٹان کا ہے

بُرانہ مان، مرے حرفِ زہر نہ ہر سہی
میں کیا کروں کہ یہی ذائقہ زبان کا ہے

ہر ایک گھر پہ مسلط ہے دل کی ویرانی
تمام شہر پہ سایا مرے مکان کا ہے

پچھڑتے وقت سے اب تک میں یوں نہیں رہا
وہ کہہ گیا تھا، یہی وقت امتحان کا ہے

مسافروں کی خبر ہے نہ دکھ ہے کشتی کا
ہوا کو جتنا بھی غم ہے وہ بادبان کا ہے

جو برگِ زرد کی صورت ہو ایسے اڑتا ہے
وہ اک ورق بھی مری اپنی داستاں کا ہے

یہ اور بات، عدالت ہے بے خبر۔ ورنہ
تمام شہر میں چرچا مرے بیان کا ہے

اثر دکھانے کا اُس کے دل میں اشک مرا
یہ تیر بھی کسی ٹوٹی ہوئی کمان کا ہے

بچھڑ بھی جائے مگر مجھ سے بے خبر بھی رہے
یہ حوصلہ ہی کہاں میرے بدگمان کا ہے

قفس تو خیر معتمدِ در میں تھا مگر غن
ہوا میں شور ابھی تک مری اڑاں کا ہے



بول اے سکوتِ دل کہ درِ بے نشان کھلے
مجھ پر کبھی تو عقدہ ہفت آسماں کھلے

یوں دل سے ہم کلام ہوئی یادِ رنگاں!
جیسے اک اجنبی سے کوئی راز داں کھلے!

سہمی کھڑی ہیں خوفِ تلاطم سے کشتیاں
موج ہوا کو ضد کہ کوئی بادِ باں کھلے

وہ آنکھ نیم وا ہو تو دل پھر سے جی اٹھیں
وہ لب ملیں تو قفلِ سکوتِ جہاں کھلے

وہ جبر ہے کہ سوچ بھی لگتی ہے اجنبی
ایسے میں کس سے بات کریں کیا زباں کھلے؟

جتنا ہوا سے بندِ قبا کھل گیا ترا!
ہم لوگ اس قدر بھی کسی سے کہاں کھلے؟

محسن کی موت اتنا بڑا سانحہ نہ تھی
اس سانحے پہ بال ترے رائیگاں کھلے



شفق کی جھیل میں جب سنگِ آفتاب گرے
ہمارے گھر پہ سیہ رات کا عذاب گرے
کہیں تو گردشِ ایام تھک کے سانس بھی لے
کبھی تو خیمہٴ افلاک کی طناب گرے
کو اڑ بند رکھو، برق ڈھونڈتی ہے تمہیں
کے خبر کہ کہاں خانماں خراب گرے
سرشکِ درد کھلا اس کے پیرہن پہ بھرت
زمین کی گود میں جیسے کوئی گلاب گرے

کھلی ہیں جھیل سی آنکھیں نہ جوئے درو چلی
افق سے کٹ کے کہاں عکسِ ماہتاب گرے؟

کہیں تو سلسلہ انتظار خستم بھی ہوا
کسی طرح تو یہ دیوارِ اضطراب گرے

کسی کے رائیگاں آنکھوں کا کچھ حساب تو کر
فلک سے یوں تو ستارے بھی بے حساب گئے

غزل کے روپ میں وہ رُوبرُو جو ہو محسن
لبوں سے لفظ اُڑیں، ہاتھ سے کتاب گئے



بجز ہوا، کوئی جانے نہ سلسلے تیرے !
میں اجنبی ہوں، کروں کس سے تذکرے تیرے؟

یہ کیسا قرب کا موسم ہے اے نگارِ چین !
ہوا میں رنگ نہ خوشبو میں ذائقے تیرے

میں ٹھیک سے تری چاہت تجھے جتنا نہ سکا
کہ میری راہ میں مائل تھے مسائے تیرے !

کہاں سے لاؤں ترا عکس اپنی آنکھوں میں
یہ لوگ دیکھنے آتے ہیں آئینے تیرے

گلوں کو زخم، ستاروں کو اپنے اشک کہوں
سناؤں خود کو ترے بعد تبصرے تیرے

یہ درد کم تو نہیں ہے کہ تو، ہمیں نہ ملا
یہ اور بات کہ ہم بھی نہ ہو سکے تیرے

جدا یوں کا تصور رُلا گیب تجھ کو !
چراغِ شام سے پہلے ہی بجھ گئے تیرے

ہزار نیند جلاؤں ترے بغیر مگر
میں خواب میں بھی نہ دیکھوں وہ تجھے تیرے

ہوائے موسمِ گل کی ہیں لوریاں، جیسے
بکھر گئے ہوں فضاؤں میں قہقہے تیرے

کسے خبر کہ ہمیں اب بھی یاد ہیں محسن
وہ کہ وٹیں شبِ غم کی وہ حوصلے تیرے



میں دل پہ جبر کروں گا، تجھے بھلا دوں گا
مروں گا خود بھی تجھے بھی کڑی سزا دوں گا

یہ تیرگی مرے گھر کا ہی کیوں معتد رہو؟
میں تیرے شہر کے سائے دیئے بجھا دوں گا

ہوا کا ہاتھ بٹاؤں گا ہر تباہی میں!
ہرے شجر سے پرندے میں خود اڑا دوں گا!

وفا کروں گا کسی سوگوار چہرے سے!
پُرانی قبر پہ کتبہ نیا سجا دوں گا

اسی خیال میں گزری ہے شامِ دردِ کمر
کہ دردِ حد سے بڑھے گا تو مسکرا دوں گا

تو آسمان کی صورت ہے، گر پڑے گا کبھی
زمین ہوں میں بھی مگر تجھ کو اسے ادا دوں گا

بڑھا رہی ہیں میرے دکھ، نشانیاں تیری
میں تیرے خط، تری تصویر تک جلا دوں گا

بہت دنوں سے مرادِ دلِ ادا اس ہے محسن
اس آئینے کو کوئی عکس اب نیا دوں گا



و حشت میں سکون ڈھونڈتی ہے
جنگل کی ہوا بھی سر پھری ہے

اس دل میں بسی ہے یادِ تیزی
پتھر میں کرن چھپی ہوئی ہے

یہ سوچ کے ہنس پڑے ستارے
انسان فلک پہ اجنبی ہے

زنداں میں ہوا کہاں سے آئی؟
دیوار کہاں سے گر پڑی ہے؟

اب پھول ملیں تو سنگ سمجھو
اس شہر کی رُت بدل چکی ہے

رونق تو وہی ہے تو پھر بھی جیسے
اک شخص کی شہر میں کمی ہے
خود کو بھی مری نظر سے دیکھو
مخلوق تو جھوٹ بولتی ہے
گھر اپنا یہ کس نے پھونک ڈالا؟
تاحسہ نگاہ روشنی ہے!
ملنے ہو لباسِ دوستی میں
سوچو یہ کہاں کی دشمنی ہے؟
بندے بھی خدا بنے ہوئے ہیں
محسن یہ کمالِ بندگی ہے



بچھڑ کے مجھ سے کبھی تو نے یہ بھی سوچا ہے
ادھورا چاند بھی کتنی اُداس لگتا ہے

یہ ختمِ وصل کا لمحہ ہے، رائیگاں نہ سمجھ
کہ اس کے بعد وہی دوریوں کا صحرا ہے

کچھ اور دیر نہ جھڑنا اُداسیوں کے شجر
کسے خبر ترے سائے میں کون بیٹھا ہے؟

یہ رکھ رکھاؤ مجّت سکھا گئی اُس کو
وہ روٹھ کر بھی مجھے مسکرا کے ملتا ہے

میں کس طرح تجھے دیکھوں، نظر جھجکتی ہے
ترا بدن ہے کہ یہ آئینوں کا دریا ہے؟

کچھ اس قدر بھی تو آساں نہیں ہے عشقِ ترا
یہ زہرِ دل میں اتر کر ہی راسِ آتا ہے

میں تجھ کو پا کے بھی کھویا ہوا سا رہتا ہوں
کبھی کبھی تو مجھے تو نے ٹھیک سمجھا ہے

مجھے خبر ہے کہ کیا ہے جدائیوں کا عذاب
کہ میں نے شاخ سے گل کو بچھڑتے دیکھا ہے

میں مسکرا بھی پڑا ہوں تو کیوں خفا ہیں یہ لوگ
کہ بچوں ٹوٹی ہوئی قبر پر بھی کھلتا ہے

اُسے گنوا کے میں زندہ ہوں اس طرحِ محسن
کہ جیسے تیز ہوا میں چراغِ جلتا ہے



وہ دے رہا ہے ”دلا سے“ تو عمر بھر کے مجھے
بچھڑنے جائے کہیں پھر اس کر کے مجھے

جہاں نہ تُو نہ تری یاد کے قدم ہوں گے
ڈرا رہے وہی مرحلے سفر کے مجھے

ہوائے دشت مجھے اب تو اجنبی نہ سمجھنا
کہ اب تو بھول گئے راستے بھی گھر کے مجھے

یہ چند اشک بھی تیرے ہیں شامِ غمِ لکین
اُجالنے ہیں ابھی خالِ دُغدِ سحر کے مجھے

دلِ تباہ ترے غم کو طمانے کے لیے !
سُنا رہا ہے فسانے ادھر ادھر کے مجھے

قبائے زحیم بدن پر سجا کے نکلا ہوں
وہ اب بلا بھی تو دیکھے گا آنکھ بھر کے مجھے

کچھ اس لیے بھی میں اُس سے بچھڑ گیا محسن
وہ دُور دُور سے دیکھے ٹھہر ٹھہر کے مجھے



سمجھ سکا نہ مرے چاند کوئی دردِ ترا
مثالِ برگِ خزاں رنگِ کیوں ہے زردِ ترا
جتنا رہا ہے مجھے کتنی صحبتوں کا فدا
بکھا بکھا یہ بدن، لانا تھ سردِ ترا
وہ فاصلہ جسے صحرائے آگہی کہتے!
بھٹک گیا اُسی صحرا میں رہ نورِ ترا
بچھڑ چلا ہے تو اپنے نشان مٹاتا جا!
پتہ بتاتے گی اب راستے کی گردِ ترا!
بکھر بکھر کے ہوانے یہ کارواں سے کہا
بچھڑ گیا کسی رستے میں کوئی فدا



مجھے غلامی میں بھٹکنے کی آرزو ہی سہی
کہ تو ملے نہ ملے تیری جستجو ہی سہی

قریب آشب تنہائی، تجھ سے پیار کریں
تمام دن کی تھکن کا علاج تو ہی سہی

بڑے خلوص سے ملتا ہے، جب بھی ملتا ہے
وہ بے وفا تو نہیں ہے، بہانہ جو ہی سہی

مگر وہ ابر سمندر پہ کیوں برستا ہے؟
زمین بانجھ سہی، خاک بنے نمو ہی سہی

تم اپنے داغ سر پر ہن کی بانٹ کرو
ہمارا دامن صد چاک بے رفو ہی سہی

یہ ناز کم تو نہیں ہے کہ اُن سے مل آئے
وہ ایک پل کو سہراہ گفتگو ہی سہی
جو اپنے آپ سے شرمائے کس سے بات کرے
میں آئینے کی طرح اُس کے رُوبرُو ہی سہی
کسی طرح تو یہ تنہائیوں کی شام کٹے
وصالِ یار نہیں، قربتِ عدو ہی سہی
یہ بجدۃً سہرِ مقتل کا وقت ہے محسنِ
خود اپنے خونِ رگِ جاں سے ابِ ضو ہی سہی



فن میں یہ محبِ زندہ بھی پیدا کر
پتھروں سے بشر تراشا کر

کب سے اپنی تلاش میں گم ہوں
اے خدا مجھ کو مجھ پہ افشا کر

جس پہ اب انگلیاں اٹھاتا ہوں
اُس کو مانگا تھا ہاتھ پھینکا کر

اے بچھر کر نہ کوٹنے والے!
دکھ کی راتوں میں یاد آیا کر

جل چکا شہر، مرچکے باسی!
اب ابھی راکھ ہی کریداکر

عمر بھر مجھ پہ برفِ برسی ہے
دشت کی دھوپ مجھ پہ سایا کر

ایک تنہا شجر نے مجھ سے کہا !
میرے سائے میں روز بیٹھا کہ

تو کہ معجز نما ہے نام ترا
میں کہ ذرہ ہوں مجھ کو صحرا کہ

اے مرے کچھ نہ سوچنے والے !
اپنے بارے میں کچھ تو سوچا کہ

میں عزادار ہوں اندھیروں کا
تو سحر ہے تو مجھ سے پردہ کر

اے سمندر کے ابرِ آوارہ !
دشت میں ایک پل تو ٹھہرا کہ

کون بانٹے گا دکھ ترے محسن ؟
دوستوں سے بھی چھپ کے رویا کہ



نبی نہ تھے مگر انساں پہ جاں چھڑکتے تھے
سُنا ہے اگلے زمانے کے لوگ اچھے تھے

وہ بے تیاں بھی عجب تھیں وہ ہستیاں بھی عجب !
کہ آنڈھیوں میں بھی جن کے چراغ جلتے تھے

انہوں نے مجھ سے کہا تھا کسی سے لو نہ لگا
اُجڑے سوچ رہا ہوں وہ لوگ سچے تھے !

خود اپنی ذات کا غم بھی شریکِ حال رہا
وگر نہ ہم ترے غم سے کہاں بھلتے تھے !

وہ شہر کیلئے جن کے برہنہ تن باسی
ردائے برگ کو بلبوسِ جاں سمجھتے تھے

وہ دور بیت گیا جب ترے لغبیر ہیں
تمام شہر کے رستے اُداس لگتے تھے!

وہ لفظ بھول گئے جن کے آئینوں میں کبھی
ترے بدن کے خد و خال تک اُرتتے تھے

وہ آنکھ بچھ گئی جس کی کرن کرن کے لیے
کبھی کبھی تو ترے ہونٹ بھی ترستے تھے!

وہ سحر ٹوٹ گیا جس کے آسیرے پہ کبھی!
ہم آسماں کو بھی نیسری گلی سمجھتے تھے

وہ رنگ رُوٹھ گئے سبھو ہوائے شام کے ساتھ
ترے خنک لب و رخسار پر پکھرتے تھے

تُو کل ادھر سے جو گزرا تو اہل شہر کے ساتھ
بُرانہ مان کہ ہم خود بھی تجھ پہ ہنستے تھے



سرِ بارِ دوشِ وحشت و موجِ نفسِ عذاب
 آوارگی کی رُت میں ہے کنجِ نفسِ عذاب
 آنکھیں مجھیں تو شہر میں ہر سو بکھر گیا
 بے منظری کے دکھ میں مے پیش و پسِ عذاب
 ہر لحظہ انتظارِ نزولِ شعاعِ برق !
 تعمیرِ آسماں کے لیے خار و خس، عذاب
 اس کے بغیر موت کو کیا کہیے، صرف جہنم
 اس کے سوا حیات بھی کیا شے ہے بس عذاب
 دامن کی وسعتوں پہ نہ جا اے نگاہِ یار !
 بخشش تری درست پر اپنی ہوسِ عذاب
 اس دورِ کورِ چشم و ہنرِ ناشناس میں !
 چشمِ کشادہ قمر، دلِ نکتہ رسِ عذاب
 محسنِ یہ فصلِ گل بھی قیامتِ بقی، ٹل گئی
 اب دیکھنا پڑے گا پھر اگلے برسِ عذاب



دل وقفِ یل دیدہٗ پُر آب ہی تو ہے
آخر کہیں رُکے گا کہ سیلاب ہی تو ہے

کافی ہے اضطرابِ کچھ دل میں لہو کی بوند
وہ بھی مثالِ موجِ بیابان ہی تو ہے

ہم سے نہ رُوٹھ، صبح کے تارے، ترے ثنا
تُو بھی قاتلِ شیوہٗ اجاب ہی تو ہے

خوشبو، ہوا میں ریزہٗ پیراہنِ بہارا
شبِ نیم، گلوں کا گریہٗ شاداب ہی تو ہے

نوحہ، شکستِ دل کی ہے آوازِ بازگشت
نغمہ، سفیرِ جنبشِ مضراب ہی تو ہے

جو کچھ بھی سن رہا تھا، صدائے سکوت تھی
جو کچھ بھی دیکھتا ہوں، سب سے اب ہی تو ہے

یہلِ فنا کی موج میں بہہ جائے گی کبھی!
اپنی زمیں بھی گردِ رخِ آب ہی تو ہے
نکلے گا کب حدودِ مَکاں سے بشرِ کا ذہن؟
اب بھی اسیرِ قریۂ مہتاب ہی تو ہے
بہلِ ہوس کی لذتِ کام و دہن کی خیر!
اپنا لہو بھی مثلِ مےِ ناب ہی تو ہے
محسنِ مَسرتوں کی طلبِ رائیگاں سمجھ!
عالمِ کتابِ درد کا اک باب ہی تو ہے



جسم تڑپا ہے خاک پر تنہا
روح کرتی رہی سفر تنہا
نہند والوں کو کیا خبر اس کی؟
کون جاگا ہے رات بھر تنہا؟
لوگ سوئے تھے بند کمروں میں
چاند بھٹکا ہے در بدر تنہا
ساتھ دیتا ہے کون منزل تک؟
ساتھ چلتی ہے رہگزر تنہا
شہر کا شہز بھتا جاتا تھا
جارا تھا وہ اپنے گھر تنہا
اے غمِ زندگی کی رات کے چاند
دھونڈ مجھ کو نگر نگر تنہا

وہ جو ہنستا تھا اہل دل پہ کبھی
روپڑا خود کو دیکھ کر تنہا

بھول کر اپنے حسن کے آداب
میرے دل میں کبھی اتر تنہا

یہ خداؤں کا دور ہے اس میں
رہ گیا ہے فقط بشر تنہا

یاد آئے ہزار شہر مجھے
جب بھی دیکھا کوئی کھنڈر تنہا

اس بھر شہر میں کبھی محسن
انجمن تھا کوئی مگر تنہا



مری محبت تو اک گھر ہے تری وفا بے کراں سمندر
تُو پھر بھی مجھ سے عظیم تر ہے کہاں گھر ہے کہاں سمندر
یقین ہے دھوکے میں آ کے اُترا ہے چاند پانی کی سلطنت میں
بلندیوں سے دکھائی دیتا ہے ہو ہو اُسماں سمندر
ازل سے بے سمت جستجو کا سفر ہے درپیش پانیوں کو
کسے خبر کس کو ڈھونڈتا ہے مری طرح رائیگاں سمندر
میں تشنہ لب دُور سے جو دیکھوں تو ہر طرف یلِ آب پاؤں
قریب جاؤں تو ریت شعلہ بھجار ساحل دھواں سمندر

ہمارے دل میں چھپے ہوئے درد کی خبر چشمِ ترکو ہوگی !
سنا ہے زیرِ زمیں خزانوں کا ہے فقط رازِ داں، سمندر

میں استعاروں کی سرزمین پر اتر کے دیکھوں تو بھید پاؤں
بشرِ مسافر، حیاتِ صحرا، یقینِ ساحل، گماں سمندر

جہاں جہاں شامِ غم کی افسردگی کا ماتم بپا ہوا ہے !
افق سے منہ کر کے ملا ہے وہاں وہاں مہرباں سمندر

وفا کی بستی میں رہنے والوں سے ہم نے محسن یہ طور سیکھا
بسوں پہ صحرا کی تشنگی ہو، مگر دلوں میں نہاں سمندر



ہم جو پہنچے سرِ مقتل تو یہ منظر دیکھا
سب سے اونچا تھا جو سرِ نوکِ سناں پر دیکھا

ہم سے مت پوچھ کہ کب چاند ابھرتا ہے یہاں؟
ہم نے سورج بھی ترے شہر میں آکر دیکھا

پیاس یاروں کو اب اُس موڑ پہ لے آئی ہے
ریت چمکی تو یہ سمجھے کہ سمن در دیکھا

ایسے پلٹے ہیں در و بام سے اب کے جیتے
حادثوں نے بڑی مدت میں مرا گھر دیکھا

زندگی بھر نہ ہوا ختم قیامت کا عذاب
ہم نے ہر سانس میں برپا نیا محشر دیکھا

اتنا بے ن کہ گھلتا ہی نہ تھا باتوں سے
آدمی تھا کہ تراشا ہوا پتھر دیکھا

دکھ ہی ایسا تھا کہ رویا ترا محسن ورنہ
غم چھپا کہ اُسے ہنستے ہوئے کشہ دیکھا



خوشی کا غم ہے نہ غم کی کوئی خوشی اب تو!
بہت اُداس گزرتی ہے زندگی اب تو!

ترے بغیر بھی دل کی تسلیوں کے لیے!
اک انتظار کی شب تھی، سو ڈھل چکی اب تو

اک آشنا کے بچھڑنے سے کیا نہیں بدلا؟
ہو اے شہر بھی لگتی ہے اجنبی اب تو

تمام رات رہی دل میں روشنی کی لکیر!
مثالِ شمع سحر وہ بھی جل بھی اُس تو

چلی تھی جن سے یہاں رسمِ خود نگہداری
اُنھیں عزیز ہوا ذکرِ خود کشی اب تو

کہاں گئے وہ شناسا وہ اجنبی چہرے!
اُجاڑ سی نظر آتی ہے ہر گلی اب تو



اس طرح مرے ذہن میں اُترا ہوا تو ہے
جیسے کسی مہتاب کا سایا لبِ جو ہے

انساں ہیں کہ پتھر کے تراشے ہوئے بُت ہیں
سانسوں میں حرارت ہے نہ شہِ رگ میں لہو ہے

اک گرمی رفتارِ مرے پاؤں کی زنجیر!
اک شعلہ آوازِ مرا طوقِ گلو ہے

دیکھیں تو ہر اک موڑ پہ ہنگامہ محشر!
سوچوں تو بھرے شہر میں اک عالم ہو ہے

دونوں کے خد و خال پہ سایا ہے ہو س کا
حالات نے بخشا ہے کسے میں ہوں کہ تو ہے؟

انساں کو جلادے گئی احساس کی گرمی!
کھنکھنے کو تو پتھر میں بھی اک ذوق نمو ہے

میں تیرہ مقدر ہوں کہاں تک اُسے چاہوں
وہ شعلہ بدن، برق نظر آئینہ رُو ہے

سوچوں تو جھلس جائے ہر اک یاد کا چہرہ!
محسن مری نس نس میں نسیم دہر کی ٹو ہے



لہو کی موج ہوں اور جسم کے حصار میں ہوں
رواں رہوں بھی تو کیسے کہ برفِ ناریں ہوں

جہانِ شامِ الم کے ادا اس ہمسفر
مجھے تلاش کرو، میں اسی دیار میں ہوں

میں پھول بھی ہوں مے پر بہن میں رنگ بھی ہے
مگر ستم یہ ہوا ہے کہ رنگِ ناریں ہوں

چراغِ راہ سہی خود فریب ہوں اتنا
کہ شب کی آخری چمکی کے انتظار میں ہوں

ہر ایک پل مجھے خوفِ شکست ہے محسن
میں آئینہ ہوں مگر دستِ سنگبار میں ہوں



سوزِ اِتنّا تو نوا میں آئے
اُس کا پِ عینِ م ہوا میں آئے
مثلِ گلّ اب کے ہو وِ حِشّت اپنی
زخمِ کارنگِ قبا میں آئے
دل میں یوں چپکے سے اُتر ا کوئی
جیسے جبریل ”حیرا“ میں آئے
یوں اچانک تجھے پایا میں نے
جیسے تاثیرِ دعا میں آئے

چاند نے جھک کے ستاروں سے کہا
کتنے انسان حلا میں آئے؟

حادثہ ضبط کا دشمن ہے اگر
حوصلہ اہل وفا میں آئے

اب تو لب کھول دہن بستہ مرے
زلزلہ ارض و سما میں آئے

روگ کیا جی کو لگا ہے محسن!
زہر کا نام دوا میں آئے



شاملِ مرادِ شمنِ صنفِ یاراں میں رہے گا
یہ تیر بھی پیوستِ رگِ جاں میں رہے گا

اک رسمِ جنوں اپنے مقدّر میں رہے گی
اک چاکِ سدا اپنے گریباں میں رہے گا

اک اشک ہے آنکھوں میں سوچکے گا کہاں تک؟
یہ چاندِ زوِ شامِ غریباں میں رہے گا

میں تجھ سے بچھڑ کر بھی کہاں تجھ سے جدا ہوں
تو خوابِ صفتِ دیدہ گریاں میں رہے گا

رنگوں کی کوئی رُت تری خوشبو نہیں لائی
یہ داغ بھی دامانِ بہاراں میں رہے گا!

اب کے بھی گزر جائیں گے سب وصل کے لمحے
مصرف کوئی وعدہ و پیمان میں رہے گا

میں حرفِ جنوں کہہ نہ سکوں گا، جو کہوں بھی
راکِ راز کی صورتِ دلِ امکاں میں رہے گا

محسن میں حوادث کی ہواؤں میں گھرا ہوں
کیا نقشِ قدمِ دشتِ و بیاباں میں رہے گا؟



نیا ہے شہر، نئے آسے تلاش کروں
تو کھو گیا ہے، کہاں اب تجھے تلاش کروں

ہو دشت میں بھی جلاتے تھے فصلِ گل کے چراغ
میں شہر میں بھی وہی آبلے تلاش کروں؟

تُو عکس ہے تو کبھی میری چشمِ تر میں اتر!
ترے لیے میں کہاں آئینے تلاش کروں!

تجھے جو اس کی آوارگی کا علم کہاں!
کبھی میں تجھ کو ترے سامنے تلاش کروں؟

غزل کہوں، کبھی سادہ سے خط لکھوں اُس کو
اُداس دل کے بیٹے مشغلے تلاش کروں !

مرے وجود سے شاید ملے سراغ ترا
میں خود کو بھی ترے واسطے تلاش کروں

میں چپ رہوں کبھی بے وجہ نہیں پڑوں محسن
اُسے گنوا کے عجب حوصلے تلاش کروں



گمِ صُحْمُ ہوا، آواز کا دریا تھا جو اک شخص
پتھر بھی نہیں اب وہ، ستارا تھا جو اک شخص

شاید وہ کوئی حرفِ وفا ڈھونڈ رہا تھا
چہروں کو بڑے غور سے پڑھتا جو اک شخص

صحرا کی طرح دیر سے پیسا تھا وہ شاید
بادل کی طرح ٹوٹ کے برسا تھا جو اک شخص

اے تیز ہوا کوئی خبر اُس کے حبسوں کی!
تنہا سفرِ شوق پہ نکلا تھا جو اک شخص؟

اب آخری سطروں میں کہیں نام ہے اُس کا
اجباب کی فہرست میں پہلا تھا جو اک شخص!

ہاتھوں میں چھپائے ہوئے پھرنا ہے کئی زحمت
شیشے کے کھلونوں سے بہلتا تھا جو اک شخص

مُڑ مُڑ کے اُسے دیکھنا چاہیں مری آنکھیں
کچھ دُور مجھے چھوڑنے آیا تھا جو اک شخص

اب اُس نے بھی اپنا لیے دُنیا کے قرینے
سائے کی رفاقت سے بھی ڈرتا تھا جو اک شخص

ہر ذہن میں کچھ نقش و من چھوڑ گیا ہے
کنسے کو بھرے شہر میں تنہا تھا جو اک شخص

مُنکر ہے وہی اب مری پہچان کا محسن
اکثر مجھے خطِ خون سے لکھتا تھا جو اک شخص



لوگوں کے لیے صاحبِ کردار بھی میں تھا
خود اپنی نگاہوں میں گنہگار بھی میں تھا
کیوں اب مرے منصب کی سلامی کو کھڑے ہو
یار و کبھی رسوا سربازار بھی میں تھا
میں خود ہی چھپا تھا کفِ قاتل کی شکن میں
مقتول کی ٹوٹی ہوئی تلوار بھی میں تھا
چھینٹے ہیں جہاں اب مرے معصوم لہو کے
اُس فرقِ فلک ناز کی دستار بھی میں تھا

میری ہی صدالوٹ کے آئی ہے مجھی تک
شاید حدِ فِلاک کے اُس پار بھی میں تھتا

منزل پہ جو پہنچا ہوں تو معلوم ہوا ہے!
خود اپنے لیے راہ کی دیوار بھی میں تھتا

اب میرے تعارف سے گریزاں ہے تو لیکن
کل تک تیری پہچان کا معیار بھی میں تھتا

دیکھا تو میں افشا تھا ہر اک ذہن پہ محسن
بچا تو پس پردہ اسرار بھی میں تھا



اُجڑا اُجڑ کے سنورتی ہے تیرے ہجر کی شام
نہ پوچھ کیسے گزرتی ہے تیرے ہجر کی شام؟

یہ برگِ برگ اُداسی بکھر رہی ہے مری !
کہ شاخ شاخ اُترتی ہے تیرے ہجر کی شام

اُجاڑ گھر میں کوئی چاند کب اُترتا ہے ؟
سوال مجھ سے یہ کرتی ہے تیرے ہجر کی شام

مرے سفر میں اک ایسا بھی موڑ آتا ہے
جب اپنے آپ سے ڈرتی ہے تیرے ہجر کی شام

بہت عزیز ہیں دل کو یہ زخم زخمِ ریتیں !
انہی رُتوں میں نکھرتی ہے تیرے ہجر کی شام

یہ میرا دل یہ سدا سرنگارا خانہٴ عنم
سدا اسی میں اُترتی ہے تیرے ہجر کی شام !

جہاں جہاں بھی ملیں تیری قربتوں کے نشان
وہاں وہاں سے اُبھرتی ہے تیرے ہجر کی شام

یہ حادثہ تجھے شاید اُداس کر دے گا
کہ میرے ساتھ ہی مرتی ہے تیرے ہجر کی شام



ایسے تنہا گھر میں کیونکر جائیے؟
اپنے سائے سے جہاں ڈر جائیے!

وہ نہیں، تو کیون دیکھے گا ہمیں!
شہر میں کیوں بن سٹور کر جائیے؟

روئیے اتنا کہ اشکوں سے کبھی
دامنِ دشتِ وفا بھر جائیے

ڈھونڈ ہی لیں گی ہمیں ویرانیاں
شہر میں رہیے کہ اب گھر جائیے

دل کی خاطر زندہ رہیے کب تک؟
دل ہی کہتا ہے کہ اب مَر جائیے
تھم گئی رُسوائی کی وحشی ہوا!
ختم ہے اب شورِ محشر، جائیے
کل ہمیں ہیرے تھے سارے شہر میں
اب ہمیں ٹھہرے ہیں پتھر، جائیے
سب وفانا آشنا دل کے بغیر
مانیے سب کی کہ دل پر جائیے



وہ جس کا نام بھی لیا پہیلیوں کی اوٹ میں
نظر پڑی تو چھپ گئی سہیلیوں کی اوٹ میں

رُکے گی شرم سے کہاں یہ خیال و خد کی روشنی؟
چھپے گا آفتاب کیا ہتھیلیوں کی اوٹ میں؟

ترے مے ملاپ پر وہ دشمنوں کی سازشیں
وہ سانپ ریگتے ہوئے ہتھیلیوں کی اوٹ میں

وہ تیرے اشتیاق کی ہزار جیلہ ساریاں
وہ میرا اضطراب یا ربیلیوں کی اوٹ میں

چلو کہ ہم بچے بچے سے گھر کا مرثیہ کہیں!
وہ چاند تو اُتر گیا، حویلیوں کی اوٹ میں



پھر وہی میں ہوں وہی درد کا صحرا یارو
تم سے بچھڑا ہوں تو دکھ پائے ہیں کیا کیا یارو

پیاس اتنی ہے کہ آنکھوں میں بیا باں چمکیں
دھوپ ایسی ہے کہ جیسے کوئی دریا۔ یارو

یاد کرتی ہیں تمہیں آبلہ پائی کی رتیں — !
کس بیا باں میں ہو، بولو مرے تنہا۔ یارو

تم تو نزدیکِ گِجِباں تھے، تمہیں کیا کہتا؟
میں نے دشمن کو بھی دشمن نہیں سمجھا یارو

آسماں گرد میں گم ہے کہ گھٹا چھائی ہے؟
کچھ بناؤ کہ مرا شہر ہے پایا سا۔ یارو

کیا کہوں گل ہے کہ شبنم وہ غزل ہے کہ غزال؟
تم نے دیکھا ہی نہیں اُس کا سراپا یارو

کون تنہا رہے اک عمر کسی کی خاطر؟
وہ جو مل جائے تو اُس سے بھی یہ کہنا یارو

اُس کے ہونٹوں کے بستم میں تھی خوشبو غم کی
ہم نے محسن کو بہت دیر میں سمجھا یارو



ہم وہ ہیں جن کو حفظِ مراتب کا غم نہیں
نوکِ سناں بھی تختِ سلیمان سے کم نہیں

اُتریں بصدِ خروش ہواؤں کے قافلے
صحرا حریصِ دولتِ نفیس قدم نہیں!

وہ اپنا سر نہ تھا جسے آئی نہ سرکشی
جو سرنگوں ہوا وہ ہمارا علم نہیں

اب کیا کہیں یہ سنگدلی ہے کہ بے حسی؟
دل ہے غموں کی زد پہ مگر آنکھ غم نہیں

ہر سانس قرض ہے تو پھر اے دل شکستگی
مرنے کو زندگی کی یہ تہمت بھی کم نہیں

کیوں لیجے اس سے کام ترمی رونا کی کا
کیا کیجے اپنا دل ہے کوئی جامِ جم نہیں



لوٹ کر کوئی آتا ہے کب، دیکھیے!
ہر گھڑی سوئے در بے سبب دیکھیے

اپنے زخموں کی پریش سے فارغ نہیں
کیا تراخذہ زیر لب دیکھیے؟

کتنے سورج مجھے کتنے تارے گرے
گرم رفتاری روز و شب دیکھیے

خواہش زخم تھی، پھول چننے لگے!
ہم فقیروں کا حسن طلب دیکھیے

اُس سے ترکِ تعلّق بھی کر آئے ہم
کیا قیامت گزرتی ہے اب دیکھیے

اک پرانی کشش اُس میں آباد ہے
اک نیا روپ ہے اُس کو جب دیکھیے

آسمانوں کی بخشش پر مت جائیے
شہر کا شہر ہے تشنہ لب دیکھیے

وصل کا دن تو محسنِ یونہی ڈھل گیا
بھریں کیسے کٹتی ہے شب دیکھیے؟



ہم کو بھی چھپا اے شبِ غم اپنے پروں میں
ہم لوگ بھی شامل ہیں تے ہمسفروں میں

اے دیدہ وری میں تے معیار کا مجسم
پھر لے کے چلا اپنے گھر کم نظروں میں

بادل تو برستے ہیں مگر بانجھ زمیں پر
سورج تو اُبھرتا ہے مگر بے بصروں میں

ممکن ہو تو ہر اک در و دیوار پہ لکھ دوں
پتھر نہ چھپایا کرو شیشے کے گھروں میں

مرہم کی جگہ بانٹتے پھرتے ہیں نئے زحمت!
یہ رسم بھی نکلی ہے عجب چارہ گروں میں

اس گھر کے محافظ بھی خبردار ہیں کتنے؟
سوراخ تو چھپت میں سُوئے تالے ہیں دروں میں

اے دوست ترا درد کہاں راحتِ جاں تھا؟
تو ہم کو غنیمت سمجھ آشفۃ سروں میں

اس شہر میں رہتا ہوں اس انداز سے محسن
جیسے کوئی فنکار پھرے بے ہنروں میں!



خواہشوں کے زہر میں اخلاص کا رس گھول کر
وہ تو پتھر ہو گیا دو چار دن ہنس بول کر

دل ہجومِ غم کی زد میں تھا، بھٹکتا کب تک؟
اک پرندہ آندھیوں میں رہ گیا پر تو ل کر

اپنے ہونٹوں پر سجائے قیمتی ہیروں سے لفظ
اپنی صورت کی طرح باتیں بھی تو انمول کر

آج اُس کی حدِ بخشش ہے ترے سر سے بلند
آج اپنے سر سے بھی اُونچا ذرا شکوں کر

بند ماتھوں کا مقدّر نہیں سبھی کریں مگر
سارے جگنو اڑ گئے، دیکھا جو مٹھی کھول کر

شہر والے جھوٹ پر رکھتے ہیں بنیادِ خلوص
مجھ کو چھپتا نا پڑا محسن یہاں سچ بول کر



پُچھتے اشکوں سے بھی آنکھیں نہ چمکایا کرو
کانچ کے ٹکڑوں سے اپنا دل نہ بہلایا کرو

مجھ کو فرصت ہی نہیں ملتی خود اپنے آپ سے
روٹھنے والو مجھے اب یاد کم آیا کرو

دوستو اپنی زباں سے یس ابھی واقف نہیں
جب مری بانیں سمجھ لو، مجھ کو سمجھایا کرو

اب تمہیں بھی شہر والوں کی منہسی ڈسنے لگی!
میں نہ کہتا تھا مرا دکھ تم نہ اپنا یا کرو

کل تھکے ہارے پرندوں نے نصیحت کی مجھے
شام ڈھل جائے تو محسن تم بھی گھر جایا کرو

برگِ صبرا
۷۷



تمام عمر وہی قصۂ سفر کہنا!
کہ آسکا نہ ہمیں اپنے گھر کو گھر کہنا

جو دن چڑھے تو ترے وصل کی دعا کرنا
جو رات ہو تو دعا ہی کو بے اثر کہنا

یہ کہہ کے ڈوب گیا آج آخری سورج
کہ ہو سکے تو اسی شب کو اب سحر کہنا

میں اب سکوں سے ہوں گا کہ آگیا ہے مجھے
کمال بے ہنری کو بھی اک ہنر کہنا

وہ شخص مجھ سے بہت بدگماں سا رہتا ہے
یہ بات اُس سے کہو بھی تو سوچ کر کہنا

کبھی وہ چاند جو پوچھے کہ شہر کیسا ہے؟
بجھے بجھے ہوئے لگتے ہیں بام و در۔ کہنا

ہمارے بعد عزیزو، ہمارا افسانہ!
کبھی جو یاد بھی آئے تو مختصر۔ کہنا

وہ ایک میں کہ مرا شہر بھر کو اپنے سوا
تری وفا کے تقاضوں سے بے خبر کہنا

وہ ایک تو کہ ترا ہر کسی کو میرے بغیر
معاملاتِ محبت میں معتبر کہنا

وفا کی طرز ہے محسن کہ مصلحت کیا ہے؟
یہ تیرا دشمن جاں کو بھی چارہ گر کہنا



رہتے تھے پستیوں میں مگر خود پسند تھے
ہم لوگ اس لحاظ سے کتنے بلند تھے!
آخر کو سو گئی کھلی گلیوں میں چاندنی!
کل شب تمام شہر کے دروازے بند تھے
گزرے تو ہفتے شہر کو نناک کر گئے
جھونکے ہوئے شب کے بڑے درد مند تھے
موسم نے بال و پر تو سنوارے بہت مگر
اڑتے کہاں کہ ہم تو اسیرِ کند تھے!
وہ ایک تُو کہ ہم کو مٹا کر تھا مطمئن!
وہ ایک ہم کہ پھر بھی حریصِ گزند تھے!
محسنِ ریا کے نام پہ ساہتی تھے بے شمار
جن میں تھا کچھ خلوص وہ دشمن بھی چند تھے



بہت ہوا کہ غمِ دو جہاں کی زد میں نہیں
کہ میں اسیرِ زمان و مکاں کی حد میں نہیں

مرے ملاپ کی خواہش ہے گر تو چاند نہ بن
کہ آسماں کی بلندی تو میرے قد میں نہیں

سفیرِ موسمِ گل ہے، صبا کا پرچم ہے
وہ برگِ تر جو ابھی تک خزاں کی زد میں نہیں

ابھی نہ دام لگا اے خود آگہی اپنے !!
ابھی متاعِ جنوں دامِ حشر دین نہیں

طلبِ خوشی کی نہ غم کی کشش کہ دل جیسے
بہت دنوں سے حصارِ قبولِ رد میں نہیں

صبا نے دامنِ گل میں چھپا کے رکھا ہے
وہ بھولپن جو ابھی تیرے خال و خد میں نہیں

جو اعتبار تھا پیماںِ شکستگی میں نہاں
نجانے کیوں وہ تیرے قولِ مستند میں نہیں

یہ کہہ کے روحِ بدن سے بھپڑ گئی محسن
مجھے سکون تری ٹوٹی ہوئی لحد میں نہیں



اب رفتگاں کی یاد کا کچھ تو پتا بھی دے!
اے شام دکھ دیا ہے تو پھر حوصلہ بھی دے

چھتے ہیں اب تو اشک بھی رہ رہ کے آنکھ میں
موج ہوائے شب یہ چراغان بجھا بھی دے

کیا قریبے فلک کا ستم بھی زمیں پہ ہو
گرنے لگے فلک تو زمیں آسرا بھی دے!

مجھ کو تو حرفِ حق کی طلب تھی سو پالیا
میں نے یہ کب کہا تھا مجھے ”کر بلا“ بھی دے

اب کچھ تو کم ہو دل زدگیاں کی فسر دہائی
اے دردِ رات ڈھلنے لگی مسکرا بھی دے

ہر فردِ ابتدا کی مسافت میں شل ہوا
کوئی تو ہو جو آبِ خیرِ انتہا بھی دے

کب تک ہنسے گی تجھ پہ یہ محرومیوں کی شام؟
وہ شخص بے وفا تھا، اُسے اب بھلا بھی دے

محسنِ سا اہلِ دل تو دکھا اپنے شہر میں
محسن تو ہنس کے زخم بھی کھائے، دعا بھی دے



فلک پر اک ستارا رہ گیا ہے
مرا سا کھٹی اکیسلا رہ گیا ہے

یہ کہہ کر پھر پلٹ آئیں ہو آئیں!
شجر پر ایک پتہ رہ گیا ہے

ہر اک رُت میں ترا غم ہے سلامت
یہ موسم ایک جیسا رہ گیا ہے

ہمارے بعد کیا گزری عزیزِ ودا
سناؤ شہر کیسا رہ گیا ہے؟

برس کچھ اور اسے آوارہ بادل
کہ دل کا شہر پیا سارہ گیا ہے

خداوند اسنبھال اپنی امانت
بشر دنیا میں تنہا رہ گیا ہے

حوادث کس لیے ڈھونڈیں گے مجھ کو؟
مرے دامن میں اب کیا رہ گیا ہے؟

ستارے بانٹا پھرنا ہوں محسن
مگر گھر میں اندھیرا رہ گیا ہے



ادراک پر محیط ہے ارض و سما کا دُکھ
اس سے پرے بھی جو ہے وہ ہے ماوراکا دُکھ

دل نے کہا نہ دیکھ سوئے آسماں کہ یوں !
بڑھتا ہے نارسائیِ درستِ دعا کا دُکھ

ورنہ سکوتِ مرگ کہاں اور ہم کہاں ؟
حیران کر گیا ہمیں اپنی صبا کا دُکھ

دل میں اب اور کیا ہے جسے ڈھونڈتی ہے خلق
کافی ہے زندگی کو شکستِ انا کا دُکھ

سُن لو مسافرانِ بیابانِ شامِ غم !
بخشے گا ابتدا کا سفر انتہا کا دُکھ

کیوں ان دنوں سوا ہے دوستیوں پہ دل
چاہت اک اجنبی کی تو اک آشنا کا دُکھ

محسنِ خزاں کا نام بدل کر لکھو اسے
نایابیِ نقوشِ حسدِ امِ صبا کا دُکھ !



دشتیں بکھری پڑی ہیں، جس طرف بھی جاؤں میں
گھوم پھر آیا ہوں اپنا شہر، تیسرا گاؤں میں

کس کو اس آیا ہے اتنی دیر تک کا جاگنا
وہ جو مل جائے تو اس کو بھی یہی سمجھاؤں میں

اب تو آنکھوں میں اتر آتی ہیں دل کی دشتیں
آئینہ دیکھوں تو اپنے آپ سے ڈر جاؤں میں

کچھ بتا اے مائیں راتوں کی دھندلی چاندنی!
بھولنے والوں کو آخر کس طرح یاد آؤں میں؟

اب کہاں وہ دل کہ صحرا میں بہلتا ہی نہ بھتا
اب تو اپنے گھر کی تنہائی سے بھی گھبراؤں میں

یاد کر کے تیرے لوٹ آنے کے وعدوں کی گھڑی
خود کو اک معصوم بچے کی طرح ہسلاؤں میں

میرے خوابوں نے ترا شاتھا ترا اُجلا بدن
اب تجھے اب فکر کی پوشاک بھی پہناؤں میں

کس لیے محسن کسی بے مہر کو اپنا کہوں!
دل کے شیشے کو کسی پتھر سے کیوں ٹکراؤں میں؟



اہل جہنما سے ربطِ وفا توڑ دیجیے !
اب جی میں ہے کہ شہر ترا چھوڑ دیجیے !

مڑ مڑ کے دیکھیے نہ لٹے منظروں کی نعمت
آنکھیں جو ضد کریں تو انہیں پھوڑ دیجیے

کہتی ہیں دل زدوں سے بیاباں کی دعائیں
رُخ اپنی وحشتوں کا ادھر موڑ دیجیے !

ہر آنکھ زخم زخم ہے ہر دل ہے چور چور
اب اتنے آئینوں کو کہاں جوڑ دیجیے !



چھڑ گئی اُس سے اہلِ دردِ کِ بات
 زندگی ہے اُداس اور تنہا!
 ہر طرف ہے ہجومِ تنہائی!
 کتنی کیا اب ہے متاعِ خلوص
 رات تو اِس طرح سے یاد آیا
 ماورا ہے حروف سے وہ بدن
 کس نے چھینا تبسمِ غمِ دوست؟
 میں نے مانا ہے ایسے حقائق کو
 ایسے تقسیم ہو رہا ہے بشر
 چاند بھی پتھروں کی وادی ہے
 دیکھیے کیسا ہو صورتِ حالات!
 جیسے رخِ بستہ کو ہمار کی رات
 جیسے جنگل میں وحشیوں کی برات
 یومِ عاشور جیسے موجِ فراست
 جیسے نازل ہوں ذہن پر آیات
 شل ہوئی جا رہی ہیں تشبیہات
 ڈوبتی جا رہی ہے نبضِ حیات
 جس کی تخلیق کو نہیں ہے ثبات
 جس طرح بانٹ دے کوئی خیرات
 دیکھ اپنی عظیم تخلیقِ است!

میں نے پایا ہے وہ جہاں محسن
 جس میں ممکن نہیں دکھوں سے نجات



ہر اک قدم پہ یہ خدشہ مری نگاہ میں ہے
کہ دشتِ شامِ غریباں سحر کی راہ میں ہے

ابھی کچھ اور بھڑک اے چراغِ تنہائی!
ترا وجودِ غنیمت شبِ سیاہ میں ہے

اُتر رہا ہے ترا دردِ دل میں یا سرِ شام!
ورودِ موسمِ گلِ دشتِ بے گیاه میں ہے؟

جہاں پناہ ترا عدل مستند ہے مگر!
پُچھپا ہوا مرقا قاتلِ تری سپاہ میں ہے

ہوا چلی تو میں اس معجزے کو مان گیا
کہ بجلیوں کی تڑپ بھی وجودِ گاہ میں ہے
گنوا چکا ہے تو اک دن بھلا بھی دے گا تجھے
کہ حوصلہ ابھی اتنا دلِ تباہ میں ہے!
یقین کون کرے میری بے گناہی کا
یہ تاب مجھ میں نہ جراتِ مے گواہ میں ہے
ہمارے بعد اُداسی ہے ہر طرف محن
بہار گھر میں نہ رونق وہ قتل گاہ میں ہے



روشنی تیرے ”سفیروں“ کا نشان باقی ہے
دامنِ شب میں چراغوں کا دھواں باقی ہے

حشر تو ہو بھی چکا تیرے بچھڑ جانے پر
دل میں کیوں دوسرے سود و زیاں باقی ہے

اب تجھے یاد دلانے کے لیے کچھ بھی نہیں !
صرف اک عہدِ وفا، وہ بھی کہاں باقی ہے؟

رہ روؤ، دھوپ نے جھلسا دیے قدموں کے نشان
پھر بھی اک واہمہ ابرو رواں باقی ہے

دل کو اب شوق سے تاراج کرے برقِ غذا
اُٹھ گئے سارے یکیں، صرف مکاں باقی ہے

کون کہتا ہے کہ الفاظ ہیں محتاجِ قلم !
کٹ گئے ہاتھ مگر میری زباں باقی ہے

کتنے خورشید تراشے گئے، پھر بھی محسن
تیرگی ہے جو کراں تا بہ کراں باقی ہے

بُزگِ صَحا
۹۴

○

یوں جِشنِ وفا منسا رہا ہوں
ہر دُردِ پہ مُسکرا رہا ہوں

اے شہر نہ گرفتِ بول مجھ کو
صحا سے اُجر طے آ رہا ہوں

اے شام نہ ہو اُداس اتنی
میں گھر کے دیئے بجھا رہا ہوں

پتھر کو لگا رہا ہوں جو نکلیں
دنیا کو دفن سکھا رہا ہوں

یوں اپنے سے کر رہا ہوں باتیں
جیسے یسُ انہیں سنار رہا ہوں

ہر شخص کو مجھ سے ہے محبت
ہر شخص کو آزما رہا ہوں

بیٹھا ہے وہ سامنے کہ مُحن
سورج سے نطفہ ملا رہا ہوں



یہ دل یہ پاگل دل مرا کیوں بچھ گیا آوارگی!
اس دشت میں اک شہر تھا، وہ کیا ہوا آوارگی!

کل شب مجھے بے شکل کی آواز نے چونکا دیا
میں نے کہا تو کون ہے اُس نے کہا ”آوارگی“

لوگو بھلا اُس شہر میں کیسے جیتیں گے ہم، جہاں
ہو جرم تنہا سوچنا لیکن سدا، آوارگی!

یہ درد کی تنہائیاں، یہ دشت کا ویراں سفر
ہم لوگ تو اکتا گئے، اپنی سنا آوارگی!

اک اجنبی جھونکے نے جب پوچھا مرے غم کا سبب
صحرا کی بھیگی ریت پر میں نے لکھا ”آوارگی“

اُس سمت وحشی خواہشوں کی زد میں پیان وفا
اس سمت لہروں کی دھمک کچا کھڑا، آوارگی

کل رات تنہا چاند کو دیکھا تھا میں نے خواب میں
محسن مجھے اس آئے گی شاید سدا ”آوارگی“



وہ کون لوگ تھے، اُن کا پتہ تو کرنا تھا
مرے لہو میں نہسا کر جنہیں نکھرنا تھا

یہ کیا کہ لوٹ بھی آئے سراب دیکھ کے لوگ
وہ تشنگی تھی کہ پاتال تک اُترنا تھا

گلی کا شور ڈرائے گا دیر تک مجھ کو!
میں سوچتا ہوں درپچوں کو وا نہ کرنا تھا

یہ تم نے اُنکلیاں کیسے دُکار کر لی ہیں؟
مجھے تو خیر لکیروں میں رنگ بھرنا تھا

وہ ہونٹ تھے کہ شفق میں نہائی کر نہیں تھیں؟
وہ آنکھ تھی کہ خنک پانیوں کا جھرنا تھا؟

گلوں کی بات کبھی راز رہ نہ سکتی تھی
کہ نکمتوں کو تو ہر راہ سے گزرنا تھا

خزاں کی دھوپ سے شکوہ فضول ہے محسن
میں یوں بھی پُھول تھا آخر مجھے بکھرنا تھا



اتنی مدت بعد ملے ہو !
کن سوچوں میں گم پھرتے ہو ؟

اتنے خائف کیوں رہتے ہو ؟
ہر آہٹ سے ڈر جاتے ہو

تیز ہوائ نے مجھ سے پوچھ لیا
ریت پہ کیا لکھتے رہتے ہو ؟

کاش کوئی ہم سے بھی پوچھے
رات گئے تک کیوں جا گئے ہو ؟

میں دریا سے بھی ڈرتا ہوں
تم دریا سے بھی گھرے ہو !

کون سی بات ہے تم میں ایسی
اتنے اچھے کیوں لگتے ہو ؟

پیچھے مڑ کر کیوں دیکھتا تھا
پتھر بن کر کیسا تنگتے ہو

جاوِ جیت کا جشن مسادو!
میں جھوٹا ہوں، تم سچے ہو

اپنے شہر کے سب لوگوں سے
میری حسا طر کیوں اُلجھے ہو؟

کننے کو رہتے ہو دل میں؟
پھر بھی کتنے دُور کھڑے ہو

رات ہمیں کچھ یاد نہیں بھتا
رات بہت ہی یاد آئے ہو

ہم سے نہ پوچھو ہجر کے قصے
اپنی کہو اب تم کیسے ہو؟

محسن تم بدنام بہت ہو
جیسے ہو، پھر بھی اچھے ہو



تجھ سے ربطِ اتنا، غمِ شام و سحر، اپنا ہے
عکس تیرا ہے مگر دیدہ تر، اپنا ہے

جی میں آیا تو کبھی پھوڑ ہی ڈالیں گے اسے
غیر کے لائحہ کا پتھر نہیں، سر اپنا ہے

وحشتِ جاں کبھی فرصت ہو تو اس سمت بھی آ
شہر سے دُور سہی، دشت بھی گھر اپنا ہے

ڈوبتے ڈوبتے سورج نے یہ شب سے کہا
چاند اُبھرا بھی تو کیا، لختِ جگر اپنا ہے

بارشِ سنگ کی بہیت سے متقل ہیں مکاں
ماں بھرے شہر میں دا ہے جو وہ در اپنا ہے
بے حجابانہ ملے اُس سے تو یہ بھید کھلا
خلق کا خوف نہیں ہے اُسے ڈرا پنا ہے
وہ جو منزل ہے سرحدِ نطفہ تیری ہے
یہ جو چہرہ ہے پسِ گردِ سفر، اپنا ہے
سچ بھی کہتے ہیں مگر جھوٹ کی لے میں محسن
کچھ دنوں سے یہی اندازِ ہنر اپنا ہے!



بچھڑ کے تجھ سے یہ سوچوں کہ دل کہاں جائے؟
سحر اُداس کرے، شام رائیگاں جائے

زمیں بدّر جو ہوئے ہو تو میرے ہمسفر و!
چلے چلو کہ جہاں تک یہ آسماں جائے

تمام شہر میں پھیلی ہوئی ہے تنہائی!
یہ دل جواں سہی لیکن کہاں کہاں جائے

جہلوں تو یوں کہ ازل جگمگا اٹھے مجھ سے
بجھوں تو یوں کہ ابد تک مراد صواں جائے

ابھی تو دل سے نکل کر زبان تک آئی ہے
کسے خبر کہ کہاں تک یہ داستان جائے؟

قدم قدم پہ ہے زنداں روشِ روشِ صلیب!
کوئی تو ہو کہ جوابِ بہرِ امتحان جائے

بچھڑ چلا ہے تو میری دُعا بھی لیتا جا
وہاں وہاں مجھے پائے، جہاں جہاں جائے!

میں اپنے گھر کی طرف جا رہا ہوں یوں محسن
کہ جیسے لُٹ کے کسی بن میں کارواں جائے!



اہلِ دل جاں سے بھی گزر آئے
اب تو منزل تری نظر آئے!

آج دل بے سبب دھڑکتا ہے
آج شاید تری خبر آئے

فصلِ گل کوئی معجزہ اب کے!
چاک دامن کا تا جگر آئے

دشت میں آکے یوں لگا جیسے
کوئی پردہ سی اپنے گھر آئے

بے نیازی سے بے وفائی تک
کوئی تہمت تو اُس کے سر آئے

دل کا عالم تو ایک جیسا ہے
رات جائے کہ اب سحر آئے

دوستو اُس کی چاہتیں معلوم!
جس کا خط اتنا مختصر آئے

ہم نے محسن سے مل کے کیا پایا؟
مفت میں جی اُداس کر آئے



جب دھوپ مجھے پیکرِ آزار بناوے
سایا بھی مری راہ میں دیوار بناوے
لوگوں پہ بھرم کھل بھی چکا اُس کی کشش کا
اب خود کو وہ بے سود پُر اسرار بناوے

سراپنا ہتھیلی پہ لیے سوچ رہا ہوں!
کیوں مجھ کو تماشہ ترابا زار بناوے؟

کیوں پیڑ نہ حائل ہو رہِ موجِ ہوا میں؟
خود موجِ ہوا شاخ کو تلوار بناوے

لبوس کو اس طور سے تقسیم کریں ہم!
کچھ میرا کفن، کچھ تری دستار بناوے

اک ہم کہ کسی وضع کے قائل ہی نہیں ہیں
اک تُو کہ ہمیں صاحبِ معیار بناوے

جی ہمارے پھرتا ہے تو قاتل سے یہ کہہ دو
آپھر دِلِ ناداں تجھے دلدار بنا دے

آہٹ سے مرا سامعہ، سو حشر ترا شنے !
تنگے کو مرا واہمہ، کسار بنا دے

اے دیدہ پرخوں کوئی برسات کہہ پل میں
قطرے کو گھر، دشت کو گلزار بنا دے

وہ تیرہ مقدّر ہے مری راہ کہ کشر !
سورج کے مقابل صفت اشجار بنا دے

اس دور کے فنکار کی خواہش ہے کہ محسن
پانی میں کبھی دائرہ پر کار بنا دے



ہر سو خیالِ یار کی چادرِ سی تان کر
تعمیر اپنے سر پہ نیا آسمان کر

آنکھوں پہ اعتماد کر دے تو دیکھنا
پتھر چٹو گے ریزہ الماس جان کر

شاید وہ آسمان سے اُدھر بھی نہ مل سکے
اُس کے لیے کچھ اور بھی اُوچی اُڑان کو

اُس نے بھی جو سلوک کیا، عادتاً کیا۔
ہم بھی وہاں گئے تھے، کہا دل کا مان کر

اپنے سوا کسے ہے خبرِ دردِ حُب کی
یہ درد بھی ہماری زباں سے بیان کر

شاید اُداسیاں بھی ترا دل بھاسکیں
صحرا پہ میرے شہر کا اک دن گمان کر

محسن وہ شخصِ خواب نہیں ہے کہ محو ہوا
اُس کو غزل سمجھ، اُسے دردِ زبان کر



موجِ خوشبو کی طرح بات اُڑانے والے!
تجھ میں پہلے تو نہ تھے رنگِ زمانے والے

کتنے ہیرے میری آنکھوں سے چرائے تو نے
چند پتھر مری جھولی میں گرانے والے

خوں بہا اگلی بہاروں کا تے سر تو نہیں؟
خشک شہنی پہ نیا پھول کھلانے والے

اے تجھے نذر کروں اپنی ہی شہِ رگ کا لہو
میرے دشمن، میری توقیر بڑھانے والے

آستینوں میں چھپائے ہوئے خنجر آئے
مجھ سے یاروں کی طرح ہاتھ ملانے والے

ظلمتِ شب سے شکایت اُنہیں کیسی محسن
وہ تو سورج کو تھے آئینہ دکھانے والے



بکھر رہے ہیں خد و خال چار سو میرے
مجھے تلاش نہ کر لیں کہیں عذو میرے
میں سنگِ ادھوں سوچوں کا سامنے اُس کے
وہ آئینہ ہے تو چمکے گا روبرو میرے
لکھا جو مثنوی میں نے مزاجِ آدم کا۔
تمام لفظ ہوئے ہیں لٹو لٹو میرے
یہ ڈھلتی شام کا جادو ہے یا فریبِ نظر؟
کہ سائے پھیلتے جاتے ہیں گویا میرے



سُورج کو دفنانے آئے
ڈھلتی شام کے لمبے سائے

دُکھ نے سکھ کا سانس لیا ہے
کاش کوئی پھر یاد نہ آئے

ایک ہے رستہ ہم دونوں کا
دیکھیں کون کہاں تک جائے؟

آج گھٹا سے خوشبو برسی!
جیسے تو زلفیں لہرائے

کاش کوئی سمجھائے اُس کو
لیکن کون اُسے سمجھائے

روز کوئی ملنے آتا ہے
کیا کہتے ہوں گے ہمسائے؟

ہتھ سے یوں بچھا ہوں جیسے
پتھر سے شیشہ ٹکرائے

آج کا انسان، سب کے ارزاں
کون اسے معبود بنائے؟

ہجر دھرتی پوچھ رہی ہے
چاند پہ کس نے شہر بسائے؟

وہ "خوشبو" کی موج ہے محسن
کون اُس کی تصویر بنائے؟

نہیں یہ غم کہ میری حسرتوں کا خون ہوا
خوشی تو یہ ہے کہ ساتھی ہیں سرخرو میرے
یہ کیا کہ سارا زمانہ ہے تیرا دشمنِ جاں؟
کچھ اپنی بات بھی کر اے بہانہ جو میرے
میں تجھ سے مل کے خود اپنا وجود کھو بیٹھا
تمام رنگ چرا لے گیا ہے تو میرے
جنوں کی فص تو محسن گزرتی لیکن
جگر کے چاک ابھی تک ہیں بے رفو میرے



اگر چہ ساق بھی مقتل میں لمحہ بھر ٹھہرے
تو نام کیوں مرے قاتل کا چارہ کر ٹھہرے؟

کسی طرح تو مٹے نار سائیوں کی نوازش
کہیں تو قافۂ شام بے سحر ٹھہرے!

بُرائے مان جو غم نے بھجبا دیا مجھ کو
کہ آندھبوں میں کہاں شمع رہ گزر ٹھہرے؟

صبا کو ہم سے عداوت ہمیں سے رُت کو گریز
بھرے چمن میں ہمیں شاخ بے ثمر ٹھہرے

ترے فراق کے لمحوں میں دل نے سو پایا ہے
ترے وصال کے دن کتنے مختصر ٹھہرے!

ہمارے بعد سبایا ہے کس نے مقتل کو
عزیز و کچھ تو کہو، ہم تو بے خبر ٹھہرے

میں شہرِ ماہی کا مقدّر سنوار لوں محسن
وہ ماہتاب جو پل بھر کو بام پر ٹھہرے



ہمار کیا، اب خزاں بھی مجھ کو گلے لگانے تو کچھ نہ پائے
میں برگِ صحرا ہوں، یوں بھی مجھ کو ہوا اڑائے تو کچھ نہ پائے

میں لپٹیوں میں بھی خوش بڑا ہوں زمیں کے ملبوس میں جڑا ہوں
مثالِ نقشِ قدم پڑا ہوں، کوئی مٹائے۔ تو کچھ نہ پائے

تمام رسمیں ہی توڑ دی ہیں کہیں نے آنکھیں ہی پھوڑ دی ہیں
زمانہ اب مجھ کو، آئینہ بھی مرا، دکھائے تو کچھ نہ پائے

عجیب خواہش ہے میرے دل میں، کبھی تو میری صدا کو سن کر
نظر جھکائے تو خوف کھائے، نظر اٹھائے تو کچھ نہ پائے

میں اپنی بے بائگی چھپا کر، کوڑا اپنے کھٹے رکھوں گا
کہ میرے گتہ میں اُداس موسم کی شام آئے تو کچھ نہ پائے

تُو آشنا ہے نہ اجنبی ہے، تُو مرا پیار سہ نہ ہی ہے
مگر یہ کیا رسم دوستی ہے، تُو روٹے جاسے تو کچھ نہ پائے؟

اُسے کنوا کر پھر اُس کو پانے کا شوق دل میں تو یوں ہے محسن
کہ جیسے پانی پہ دائرہ سا۔ کوئی بنائے تو کچھ نہ پائے



بلا کے تو بھی اُڑا سہرا نہ دے مجھ کو
یہ خوف ہے کہ ہوا پھرنجھانہ دے مجھ کو
میں اِس خیال سے مڑمڑا کے دیکھتا ہوں اُسے
پچھڑ کے بھی وہ کہیں پھر صدانہ دے مجھ کو
فضائے دشت اگر اب میں گھر کو یاد کروں
وہ خاک اُڑے کہ ہوا راستانہ دے مجھ کو
اِسی خیال سے شب بھر نہیں سو نہیں سکتا
کہ خوفِ خواب گزشتہ جگہانہ دے مجھ کو

تو بے بغیر بھی تیری طرح میں زندہ رہوں؟
یہ حوصلہ بھی، دعا کر خدا نہ دے مجھ کو

اُبھر رہی ہے مرے دل میں پستیوں کی کشش
وہ چاند پھر سے زمیں پر گرانا نہ دے مجھ کو

میں اس لیے بھی اُسے خود مناؤں گا محسن
کہ مجھ سے روٹھنے والا، بھلا نہ دے مجھ کو



سکوں کے دن سے فراغت کی رات سے بھی گئے
تجھے گنوا کے بھری کائنات سے بھی گئے!

جُدا ہوئے تھے مگر دل کبھی نہ ٹوٹا تھا!
خفا ہوئے تو ترے التفات سے بھی گئے

چلے تو نیل کی گہرائیاں تھیں آنکھوں میں
پلٹ کے آئے تو موجِ فرات سے بھی گئے

خیال تھا کہ تجھے پا کے خود کو ڈھونڈیں گے
تو مل گیا ہے تو خود اپنی ذات سے بھی گئے

پچھر کے خط بھی نہ لکھے اُداس یاروں نے
کبھی کبھی کی ادھوری سی بات سے بھی گئے

وہ شاخ شاخ لچکتے ہوئے بدنِ محسن!
مجھے تو مل نہ سکے تیرے ہات سے بھی گئے؟

خواب بکھرے ہیں سہانے کیا کیا؟
لٹ گئے اپنے خزانے کیا کیا!

صرف اک ترکِ تعلق کے لیے!
تو نے ڈھونڈے ہیں بہانے کیا کیا

مڑ کے دیکھا ہی تھا ماضی کی طرف
اگلے یار پڑانے کیا کیا!

آج دیکھی ہے جو تصویر تری!
یاد آیا ہے نجانے کیا کیا!

شکریہ اے غمِ احباب کی رات
ہم پہ گزرے ہیں زمانے کیا کیا

کس سے کہیے کہ تری چاہت میں
ہم نے سوچے تھے فسانے کیا کیا

راتِ صبح کی ردا پر محسن
حرف لکھتے تھے ہوا نے کیا کیا



وہی تھا رنگ اُداسی کا، ہر گزر جیسا
 رہا ہے گھر میں بھی عالم وہی سفر جیسا
 دعائیں دے مے اشکوں کو شامِ ہجر کے چاند
 دمک گیا ترا چہرہ مری سحر جیسا!
 ہر لگیا مجھے تنہا یوں کی منزل پہ
 خلوص موج ہوا کا وہ ہم سفر جیسا
 کسے بتاؤں کہ اُس سے بچھڑ کے کیا گزری؟
 کہاں گیا وہ مرے غم سے بے خبر جیسا
 تو اجنبی ہے تو شاید تجھے نہ اس آئے
 اُجاڑ دشت کا انداز میرے گھر جیسا
 بدل گیا نہ ہو پردیس جا کے وہ محسن
 کہ اُس کا خط بھی ملا اب کے مختصر جیسا



جب سے اُس نے شہر کو چھوڑا، ہر رستہ سفسان ہوا
اپنا کیا ہے، سارے شہر کا اک جیسا نقصان ہوا

یہ دل، یہ آسیب کی نگری، مسکن سوچوں و ہموں کا
سوچ رہا ہوں اس نگری میں تو کب سے مہمان ہوا؟

صحرا کی سنہ زور ہوائیں، "اوروں" سے منسوب نہیں
مفت میں ہم آوارہ کھڑے، مفت میں گھر ویران ہوا

میرے حال پہ ہیرت کیسی، درد کے تنہا موسم میں
پتھر بھی رو پڑتے ہیں، انسان تو پھر انسان ہوا

اتنی دیر میں اُجڑے دل پر، کتنے محشر بیت گئے
جتنی دیر میں تجھ کو پا کر، کھونے کا امکان ہوا
کل تک جس کے گرد تھا رقصاں اک انبوہ ستاروں کا
آج اُسی کو تنہا پا کر، میں تو بہت حیران ہوا
اُس کے زخم چھپا کر رکھیے، خود اُس شخص کی نظروں سے
اُس سے کیسا شکوہ کیجے، وہ تو ابھی نادان ہوا
جن اشکوں کی بھپکی لو کو ہم بے کار سمجھتے تھے!
اُن اشکوں سے کتنا روشن، اک تاریک مکان ہوا
یوں بھی کم آمیز تھا محسن، وہ اس شہر کے لوگوں میں
لیکن میرے سامنے آرزو رہیں کچھ ”انجان ہوا“



جتنے بھی سنو رہیں سبھی مہرب لب ہیں
اے دوست تے شہر کے آداب عجب ہیں

بے رستہ زنجیر ترا درجے تو کیا ہے؟
ہم منتظر عدل جہانگیر ہی کب ہیں؟

اے محاسب شہر نہیں تجھ سے شکایت
ہم خود ہی دل و جاں کی تباہی کا سبب ہیں

یہ اہل و مساکون ہیں اے کوچہ قافل!
جاں نذر وفا کر کے بھی بیدا و طلب ہیں

اسے وار و نو ہم پہ نہ کر اتنا بھر دسہ
ہم لوگ بھی دریوزہ گرد نام و نسب ہیں

اب دیکھیے کس کس پہ ترے غم کا کرم ہو؟
ور نہ تری چاہت کے گندکار تو سب ہیں

سوزِج کی طرح ہم پُستلپ ہیں کئی لوگ
یہ بات الگ ہے کہ وہ پردہ شب ہیں

محسن ہمیں معلوم ہے ہر غم کی حقیقت !
ہم حلقہ ماتم میں بھی مصروفِ طرب ہیں



اب کیا ہو تمہیں وہ صحبتیں اسے دل وہ بزمِ آریاں؟
بلکھری پڑی ہیں شہر میں ہر سونٹھن تنہائیاں

اب دودھ کی تاثیر بھی مٹی میں مل کر رہ گئی
اب بھائیوں سے دشمنی کرنے لگیں ماں جائیاں

کس کس سے رکھیں دوستی کس کس کو دشمن جانیے!
چہروں میں گھر کر رہ گئیں، نادانیاں، داناۓیاں

رستہ بتاتے ہیں مگر، آنکھوں پہ پٹی باندھ کر!
کچھ ہمسفر کرتے ہیں یوں بھی حوصلہ افزائیاں

سورج کسی کے ہجر کا ڈھلنے میں آتا ہی نہ تھا
یادوں کی گرمی رات نے زلفیں بہت بکھڑیاں

محل سجا کر چل پڑی یگلی پرائے دیس کو!
ہنستے رہے آنسو مرے روتی رہیں شہنایاں

رشتوں کے بندھن توڑ کر سم ٹم ٹو نہی ملتے ہیں
روکا کریں گھر وایاں، پوچھا کریں مہنایاں

کتنی رتیں بیتیں مگر محسن ابھی تک یاد ہیں
اک چاندنی اوڑھے ہوئے آنگن میں دو پرچھایاں



اجنبی شہر لگے صورتِ زنداں مجھ کو
لے چل اے موجِ ہوا سوتے بیا بیاں مجھ کو

رات آنے تو ترے درد کی رت بھی آنے
چاند نکلتے تو کرے داں بھی پریشاں مجھ کو

میں بھی نبھنے کو ہوں اے قتل گہ شہرِ مگر
یاد رکھے گی تری شامِ غریباں مجھ کو

لوٹ آیا ہوں نصیبِ غمِ یاراں بن کر
راسِ آئی نہ ہوا نے غمِ دوراں مجھ کو

تو کہ دریا پہ برستا ہے نہ صحراؤں میں
اپنی منزل تو بتا — ابرگرہ یزاں مجھ کو!

یوں بھی رسوا تھی بہت خلوتِ دل کی خواہش
تیری چاہت نے کیا اور نمایاں مجھ کو!

اپنا گھر کتنا ہی ویراں ہو، پھر اپنا گھر ہے
بسترِ خاک لگے تختِ سیماں مجھ کو

جاننا ہوں میں خد و خال کی قیمتِ محسن
آئینہ کر نہ سکے گا کبھی حیراں مجھ کو



وہ صبا زادہ سہی، صرصر بھی ہے!
سنگدل بھی، آئینہ پیکر بھی ہے
کر رہا ہوں طے اندھیروں کا سفر
بوجھ صدیوں کا مرے سر پر بھی ہے
آئینے کو کیا خبر اس بھید کی!
ایک چہرہ جسم کے اندر بھی ہے
صبح کی پہلی کرن کو کیا خبر؟
تیرے زانو پر بھی کسی کا سر بھی ہے

پرتوں کے پار جانا ہے مجھے
ہر قدم پر اک نئی ٹھوکر بھی ہے

منصفی آتی ہے جس کے ہاتھ میں
استیں اُس کی لہو میں تر بھی ہے

چاند بھی اُترا ہوا ہے تھیل میں
اک نیا منظر پس منظر بھی ہے

احتیاط اے رنادرہ دل محسن مرے
دوستوں کے ہاتھ میں خنجر بھی ہے

اُس کو اپنے گھر کے سناٹے سے کتنا بیزار تھا
وہ بظاہر کچھ نہ لگتا تھا مگر ”فزکار“ بھتا

تجھ سے بچھڑا ہوں تو دیکھے ہیں کسی چہرے کو
خواہشوں کی بھیڑ میں بھی تو مرا معیار تھا

اُس کی خواہش تھی تو پی لینا تھا جامِ مہر بھی
دیکھنا بے سود تھا پھر سوچنا بے کار تھا

میرا سر نوک سناں پر بھی رہے سب سے بلند
میں بنی آدم کی عظمت کا علمبردار تھا

میں سفر آغاز کیا کرتا انا کے دشت میں
میرا سایہ راہ کی سب سے بڑی دیوار تھا

شہر بھر میں ایک ہی دشمن نظر آیا ہے
وہ ستمگر بھی مرا صدیوں پرانا یا بھتا

ہم نے محسن کی غزل پڑھ کر ہی جی بہلا لیا
اُس سے کیا ملتے وہ اپنے آپ سے بیزار تھا



رہرو فرات کا نہ مسافر ہوں نیل کا
میں بھول ہوں خود اپنی لہو رنگ جھیل کا

اے شام بے سحر تو مرا احترام کر
میں آخری چراغ ہوں تیری فصیل کا

تُو نے کہا نہ تھا کہ ”مرا آئینہ ہے تُو“
میں منتظر رہا ترے عکسِ جمیل کا

شاید خدا کے گھر کی طرح دل بھی بچ سکے
ور و زباں ہے واقعہ ”اصحابِ فیل“ کا

محسنِ بروزِ حشر نہیں خوفِ تشنگی
ساتی ہے بُو تراب اگر ساسیل کا



جذبے کو زبان دے رہا ہوں
پتھر کو بھی جان دے رہا ہوں
اک یاد کو دفن کر کے دل میں
دشمن کو امان دے رہا ہوں
مُنصف کا مزاج جانتا ہوں
بے سُود بیان دے رہا ہوں
بہروپ بدل کے آندھیوں کا
ذروں کو اڑان دے رہا ہوں

چہرے پہ سجا کے خون اپنا
قاتل کا نشان دے رہا ہوں

فصلوں کو تو بارشوں نے لُٹا
مٹی کا لگان دے رہا ہوں

تنہائی میں کر رہا ہوں باتیں
دیوار کو کان دے رہا ہوں

اس شہر میں شعر کہہ کے محسن
صحرا میں اذان دے رہا ہوں



سنگدل کتنے تڑے شہر کے منتظر۔ نکلے
جن کی مہماں تھی شبِ غم، وہی بے گھر نکلے
ایسی آنکھوں سے تو بہتر تھا کہ اندھے ہوتے
ہم جسے آئینہ سمجھیں وہی پتھر نکلے!
دن بُرے ہوں تو گھر پر بھی ہو کنکر کا گماں
بن پڑے بات تو صحرا بھی سمندر نکلے
آبگینوں کو جو توڑا تو وہ ٹھہرے مٹی!
سنگریزوں کو جو پرکھا تو وہ ”مَر“ نکلے

جن کو نفرت سے ہوا، راہ میں چھوڑ آئی تھی
آسمان پر وہی ذرے مہ و اختر نکلے

شہر والوں نے جھنپیں دار کا مجرم سمجھا
وہ گنہگارِ محبت کے پمبیہ نکلے

خوف سے موت کی ہچکلی بھی اٹک جاتی ہے
اس خموشی میں کہاں کوئی سنوڑ نکلے؟

میری ہر سانس تھی میزانِ عدالتِ محسن
جتنے محشر تھے مرے جسم کے اندر نکلے!



وہی قہقہے ہیں وہی بات پرانی اپنی
کون سنتا ہے بھلا رام کہانی اپنی

ہر ستمگر کو یہ ہمدرد سمجھ لیتی ہے
کتنی خوش فہم ہے کم نجت جوانی اپنی

روز ملتے ہیں درتپے میں نئے پھول مجھے
چھوڑ جاتا ہے کوئی روز نشانی اپنی

تجھ سے بچھڑے ہیں تو پایا ہے بیابان کا سکوت!
ورنہ دریاؤں سے ملتی تھی روانی اپنی!

فحطِ پندار کا موسم ہے سُنہرے لوگو!
اور کچھ تیز کر و اب کے گرائی اپنی

دشمنوں سے ہی عسیمِ دل کا مداوا مانگیں
دوستوں نے تو کوئی بات نہ ملانی اپنی

آج پھر چاندِ افق پر نہیں ابھرا عس
آج پھر رات نہ گزے گی سہانی اپنی



اب تو ہر اک آن باریتی رُت سے جی ڈرتا ہے
بے فکری کی نیند کا موسم شاید بیت گیا ہے

پیلے پتوں والے پودے کب کھڑے ہو چکے ہیں
پت جھڑکی اس ت میں لیکن دل کا پیڑ ہر ا ہے

جب وہ مجھ سے چھپ کر ڈیا، جب یہ بات کھلی ہے
کہنے کو ہم ایک ہیں لیکن، دکھ اپنا اپنا ہے

کون بچائے کالی ناگن رات کی زد سے اس کو؟
دھلتا سوچ بوڑھے دن کا اکلوتا بیٹا ہے

برگِ صحرا
۱۴۰

تُو وہ بستی بھول چکا ہے، جس کا اک اک باسی
پتھر بن کر اب تک تیرا رستہ دیکھ رہا ہے

شہر اُجڑا، گھر ویراں ٹھہرے رستے چپ ہیں لیکن
سُوکھے پیڑ یہ اب تک تیرا میرا نام لکھا ہے

وہ انمول گہر ہے اب بھی اُس کی بات نہ چھڑو
ہم ہی پیار میں جھوٹے نکلے، محسن وہ سچا ہے



رات باقی رہے کہ ڈھل جائے؟
زندگی تو نہ رُخ بدل جائے

سوچ کی دھوپ میں بدن اُس کا
برف جیسے پگھل پگھل جائے

کس قدر گرم ہے وجود کا لمس؟
برق چھو لے تو وہ بھی جل جائے

اس قدر محو رنج ہستی ہوں
موت آئے تو وہ بھی ٹل جائے

پہلی پہلی محبتوں کا حُسمار
باتوں باتوں میں رات ڈھل جائے

اب کے دل میں وہ درد اُترا ہے
غیر ممکن ہے آج کل جائے

زندگی خوش ہے تیرے وعدوں پر
جیسے بچے کا دل بہل جائے

ہجر کی رات ڈھل گئی محسن
اب تو دل سے کہو سنبھل جائے



اس شہر میں ایسی بھی قیامت نہ ہوئی تھی
تنہا تھے مگر خود سے تو وحشت نہ ہوئی تھی

یہ دن ہیں کہ یاروں کا بھروسا بھی نہیں ہے
وہ دن تھے کہ دشمن سے بھی نفرت نہ ہوئی تھی

اب سانس کا احساس بھی اک بار گراں ہے
خود اپنے خلاف ایسی بغاوت نہ ہوئی تھی

اُجڑے ہوئے اس دل کے ہر اک زخم سے پوچھو!
اس شہر میں کس کس سے محبت نہ ہوئی تھی؟

اب تیرے قریب آکے بھی کچھ سوچ رہا ہوں
پہلے تجھے کھو کر بھی نہ امت نہ ہوئی تھی

ہر شام اُبھرتا تھا اسی طور سے مہتاب
لیکن دل وحشی کی یہ حالت نہ ہوئی تھی

خوابوں کی ہوا اس تھی جب تک مجھے محسن
یوں جاگتے رہنا میری عادت نہ ہوئی تھی



وہ لوگ جن کو ستاروں کی جستجو ہے مہمت
اُنہی کی آبلہ پائی پہ گفتگو ہے بہت

تُو آسماں پہ شفق و شفقِ کلاب کھلا
مری زمیں کو مرے جسم کا لہو ہے بہت

یہی خیال مری زندگی کا حاصل ہے !
مجھے گنوا کے مرا یا ر سرخرو ہے بہت

قدم قدم پہ کئی زاویے بدلتا ہے
تزی طرح ترا غم بھی بہانہ جو ہے بہت

میں جنگلوں کے گلابوں سے پیار کرتا ہوں
وہ یوں کہ دل میں اُجڑنے کی آرزو ہے بہت

میں کب سے آنکھ میں آنسو سجائے پھرتا ہوں
سُنا تھا اُس کو نگیںوں کی جستجو ہے بہت

مری گلی میں اُتر اے شبِ غریب کے چاند!
میں شہر بھر میں اکیلا ہوں مجھ کو تو ہے بہت

یہ کہہ کے شہر سے محسن گزر گیا بادل
میں کیا کروں کہ تری خاک بے نمو ہے بہت



تجھ پر بھی فسوں دہر کا چل جائے گا آئندہ
دنیا کی طرح تُو بھی بدل جائے گا آئندہ

پھیلی ہے ہر اک سمت حوادث کی کڑی ٹھوپی
پتھر ہی سہی، وہ بھی، گچھل جائے گا آئندہ

اے میرے بدنِ روح کی دولت پہ نہ اترا
یہ تیر بھی ترکش سے نکل جائے گا آئندہ

وہ صبح کا تارہ ہے تو پھر ماند بھی ہوگا
چرطفا ہوا سورج ہے تو ڈھل جائے گا آخر

دل تجھ سے بچھڑ کر بھی کہاں جائے گا اے دوست!
یادوں کے کھلونوں سے بہل جائے گا آخر

آوارہ و بدنام ہے محسن تو ہمیں کیسا؟
خود ٹھو کریں کھا کھا کے سنبھل جائے گا آخر

برگِ صبرا
۱۴۷



ٹھہر جاؤ کہ حیرانی تو جائے
تمھاری شکل پہچانی تو جائے

شبِ غم تو ہی مہمان بن کے آجا
ہمارے گھر کی ویرانی تو جائے

ذرا کھل کر بھی رو لینے دو ہم کو
کہ دل کی آگ تک پانی تو جائے

بلا سے توڑ ڈالو آئینوں کو
کسی صورت یہ حیرانی تو جائے

ترے محتاج جینا سیکھ لیں گے
سروں سے بوئے سلطانی تو جائے

شکستِ عہد و بیاں پر یقین ہے
مگر دل کی پریشانی تو جائے

نمٹ لیں گے غمِ دنیا سے محسن
غمِ دل کی فسادانی تو جائے



میں کل تنہا تھا، خلقت سو رہی تھی
مجھے خود سے بھی وحشت ہو رہی تھی

اُسے جکڑا ہوا تھا زندگی نے !
سرا نے موت بیٹھی رو، ہی تھی

کھلا مجھ پر کہ میری خوش نصیبی !
مزے رستے میں کانٹے بو رہی تھی

مجھے بھی نارسائی کا ثمر دے !
مجھے تیری تمنا جو رہی تھی

مرا قاتل مرے اندر چھپا تھا
مگر بدنام خلقت ہو رہی تھی

بغادت کر کے خود اپنے لہو سے
غلامی داغ اپنے دھو رہی تھی

لبوں پر تھا سکوتِ مرگ لیکن
مرے دل میں قیامت سو رہی تھی

بجز موجِ فنا، دنیا میں محسوس
ہماری جستجو کس کو رہی تھی؟



یہ کیا کہ دن کو بھی راست لکھو!
ہنرورو، دل کی بات لکھو!

میں پیاس سے جاں بہ لب ہوں دیکھو
وہ بہہ رہا ہے فرات، لکھو!

جلیں تو جل جائیں ہونٹ، بولو!
کٹیں تو کٹ جائیں ہات، لکھو!

خدا کی قدرت سمجھنے والو!
بشر کے بھی معجزات لکھو!

مزا تو جب ہے کہ زہرِ پیہر
حدیثِ آبِ حیات لکھو!

یہ جشنِ جو میری موت پر ہے ،
اسے بھی میری براست لکھو!

بہے جو آنسو بنامِ آدم !
اُسے میری کائنات لکھو

حقیقتِ روح کچھ ہو محسن
بدن کو زندانِ دَآست لکھو!



چاندنی جب خوف کے منظر کو عریاں کر گئی!
زندگی اپنے ہی سائے سے اچانک ڈر گئی

رات میری آنکھ میں کرنوں کا اک سیلاب تھا
تیرا چہرہ دیکھنے سے بھی طبیعت بھر گئی

چاند کے محل سے اُتری جب وہ شرمیلی کرن
دُور سے دیکھا تو میں سمجھا کہ میرے گھر گئی

ایک پرچھائیں مری باہوں کا آنگن چھوڑ کر
خود بھی آوارہ ہوئی مجھ کو بھی تنہا کر گئی

میں نہ کہتا تھا نہ نیکلو آئینہ خانے سے تم
اب بتاؤ تہمتِ سنگ آج کس کے سر گئی

کیوں نظر آئے مجھے محسن وہاں تہمت کے داغ؟
کیوں مری میلی نظر اُس کے لبائے پر گئی؟



باغی میں آدمی سے نہ مُنکرِ حنہ اکا تھا
درپیش مسئلہ مری اپنی انا کا کھتا

گم صُغم کھڑا تھا ایک شجرِ دشتِ خوف میں
شاید وہ منتظر کسی اندھی ہوا کا تھا

اپنے دُھویں کو چھوڑ گیا آسمان پر
نبھکتے ہوئے دیے میں غرورِ تہسا کا تھا

دیکھا تو وہ حسین لگا سارے شہر میں
سوچا تو وہ ذہین بھی طغالمِ بلا کا تھا

لہرار ہا تھا کل جو سر شاخ بے لباس
دامن کا تار تھا کہ وہ پرچم صبا کا تھا؟

ورنہ مکانِ تیرہ کہاں، چاندنی کہاں؟
اُس دستِ بے چراغ میں شعلہ حنا کا تھا

میں خوش ہوا کہ لوگ اکٹھے ہیں شہر کے
باہر گلی میں شور تھا لیکن ہوا کا تھا

اُس کو غلافِ روح میں رکھا سنبھال کر
محسنِ وہ زخم بھی تو کسی آشنا کا تھا



بہرِ پُنیسا بدل رہے ہیں
ہم وقت کے ساتھ چل رہے ہیں

بے وجہ چھلک رہی ہیں آنکھیں
بے وقت چراغ جل رہے ہیں

اس فصل میں گل کہاں کھلیں گے؟
شاخوں پہ تو سانپ چل رہے ہیں

اے دشمنو تم گواہ رہنا!
ہر دور میں ہم اٹل رہے ہیں

منہ زور ہوا ہے جس تہا
دریاؤں کے دل نگھل رہے ہیں

اب ماہ و نجوم کو بھی انساں
کلیوں کی طرح مفل رہے ہیں

اس دور کے زخم کھا کے محسن
پتھر بھی لہو اگل رہے ہیں



میں کیوں نہ ترکِ تعلق کی استدار کرتا
وہ دُور دیس کا باسی تھا، کیا وفا کرتا؟

وہ میرے ضبط کا اندازہ کرنے آیا تھا
میں منہس کے زخم نہ کھاتا تو اور کیسا کرتا؟

ہزار آئینہ خانوں میں بھی پا نہ سکا
وہ آئینہ جو مجھے خود سے آشنا کرتا

درِ قفس پہ قیامت کا جس بھتا ورنہ
عباس سے ذکرِ ترا میں بھی سُن لیا کرتا

مری زمیں تُو اگر مجھ کو راس آجاتی!
میں رفعتوں میں تجھے آسمان سا کرتا

غمِ جہاں کی محبت بُھار ہی تھی مجھے
میں کس طرح تری چاہت پہ اتر کر کرتا؟

اگر زبان نہ کشتی تو شہر میں محسن
میں پتھروں کو بھی اک روز ہمنوا کرتا!



کچھ اپنی آنکھ بھی ہے خمارِ آنا سے مست
کچھ ان دنوں ہے شہر کا موسم بھی بے پرست
صحرا میں گل رُکھلے ہیں قفسِ تاک صبا گئی
شاید جنوں کے ہاتھ ہے گلشن کا بند و بست
اب زندگی کو منہ نہ دکھائیں گے ہم کبھی
سمجھو شکستِ سازِ نفس، آخری شکست
اب وحشتوں کو صبر کی تلقین کیسے کریں؟
دامانِ دل دراز ہے، صحرا ہے تنگ دست
محسن کہاں ہے سود و زیاں کی خبر ہمیں؟
ہم سے نہ پوچھو مطلبِ فرقِ بلند و پست،



نہ پوچھ غم نے دکھائی ہیں بستیاں کیسی؟
اُجڑ گئی ہیں دل و جاں کی بستیاں کیسی؟

کسی پہ رازِ درِ میکدہ کھُلا کہ نہیں؟
سناؤ اب کے رہیں فاقہ مستیاں کیسی

غموں نے ٹوٹ لیے ہیں عقیدتوں کے چمن
خدا بھی یاد نہیں، بُت پرستیاں کیسی؟

فلک نے خاک کو پُرسہ دیا ہے جن کے لیے
ہوئی ہیں زیرِ زمیں دفن ہستیاں کیسی!

تجھے کُنواے وِ اغت کے سفورنے کی؟
شراب ہی نہ ملے جب تو مستیاں کیسی

علیٰ ولی کا کرم ہے تو خوش رہو محسن
کہاں کے رنج و آلم، تنگ دستیاں کیسی؟

آنکھیں کھلی رہیں کی تو منظر بھی آئیں گے
زندہ ہے دل تو اور سنگر بھی آئیں گے

پہچان تو تم سام فقیروں کے خد و خال!
کچھ لوگ شب کو بھیس بدل کر بھی آئیں گے

گہری غموش جھیل کے پانی کو یوں نہ چھیڑا!
چھینٹے اڑے تو تیری قبا پر بھی آئیں گے

خود کو چھپا نہ شیشہ گروں کی دکان میں
شیشے چمک رہے ہیں تو پتھر بھی آئیں گے!

اُس نے کہا، گناہ کی بستی سے مت نکل
اک دن یہاں جین سمیٹ رہے ہیں آئیں گے

اے شہر بار دشت سے فرصت نہیں۔ مگر
نکلے سفر یہ ہم تو ترے گھر بھی آئیں گے

محسن ابھی صبا کی سخاوت پہ خوش نہ ہو
جھوٹکے یہی بصورتِ صرصر بھی آئیں گے



گھوڑا اندھیروں کی بستی میں جنسِ ہنر کو عام کریں
پھر سے ہم یہ آنسو بیچیں، روشنیاں نیلام کریں

اک دُنیا ہے دشمنِ اپنی ایک زمانہ قاتل ہے
کس کس کے سرِ تہمت باندھیں کس کس کو بدنام کریں؟

وہ شہرت سے ڈرنے والا، تنہا تنہا پھرتا ہے
دل کہتا ہے ساری غزلیں، اُس کا فر کے نام کریں

دُھوپ سے اُجلاروپ سے، اُس کا، سونے جیسی صورت ہے
ہم اُجڑی تقدیروں والے، کیسے اُس کو رام کریں؟

اک اُڑتے بادل کا سایا کب تک ساتھ نباہے گا؟
پھر بھی کچھ ستائیں یار، کچھ لمحے آرام کریں

دوست کہاں تک ہاتھ بٹائیں کیوں احباب کو زحمت نہ
دل کے ہر اک درد کو محسن آؤ غرقِ حُلم کریں



صحرا کو "فراست" کہہ رہا ہوں
کتنی بڑی بات کہہ رہا ہوں

ہر لمحہ گزرتی زندگی کو!
ڈھلتی ہوئی رات کہہ رہا ہوں

اے زہرِ غمِ سراقِ تجھ کو!
لے، آپ جیات کہہ رہا ہوں

اس دور کی مصلحت یہی ہے
میں دن کو بھی رات کہہ رہا ہوں

اب کون و مکاں کی وسعتوں کو
اک مجلسِ ذات کہہ رہا ہوں

انسان کے ارتقاء کو محسن
لمحاتِ وفاست کہہ رہا ہوں



امرت تری چاہت کا پیہ بن نہ رہا جائے
یہ جرم اگر ہے تو کیسے بن نہ رہا جائے

جب ذکر تو سیکین دل و جاں کا سرِ بزم
مجھ سے تو ترانا نام لیے بن نہ رہا جائے

وہ رُت ہے کہ ہر سانس عذابِ گِ جاں ہے
اس پر بھی ستم یہ کہ جیسے بن نہ رہا جائے

جب جب میں ہوا بن کے تھے شہر سے گزروں
دشک تھے در پر بھی دیے بن نہ رہا جائے

سایا مری تنہائی کا دشمن ہے سفر میں!
لیکن اسے ہمراہ لیے بن نہ رہا جائے!

کیا موسمِ آغازِ جنوں ختم کو پہنچا؟
کیوں دامنِ صد چاک سیسے بن نہ رہا جائے؟

محسن کوئی آنسو ہی جلاؤ سیرِ مژگاں
مجھ سے تو اندھیرے میں دیے بن نہ رہا جائے



دل مچھائے پھولوں جیسا، چہرے پر ہرالی ہے
محسن وہ سُندرتا گوری کتنی بھولی بھالی ہے

ہر اک چہرہ ایک خزانہ ہے اُمولِ نگیمنوں کا
لیکن غور سے دیکھ لیا ہوں ہر اک آنکھ سوالی ہے

میں مدت سے سوچ رہا تھا کس کس بھید کا خون کرو؟
میرے گم ٹھم لفظ چرا کر تم نے بات بنالی ہے؟

ننگے چہرے بھوکی نظریں پیاسے ہونٹ سوال کریں
کون اس شہر کا اُن داتا ہے کون اس شہر کا والی ہے؟

اندھی آگ میں اُجلی آنکھیں جل کر رکھ نہ ہو جائیں
نیل لگن کی اور نہ تکنا بجلی گرنے والی ہے

ہر اک راہی آنکھ میں ڈھیروں ڈیپ جلائے پھرتا ہے
یوں لگتا ہے جیسے شہر آج کی شب دیوالی ہے

جس کی اک اک بات پھوٹیں سو سو جھرنے امر کے
اُس نے کیوں نازک ہونٹوں پر چپ کی مُہر لگالی ہے

ہم فرما دنتے پر محسن اُس کو راہ پر لائے ہیں
ہم نے اُس کے پتھر دل سے پیار کی نذر نکالی ہے



یہ ہم نے دیکھا تھا خواب پایے، ندی کنارے
زیریں پہ اترے تھے دوستارے، ندی کنارے

نجانے گزے ہیں کتنے ساون اس آرزو میں
کبھی تو کوئی ہمیں پکارے، ندی کنارے

وہی شجر ہیں وہی ہیں سائے مگر پرانے
ہیں اپنی بستی کے رنگ سائے ندی کنارے

اُتر کے مہتاب بن گیا آئینہ کسی کا!
کسی نے بال اپنے یوں سنوائے ندی کنارے

کبھی ادھر سے گزر کے دیکھو تو یاد آئیں
وہ قول اپنے بچن تمہارے، ندی کنارے

کٹی ہے اک عمر ہمنشیں کے بغیر اپنی
کوئی تو اپنی طرح گزارے، ندی کنارے

دعائیں دیتی ہیں بانسری کی صدا میں شب کو
کبھی نہ سوکھیں یہ سبز چارے، ندی کنارے

تمہیں نہ دیکھا تو رائیگاں رائیگاں لگے ہیں
شراب، شبنم، شفق، شرارے، ندی کنارے

تمہیں نہ پایا تو موج در موج بٹ گئے ہیں
یہ شرط ہم اس طرح سے مارے، ندی کنارے

یہ گھر کی تنہائیاں تو محسن سدا رہیں گی!
چلو، سحر کی ہوا پر کارے، ندی کنارے



اب یہ خواہش ہے کہ اپنا ہمسفر کوئی نہ ہو
جز شبِ تنہا، شریکِ رگِز کوئی نہ ہو

رات کے پچھلے پہر کی خاموشی کے خوف کو
اُس سے پوچھو، شہر بھر میں جس کا گھر کوئی نہ ہو

یا چراغِ کمِ نفس کو صبح تک جلنا سکھا!
یا پھر ایسی شام دے جس کی سحر کوئی نہ ہو

جل رہے ہیں بامِ دوز اور مطنِ بیٹھا ہوں میں
گھر کی بربادی سے اتنا بے خبر کوئی نہ ہو

جستجو فن کی، متاعِ فن بچانے کا خیال
پتھروں کے شہر میں بھی شیشہ گر کوئی نہ ہو

ورد اتنا ہو کہ بول اُٹھے سکوتِ شہرِ جاں
زخمِ ایسا دے کہ جس کا چارہ گر کوئی نہ ہو

مجنتوں کے خواب دیکھوں رات بھر محسنِ مگر
صبح دم آنکھیں کھلیں تو بامِ پر کوئی نہ ہو



ریشم زلفوں، نسیم آنکھوں والے اچھے لگتے ہیں
میں شاعر ہوں مجھ کو اُجلے چہرے اچھے لگتے ہیں

نم خود سوچو، آدھی رات کو ٹھنڈے چاند کی چھاؤں میں
تنہا رہوں پر ہم دونوں کتنے اچھے لگتے ہیں!

آخر آخر سچے قول بھی چھپتے ہیں دل والوں کو
پہلے پہلے پیار کے جھوٹے وعدے اچھے لگتے ہیں

جب سے وہ پردیس گیا ہے شہر کی رونق روٹھ گئی
اب تو اپنے گھر کے بند درتچے اچھے لگتے ہیں

کالی رات میں جلمگ کرتے تارے کون بھجاتے؟
اس دہن کو یہ موتی یہ - گہنے اچھے لگتے ہیں

کل اُس رُوٹھے رُوٹھے یار کو دیکھا تو محسوس ہوا
محسن اُجلے جسم پہ میلے کپڑے اچھے لگتے ہیں



اک دیا دل میں جلانا بھی، بجھا بھی دینا
یاد کرنا بھی اُسے روز، بھلا بھی دینا

کیا کہوں یہ مری چاہت ہے کہ نفرت اُس کی؟
نام لکھنا بھی مرا، لکھ کے مٹ بھی دینا

پھر نہ ملنے کو پچھڑتا تو ہوں تجھ سے لیکن،
مڑکے دیکھوں تو پلٹنے کی دعا بھی دینا

خط بھی لکھنا اُسے، مایوس بھی رہنا اُس سے
جرم کرنا بھی مگر خود کو سزا بھی دینا

مجھ کو رسموں کا تکلف بھی گوارا لیکن
جی میں آئے تو یہ دیوار۔ گرا بھی دینا
اُس سے غصوب بھی کر لینا پُرانے قصے،
اُس کے بالوں میں نیا پھول سجا بھی دینا
صورتِ نقشِ قدم، دشت میں رہنا محسن
اپنے ہونے سے نہ ہونے کا پتا بھی دینا



شہر کی دھوپ سے پوچھیں کبھی گاؤں والے
کیا سچے لوگ وہ زلفوں کی گھٹاؤں والے!

اب کے بستی نظر آتی نہیں اُجڑی گلیاں،
اُڈوٹھنڈیں کہیں درویش، دعاؤں والے!

سنگِ اُروں میں مرے ساتھ چلے آتے تھے
کتنے سادہ تھے وہ پتورے پاؤں والے!

ہم نے ذروں سے تراشے تری خاطر سُرُج
اب نہیں پہنچتی اُتر، زردِ خلاؤں والے!

کیا چراغاں تھا مجنت کا کہ بجھتا ہی نہ تھا!
کیسے موسم تھتے وہ پُر شور ہواؤں والے

تُو کہاں تھا مرے خالق، کہ مرے کام آتا؟
مجھ پہ ہنستے رہے پتھر کے خداؤں والے!

ہونٹ سی کر بھی کہاں بات بنی ہے محسن
خامشی کے وہی تیور ہیں صداؤں والے



جب تک ترے ہمسفر رہے ہیں
ہم خود سے بھی بے خبر رہے ہیں
کیا تیرے بغیر زندگی ہے؟
کتنے کو تو دن گزر رہے ہیں

ناداں ہیں چمن کے پاسباں بھی
”خوشبو“ کو اسیر کر رہے ہیں

اس دور میں کچھ سمجھ نہ آئے
زندہ ہیں کہ لوگ مر رہے ہیں؟

”بادل“ کی طرح برسے والے!
”دریا“ کی طرح اتر رہے ہیں

”موسم“ کی طرح بدلنے والے!
پتوں کی طرح بکھر رہے ہیں
ڈوبے تھے ہم اپنی لغزشوں سے
الزام ہوا کے سر رہے ہیں
رودادِ حیات اُن سے پوچھو
اک عمر جو در بدر رہے ہیں
کچھ دشت کا ذکر بھی ہوا و!
ہم لوگ تو اب کے گھر رہے ہیں
جب تک وہ قریبِ جاں تھا محسن
ہم چاند کے دوش پر رہے ہیں



وہ دل کا بُرا، نہ بے دلت تھا
بس، مجھ سے یونہی بچھڑ گیا تھا

لفظوں کی حدوں سے ماورا تھا
اب کس سے کہوں وہ شخص کیسا تھا؟

وہ میری غزل کا آئینہ تھا
ہر شخص یہ بات جانتا تھا

ہر سمت اُسی کا تذکرہ بھتا
ہر دل میں وہ جیسے بس رہا تھا

میں اُس کی "اُنا" کا آسرا تھا
وہ مجھ سے کبھی نہ روٹھتا تھا

میں دھوپ کے بن میں جل رہا تھا
وہ سایہ ابر بن گیا تھا

میں بانجھ رُتوں کا آشنا تھا
وہ موسمِ گل کا ذائقہ تھا

اک بار بچہ طر کے جب ملا تھا
وہ مجھ سے پلٹ کے رو پڑا تھا
کیا کچھ نہ اُسے کہا گیا تھا؟
اُس نے تو لبوں کو سی لیا تھا
وہ چاند کا ہمسفر تھا شاید
راتوں کو تمام جاگتا تھا
ہونٹوں میں گلوں کی نرم خوشبو
باتوں میں تو شہد گھولتا تھا
- کہنے کو جدا تھا مجھ سے لیکن
وہ میری رگون میں گونجتا تھا
اُس نے جو کہا، کیا وہ دل نے
انکار کا کس نہیں حوصلہ تھا
یوں دل میں بھتی یاد اُس کی جیسے
مسجد میں چراغ جل رہا تھا

مست پوچھ حجاب کے قرینے
وہ مجھ سے بھی کم ہی کُسل سکا تھا

اُس دن مراد دل بھی تھا پریشاں
وہ بھی مرے دل سے کچھ خفا تھا

میں بھی تھا ڈرا ہوا لیکن
رنگ اس کا بھی کچھ اُڑا اُڑا تھا

اک خوف سا جس کی رُتوں کا
دونوں پہ محیط ہو چلا تھا

اک راہ سے میں بھی تھا گریزاں
اک موڑ پہ وہ بھی رُک گیا تھا

اک پل میں جھپک گئیں جو آنکھیں
منظر ہی نظریں دوسرا تھا

سوچا تو ٹھہر گئے زمانے
دیکھا تو وہ دُور جا چکا تھا

قدموں سے زمیں سرک گئی تھی
سُورج کا بھی رنگ سا نولا تھا

چلتے ہوئے لوگ رُک گئے تھے
ٹھہرا ہوا شہر گھومتا تھا

سہمے ہوئے پیر کا پنتے تھے
پتوں میں ہر اس رنگِ نیا تھا

رکھتا تھا میں جس میں خواب اپنے
وہ کانچ کا گھر چٹخ گیا تھا

ہم دونوں کا دکھ تھا ایک جیسا
احساس مگر جُدا جُدا بھتا

کل شب وہ ملا تھا دوستوں کو
کتے ہیں اُمداد لگ رہا تھا

محسن یہ غزل ہی کہہ رہی ہے
شاید تیرا دل دُکھا ہوا تھا



جو مقتلوں کو چلے تھے دلاوروں کی طرح
بچھڑ گئے کہیں رستے میں رہبروں کی طرح

جنہیں غرورِ زری آگئی بہت تھا، وہ لوگ
تری تلاش میں نکلے گداگروں کی طرح

مرے قبیلہ سرکش کا تاجو رہے وہ شخص
بڑھے جو دار کی جانب پیہروں کی طرح

تیرے بغیر فنا میں بھسترتا جاتا ہوں
بچھڑتی کوچ کے ٹوٹے ہوئے پرش کی طرح

نہ نَفْتہ لفظ مرے دل میں دھونڈتے ہیں امان
فشارِ جنگ میں کٹتے ہوئے سروں کی طرح
جو تشنگی مری آنکھوں کی جان لے تو کہوں
یہ دل کہ گونج رہا ہے سمندروں کی طرح
نہ پوچھ وقت کی غارت گری مے محسن
اُجڑ گئے کسی چہرے، لٹے گھروں کی طرح



یہ خوفِ دل میں نگاہ میں اضطراب کیوں ہے؟
طلوعِ محشر سے پیشتر یہ عذاب کیوں ہے

کبھی تو بدلے یہ مائمی رُت اُداسیوں کی
مری نگاہوں میں ایک سا شہرِ خواب کیوں ہے

کبھی کبھی تیری بے نیازی سے خوف کھا کر
میں سوچتا ہوں کہ تُو مرا انتخاب کیوں ہے؟

فلک پہ بکھری سیاہیاں اب بھی سوچتی ہیں
زمین کے سر پہ یہ چادرِ آفتاب کیوں ہے

ترس گئے میرے آئینے اُس کے خال و خد کو
وہ آدمی ہے تو اس قدر لاجواب کیوں ہے؟

اُسے گنوا کر پھر اُس کو پانے کا شوق کیا؟
گناہ کر کے بھی انتظارِ ثواب کیوں ہے

ترے لیے اُس کی رحمتِ بے کنار کیسی؟
مرے لیے اُس کی رنجشِ بے حساب کیوں ہے

اُسے تو محسنِ بلا کی نفرت تھی شاعروں سے
پھر اُس کے ہاتھوں میں شاعری کی کتاب کیوں ہے؟



ہوس تو ہے کہ بند سی پہ تیرا گھر دیکھوں
نظر اٹھاؤں تو اپنے شکستہ ”پر“ دیکھوں

ترے قریب سی، مضطرب ہے دل کتنا
ہوا کی چاپ جو ابھرے تو ”سوئے“ دیکھوں

کسی طرح تو یہ نہایتیوں کا کرب کٹے
بلا سے اپنے ہی ساتے کو ہمسفر دیکھوں

کچھ اس لیے بھی اندھیروں نے ڈس لیا مجھ کو
مجھے یہ شوق تھا رنگِ رخِ سحر دیکھوں

وہ لمس و ہم سی اُس سے دل تو بسلاؤں
وہ جسمِ خواب سی اُس کو عمر بھر دیکھوں

میں لٹ چکا مرے رہزن بھی گم ہوئے لیکن
یہ کیسا خوف ہے پھر بھی ادھر ادھر دیکھوں

ہوئے شامِ سفر یہ سفر کہاں کا ہے ؟
کہ ہر قدم پہ نیازِ نازِ رنگِ زریں دیکھوں

فرازِ عرش نہیں گر تو شاخِ دارِ سہی
کسی طرح تو بلندی پہ اپنا سر دیکھوں

گنوا دیا انہیں اب اُن کی یاد کیوں آئے؟
میں دوستوں سے یہ رشتہ بھی توڑ کر دیکھوں

دھواں دھواں می سانس میں زخمِ زخمِ بدن
خیال تھا کبھی اخلاصِ چارہ گر دیکھوں

وہ کب لبِ ہوا گر ”وا“ مرے لیے محسن
بقولِ درد میں سو سو طرح سے مر دیکھوں



اب کوئی نہیں بہر تماشا سرِ مقتل
جز قاتلِ جاں، وہ بھی ہے نہ سرِ مقتل
اس شہر میں جب قحطِ پُرادل زدگاں کا،
کیا کیا نہ اڑی خاکِ تمنا، سرِ مقتل
ہم مٹتے تو اُجاہلوں کا بھرم بھی تھا ہمیں سے
کہتے ہیں کہ پھر چاند نہ اُجھ اس سرِ مقتل
قاتل کی جبینِ شرم سے پیوست نہیں ہے
کس دھج سے مرا قافلہ اُترا سرِ مقتل
میں دار پہ، سایا مرا دشمن کی صفوں میں
دل کتنے عجب کرب سے گزرا سرِ مقتل

لے دے کے کہیں ایک پمیر ہو ا مصلوب
کنے کو تو کل شور تھا کتنا سرِ مقتل

جس نے صغیر یا راں سے کئی تیر چلائے
پہچان لیا میں نے وہ چہرہ سرِ مقتل

اک پل کو تو بجھتی ہوئی آنکھیں چمک اٹھیں
اک پل کو تو وہ شخص بھی آیا سرِ مقتل

مشکل ہے کہ پہچان سکوں تیرے خد و خال
پھیلا ہے نگاہوں میں اندھیرا سرِ مقتل

سر لے کے ہتھیلی پہ جو تو بھی نکل آتا،
محسن میں قصیدہ ترا لکھنا سرِ مقتل



سو بھی جاؤں تو ہر اک خواب بُرا ہی دیکھوں
میں کن آنکھوں سے دل و جاں کی تباہی دیکھوں

دل یہ چاہے کہ پٹ جاؤں خود اپنے گھر کو
جب بھی منزل سے بٹکتے ہوئے راہی دیکھوں

تو سحر ہے تو اُفق سے کوئی سورج بھی نکال
میں کہاں تک تیرے ماتھے کی سیاہی دیکھوں

جرمِ ناکردہ گناہی کی سزا یہ ہے کہ میں
اپنی سوچوں کو بھی زنجیرِ سپاہی دیکھوں

بارِ ترکِ تعلق پہ یہ سوچا میں نے!
تجھ کو ڈھونڈوں تری افسردہ نگاہی دیکھوں

وہ بھی کیا شخص ہے کھلتا ہی نہیں بید اُس کا
جب بھی دیکھوں اُسے دنیا سے خفا ہی دیکھوں

کس سے پوچھوں میں پتہ اپنے پرانے گھر کا
اجنبی شہر میں ہر شخص نیسا ہی دیکھوں

وسعتِ دشت کی تنہائی سے ڈر لگتا ہے
کوئی رہرو نہیں، نقشِ کفِ پا ہی دیکھوں

میرے ساتھی تو مری صفت الگ ٹھہرے ہیں
اپنے حق میں کسی دشمن کی گواہی دیکھوں

میرے محسن ترا میبارِ فطنہ کچھ بھی سہی!
میں تو انسان کے پکیر میں خدا ہی دیکھوں



گِلا نہیں کوئی تجھ سے جو تو دکھائی نہ دے
وہ تیرگی ہے کہ کچھ بھی مجھے سمجھائی نہ دے
بُھائی اے اے مرے گھر کی اداس رات مجھے
کہ دشتِ سرحدِ مجھے رہائی نہ دے
ترن و نال کی سیموں کا رنگ کیا ہوگا؟
یہ سوچنے کی فراغت شبِ جدائی نہ دے
ترا وجود اگر ہے تو اب نقاب اٹھا
میں نہک گیا ہوں مجھے زخمِ نارسانی نہ دے

میں جھوٹ بول رہا ہوں کہ معتبر ٹھہروں
جو سچ کہوں تو زمانہ مری صفائی نہ دے
رگوں سے خون جو پھوٹے تو کوئی خط لکھوں
کہ میری آنکھ تو لکھنے کو روشنائی نہ دے
مری زباں پہ تری مصلحت کے پرے ہیں
مرے خدا مجھے الزام بے نوائی نہ دے
کوئی بھی دشمن جاں ہو مجھے مت بول گمراہ
میں اپنے مصر کا یوسف ہوں مجھ کو بھائی نہ دے
سکوتِ دشت کی ہیبت ہے یا خموشیِ مرگ
خود اپنی پیچ بھی محسن مجھے سنائی نہ دے



کننے کو تو گزرے کئی طوفان بھی سر سے
ہم لوگ مگر شہر میں رونے کو بھی تر سے
لفظوں کے غلافوں میں چھپاؤں اُسے کتب؟
بجلی سے تو لوٹے، کوئی بادل ہے تو برسا
لشکرِ مہ و انجسم کا کہاں دفن ہوا ہے
فرصت ہو تو پوچھیں کبھی کانارہ سحر سے
اک پل کو رُکا دیدہ پر غم تو میں سمجھا!
جیسے پلٹ آیا ہوں سمندر کے سفر سے

کچھ دیر ٹھہر جا ابھی اے موجِ تلاطم
ٹوٹی ہوئی کشتی کو اب الجھنے دے بھنورے

اس جنس کا گاہک کوئی ملت نہیں دے
اس دور میں سنا ہے بشرِ لعل و گہرے

ہمسائے کے گھر نوں مقید تھا کہ شبِ بحر
رود کے ہوا سر کو ٹپپتی رہی در سے

ان تیز ہواؤں میں کہاں جاؤ گے محسن
راتوں کو تو پاگل بھی نکلتے نہیں گھر سے

شیرازہ

کون تنہائی میں ڈھرائے انہیں
جو ملاقاتیں ادھوری لہ گئیں

تیرے بغیر جی تو رہا ہوں مگر یہ دل
صحرا کی چاندنی کی طرح سوگوار ہے

مدتوں بعد اُسے پا کر اُس رات
اتنا ڈیانتھا کہ سوچوں تو ہنسی آتی ہے

تم تو انسان کے مقتل سے گزر آئے ہو
مجھ سے ٹوٹا ہوا پتہ بھی نہ دیکھا جائے

آخر شب وہ کسی یاد کی آہستہ روی!
جیسے رگ رگ میں اترتا چلا جائے کوئی

ہزار و سو سے اٹھتے ہیں اُس کی آنکھوں میں
لکھنا نہ کر اُسے خط، سرخ روشنائی سے

ایک دل ہے کہ بسایا نہیں جاتا ہم نے!
لوگ صحراؤں کو گلزار بنا دیتے ہیں

یہ دیکھنے کو بھی کچھ لوگ گھر سے نکلے ہیں!
کہ آندھیوں کے مقابل چراغ کہتے ہیں
کبھی کبھی تو اسیروں کی بے گناہی سے
عالتوں کے کٹہرے بھی خوف کھاتے ہیں

اتنا خائف ہوں میں اس دور کے ہنگاموں سے
اب ہو اسانس بھی لیتی ہے تو ڈر جاتا ہوں

چل مرے ساتھ کبھی تو کسی ویرانے میں
میں تجھے شہر کے ماحول سے ہٹ کر دیکھوں
مجھ کو ضد ہے مری بینائی رہے یا نہ رہے
تیرے چہرے کی نقابیں تو اُلٹ کر دیکھوں

چاند نکلا ہے تھے بعد تو یوں لگتا ہے میرے آنگن کا پتا بھول گیا ہو جیسے

دور ٹھوکر کھل کے گرتا ہے جو کساروں کے پار
سوچتا ہوں شام کا سورج کہیں اندھانا نہ ہو
جھیل میں یوں دیکھتا تھا گلشن اپنا بار بار
جیسے اُس نے مدتوں سے آئینہ دیکھا نہ ہو

دکھ تجھے ہوگا کہ میں بے حس ہوں پتھر کی طرح
میری تنہائی میں شامل اپنی تنہائی نہ کر!
دیکھ، خوشبو کی طرح اُڑتے ہیں قصے شہر میں
اجنبی لوگوں سے ذکرِ محفل آرائی نہ کر

تمام دن مرے سینے میں جنگ کرتا ہے — وہ شخص جس کے تقدیر میں خودکشی بھی نہیں

نجانے کیوں اُسے دل مہرباں سمجھتا ہے؟
وہ دوست ہے تو بس اتنا کہ اجنبی کم ہے
کسی نے گھول دیا آنکھ میں بدنِ اپنا
مگر نگاہ کو ضد ہے کہ روشنی کم ہے

کون بلقیس اس میں اُتری ہے؟ دل، سلیمان کا تخت لگتا ہے
اس کی منزل بھی ہے اندھیروں میں چاند بھی تیرہ بجت لگتا ہے

تو میسحا سہی، محبت بھی روگ ہے اور بہت پرانا ہے
یاد کرنا ہے ٹوٹ کر اک بار — اور پھر تجھ کو بھول جانا ہے

شدتِ درد کے عالم میں بھی چپ رہتا ہوں
مسکراؤں تو ترا درد بُرا مانے گا !

مرجھائے مٹھے ہونٹ یہ سنو لایا ہوا روپ
شاید ترسے دیہات میں مُرسوں نہیں پھولی

لکھا تھا نام تراہاتھ کی لکیروں میں
ترسے بغیر کہاں جا کے ہاتھ پھیلاتے؟

سکوتِ دشت مرے دم سے بول اٹھتا ہے
خود اپنا شہر سمجھتا ہے بے نوا مجھ کو
میں رائیگاں تھا تو پھر کیوں مری تلاش میں ہے؟
میں بے بہا ہوں تو پھر خاک سے اٹھا مجھ کو

رگوں میں زہر، دلوں میں کدورتیں ہیں وہی
نئی رُتوں میں بھی یاروں کی صورتیں ہیں وہی
انہی رُتوں میں اُجڑتے ہیں قافلے دل کے
وہی ہے جتن چراغاں، مہورتیں ہیں وہی
ہزار بار زمیں عسرت ہو گئی محسن
سمندروں کی ابھی تک ضرورتیں ہیں وہی

درِ قفس پہ قیامت کا جس طاری ہے
کوئی غزل کوئی نوحہ کہ رات کٹ جائے
شعورِ جاں بھی وہی، محورِ غزل بھی وہی
وہ سادگی جو ترے حسن میں سمٹ جائے

یوں ترا استغفار کرتا ہوں جیسے میں تجھ کو یاد ہوں اتنی
کیوں پریشاں ہوشِ دلتِ غم سے؟ چڑھتے دریا اُتر بھی جاتے ہیں
زندگی سے ہے پیار کس کس کو؟ موت کچھ سوچ کر نہیں آتی
ممکن نہیں اب ملاپ اپنا ہم اپنی جگہ سے ہل گئے ہیں
جس راہ سے تو گزر گیا تھا اُس راہ پہ پھول کھل گئے ہیں
بات آئی ہے جب مری وفا کی انتخاب کے ہونٹ سل گئے ہیں

کیا کہوں، دل پہ قیامت سی گزر جاتی ہے
اتفاقاً جو کسی آنکھ میں آنسو چمکے
کتنی غزلوں کو ترے نام سے غسوب کیا
میری خواہش تھی بھرے شہر میں اک تو چمکے

اب ریت پہ آندھی میں بھی لکھتا ہوں ترا نام
اس طرح میں پہلے کبھی پاگل نہ ہوا تھا
یہ کہہ کے تری یاد نہ اُترتی مرے دل میں
یہ دل وہ چمن ہے جو بہاروں میں جلا تھا

جمالِ موسمِ گلِ زیرِ بار ہے تیرا
تمام رنگ تیرے پیرین سے آئے ہیں
انہیں بُھانہ سکی چاندنی زمانے کی
جو لوگ اُٹھ کے تری انجمن سے آئے ہیں

شیمیمِ صحنِ چمن یوں بھی ہے عزیز مجھے
کہ تیرے نام سے ملتا ہوا ہے نام اُس کا
وہ شخص شہر کے لوگوں میں ڈھلتا جاتا ہے
کہ اُس کی بات کا لہجہ بدلتا جاتا ہے
اُسے بھی دکھ ہے تعلق کے ٹوٹ جانے کا
وہ جا رہا ہے مگر ہاتھ ملتا جاتا ہے

برگِ صحرَا
۲۰۰

کھلے کھلے ہوئے گیسو سنوارتا بھی نہیں
وہ روٹھتا ہے تو خود کو نکھرتا بھی نہیں
میں آئینہ ہوں، نرستا ہوں خال و خد کو مگر
نقابِ رُخ کوئی سپکراتا رہتا بھی نہیں

پھر جاگ اٹھا ہے دل میں پرانے دنوں کا درد
جی چاہتا ہے پھر کوئی تازہ غزل کہوں

==

سید محسن نقوی کو شاعر بل ہیئت کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور میں افسردہ کرتا ہوں کہ محسن کی مولائی و کربلائی شاعری میں بھی اتنی دلکشی اور دلربائی ہے کہ اس پر ایمان لائے بغیر چار انیس لیکن میں اس محسن نقوی کو زیادہ قریب سے جانتا ہوں جو عقائد کی دنیا سے دور — ادب کے نکلتاؤں میں کسی کج رو کے تلے خیمہ زن، حرف حرف زندگی کو جوڑ کر شعروں کے ساغر بناتا ہے اور انہیں آفاقیت کے مینانے میں سجا کر صلائے عام کا اعلان کر دیتا ہے۔ وہ اپنی ذات میں کائنات کی وسعتیں رکھنے والا شاعر ہے۔ اسے اپنے عہد کے تقاضوں کا اس حد تک احساس ہے کہ لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھتے ہوئے مسائل حیات سے پیچھے رہ جانا اس کے نزدیک پسپائی سے کم نہیں۔ وہ ایک فاتح اور ظفر مند تاجدار کی طرح شعرو ادب کے کئی معرکے سر کر چکا ہے اور ابھی اسے کئی معرکے سر کرنے ہیں۔

قتیل شفاؔ

عزیز

ہر مکیں اپنے نکاح سے بے قبر ہو جائے گا
 دیکھنا یہ شہر بھی ایک دن کھنڈر ہو جائے گا
 پاؤں بھر پھاؤں کو ترسین گے سافر و عربیں
 ہر تناؤد پیرا بے برگ و ثمر ہو جائے گا
 آسمان سے کون لائے گا بشارت فز کی؟
 چاند جب پیوند خاک رنگدہر ہو جائے گا
 بے بہا اشکوں کے ہیرے آنکھیں رو جائیں گے
 آری والبتہ لعل و گہنہ ہو جائے گا
 حد سے بڑھ جائے گا اک بن خواہش آواگ
 شہر والوں کے لئے مہسرا بھی گھر ہو جائے گا
 لے کے لکھو گے بدن کو کاغذی کشتی کہاں؟
 ملکہ موبج نفس ہی جب بے بند ہو جائے گا
 شب کو گر جاگیر حرف حق یوں ہی لٹی رہے
 صبح تک سچ بولنا ہی اک ہنسر ہو جائے گا

محمد رفیع نقوی
 ۱۹ اگست ۱۹۷۱ء



خیمہ جلال

محسن تقوی





تمام کتب بغیر کسی مالی فائدے کے پی ڈی ایف میں
تبدیل کی جاتی ہیں۔
کتابی مواد کی ذمہ داری مصنف پر ہے۔

سید حسین اسحاق -
ایڈمنسٹریٹو فیس بک گروپ

03448183736
03145951212



خیمہ جان

قتل چھپتے تھے کبھی سنگ کی دیوار کے بیچ
اب تو کھلنے لگے مقتل بھرے بازار کے بیچ

خیمہ جاں

محسن نقوی

انتساب

سیّد عباس نقوی

کے نام



قُصّ چُھپتے تھے کبھی سنگ کی دیوار کے سچ
اَب تو کھلنے لگے قتل بھرے بازار کے سچ

اپنی پوشاک کے چمن جانے پہ افسوس نہ کر
سُر سلامت نہیں رہتے یہاں دستار کے سچ

سُرخیاں اُمن کی تلقین میں معروف رہیں
حرف بازو اُگلتے رہے اخبار کے سچ

کاش اِس خواب کو تعبیر کی مہلت نہ ملے
شعلے اُگتے نظر آئے مجھے گلزار کے سچ

ڈھلتے سورج کی تمازت نے بکھر کر دیکھا
سُر کشیدہ مرا سایا صُفِ اشجار کے سچ

ریزق، ملہوس، مکاں، سانس، مرض، قرض، دوا
مُنقسم ہو گیا اِنساں انہی افکار کے سچ

دیکھے جاتے نہ تھے آنسو برے جس سے محسن
آج جتنے ہوئے دیکھا اُسے اغیار کے سچ

ابھی لکھیں تو کیا لکھیں

ہر اک جانب اُداسی ہے
 ابھی سوچیں تو کیا سوچیں؟
 ہر اک سُ ہو کا عالم ہے
 ابھی بولیں تو کیا بولیں؟
 ہر اک انسان پتھر ہے
 ابھی دھڑکیں تو کیا دھڑکیں؟
 فضا پر نیند طاری ہے
 ابھی جاگیں تو کیا جاگیں؟
 ہر اک مقتل کی شہ رگ میں
 لہو کی لہر جاری ہے
 ابھی دیکھیں تو کیا دیکھیں؟

ہر اک انسان کا سایہ
 ابھی مٹی پہ بھاری ہے
 ابھی لکھیں تو کیا لکھیں؟



معرکہ اب کے ہوا بھی تو پھر آیا ہو گا
تیرے دریا پہ بری پیاس کا پہرہ ہو گا

اُس کی آنکھیں تیرے چہرے پہ بہت بولتی ہیں
اُس نے پلکوں سے ترا جسم تراشا ہو گا

کتنے جگنو اسی خواہش میں مرے ساتھ چلے
کوئی رستہ ترے گھر کو بھی تو جاتا ہو گا

میں بھی اپنے کو بھلائے ہوئے پھرتا ہوں بہت
آئینہ اُس نے بھی کچھ روز نہ دیکھا ہو گا!

رات جل تھل بری آنکھوں میں اُتر آیا تھا
صورت اُبر کوئی ٹوٹ کے برسا ہو گا

یا میحائی اُسے بھول گئی ہے محسن
یا پھر ایسا ہے برا زخم ہی گہرا ہو گا



تجھے رسوائی کا ڈر ہے نہ آیا کر
بچھڑ جانا ہی بہتر ہے نہ آیا کر

کسی شاداب قریے میں بسا خود کو
یہ دل اجڑا ہوا گھر ہے نہ آیا کر

برا دکھ تجھ کو بھی اک دن ڈبودے گا
بہت گہرا سمندر ہے نہ آیا کر

گزر جا آئینے جیسا بدن لے کر
یہاں ہر آنکھ و خمر ہے نہ آیا کر

گزرتے اُبر کی بھگی ہوئی بخشش!
زمین صدیوں سے نگر ہے نہ آیا کر

پلٹ جا اجنبی، وہموں کے جنگل سے
یہ پُر اسرار منظر ہے نہ آیا کر

بکھرتی ریت کی ڈھانچے کی سر تیرا؟
وہ خود بوسیدہ چادر ہے نہ آیا کر

خوشی کی رت میں محسن کو منا لینا
یہ فضل دیدہ تر ہے ۔ ۔ نہ آیا کر



میں تہائی کا حاصل ہو گیا ہوں
بھری دنیا میں شامل ہو گیا ہوں

اُسے آساں سمجھ لینے کی دھن میں
میں اپنے آپ مشکل ہو گیا ہوں

بہت مختصر بنا ہوں ٹوٹنے کو
مگر اک چوٹ سے "دل" ہو گیا ہوں

بری فطرت رہی ہے قتل ہونا
مگر مشہور "قاتل" ہو گیا ہوں

غبارِ ہمسفر کے ساتھ رہ کر
پسِ محرابِ منزل ہو گیا ہوں

مجھے دریا سے ملنے کی ہوس تھی
بکھر کر ریگِ ساحل ہو گیا ہوں

کہا کل چاند نے نجر زمیں سے
میں آبادی کے قاتل ہو گیا ہوں

ضروری تھا برا محسن سے ملنا !!
میں خود رستے میں حائل ہو گیا ہوں



برے لفظوں کے سب جاؤ تمہارے
صدا کے ٹوٹے گھنگرو تمہارے

سنا ہے دھوپ جب دُستی تھی مجھ کو
بہت گھٹلتے رہے گینو تمہارے

کماں در دست آجاؤ کسی دن!
برے صحرا کے سب آنسو تمہارے

تمہارے لب پہ میرے قہقہے ہیں!
بری آنکھوں میں سب آنسو تمہارے

بری راتوں کے دامن میں بھرے ہیں
بتاروں کی طرح جکڑو تمہارے

ہوا سے بولنا لیکن سنبھل کر
پڑالے گی ٹخن خوشبو تمہارے

برے مشکیزے کا تسمہ نہ کھولو
بری آنکھیں برے بازو تمہارے

بہت روکا تھا محسن سے نہ ملتا
بہت چرچے ہیں آپ ہر سو تمہارے



کبھی تو ٹھٹھکا حواس تھا، سو نہیں رہا
میں ترے بغیر اداس تھا، سو نہیں رہا

بری دستوں کی ہوس کا خانہ خراب ہو
برا گاؤں شہر کے پاس تھا، سو نہیں رہا

تری دسترس میں تھیں بخششیں، سو نہیں رہیں
مرے لب پہ حرفِ پاس تھا، سو نہیں رہا

میرا عکس مجھ سے اُلجھ پڑا تو گرہ کھلی،
کبھی میں بھی چہرہ شناس تھا، سو نہیں رہا

مرے بعد نوحہ بہ لب ہوائیں کہا کریں
وہ جو اک دریدہ لباس تھا، سو نہیں رہا

میں شکستہ دل ہوں صدفِ عذو کی شکست پر
وہ جو لطیفِ خوف و ہراس تھا، سو نہیں رہا



ذرا سی خاک سدا بال و پر میں رکھتے ہیں
ہم اپنے ساتھ زمیں کو سفر رکھتے ہیں

اُداسیاں بھی بُساتے ہیں اپنے سینے میں
نشانِ وسعتِ صحرا بھی گھر میں رکھتے ہیں

بہت اُداس نہ ہو شامِ بے چراغ کہ ہم!
سحر کی روشنیاں چشمِ تر میں رکھتے ہیں

ہمارے سچ کی گواہی پہ اُنکلیاں نہ اٹھا
یہی تو عیب ہم اپنے ہنر میں رکھتے ہیں،



ہجر اپنے لفظوں کے خزانے کھولتا کب تھا
وہ آنکھیں سوچتی کب تھیں وہ چہرہ بولتا کب تھا؟

اُسے خود کو گنوانے کا ہنر بخشا ہے کس رُت نے؟
وہ اپنا عکس گہرے پانیوں میں گھولتا کب تھا!

میں ڈرتا ہوں یہ فحلِ ہجر کی سازش نہ ہو ورنہ
وہ اپنے قیمتی آنسو ہوا میں روتا کب تھا؟

یقیناً بھوٹی ہیں بستیاں اُس کی اداؤں سے
وگر نہ رُو برو اُس کے زمانہ ڈولتا کب تھا؟

غلامِ فہمی کے سائے درمیاں بچتے گئے محسن
میں اُس کے سامنے ہر بات پہلے توڑتا کب تھا؟



روشنِ رنگور ہے تنہائی
پھر مری ہمسفر ہے تنہائی

چاند کیوں ماند پڑتا جاتا ہے
تُو ہے یا بام پر ہے تنہائی

کیا میجاؤں کو تلاش کریں
زخم کی چارہ گر ہے تنہائی

شامِ غم اڑھ کر ہی سو جاؤ
شامِ غم سے ادھر ہے تنہائی

قسمتِ رنج و غم ہے سنا
حاصلِ چشم تر ہے تنہائی

کرچیوں سے بھی عکس چلتی ہے
سنگدل کس قدر ہے تنہائی

جن کے مہماں ہوں شب کے اندیشے
ایسے لوگوں کا گھر ہے تنہائی

لحہ بھر کو ہے ساتھ سانو کا
اور پھر عمر بھر ہے تنہائی!

جانے کس کی تلاش میں محسن
آج کل در بدر ہے تنہائی



لیوں پہ حرف رَیْجُو ہے زَرّہ اُتار کے بھی
میں جِشنِ فِیج مناتا ہوں جنگ ہار کے بھی

اُسے لہما نہ سکا میرے بعد کا موسم!
بہت اُداس لگا خال و خد سنوار کے بھی

اَب ایک پل کا تغافل بھی سہہ نہیں سکتے
ہم اہلِ دل کبھی عادی تھے انتظار کے بھی

وہ لمحہ بھر کی کہانی کہ عُمر بھر میں کہی!
ابھی تو خود سے تقاضے تھے اختصار کے بھی

زمین اوڑھ لی ہم نے پہنچ کے منزل پر
کہ ہم پہ قرض تھے کچھ گردِ رہگوار کے بھی

مجھے نہ سُن برے بے شکل اب دکھائی تو دے
میں تھک گیا ہوں فضا میں تجھے پکار کے بھی

مری دُعا کو پکلا تھا پھر ادھر محسن
بہت اُجاڑ تھے منظرِ افق سے پار کے بھی



مثالِ موجدِ دُرِ بدر وہ ایسا تھا
پھڑ کے پھر نہ ہلا، ہمسفر وہ ایسا تھا

خود اپنے سرِ لیا الزام بے وقائی تک!
کہا نہ کچھ بھی اُسے، معبر وہ ایسا تھا

اُسے بسائے ہوئے تھی نکلا کی ویرانی!
دیوارِ ہجر میں آباد گھر وہ ایسا تھا

کہ جیسے چاندِ مسافت سے ماند پڑ جائے
پس غلافِ غبارِ سفر وہ ایسا تھا

نہ دوشِ اہلِ حکم پر نہ زیرِ تاجِ شہمی!
بناں کی نوک پہ چٹا تھا، سر وہ ایسا تھا

بس ایک خواب نے خندیں نہچڑ لیں اپنی!
سنا گیا بری ٹس ٹس میں، ڈر وہ ایسا تھا

لہو لہو بری آنکھیں، ہیں تار تارِ قبا
کہ حادثہ ہی مری جاں مگر وہ ایسا تھا

زمین پہ اُس کے گئے بازوؤں کا سایہ ہے!
عدو کے سامنے سینہ سپر وہ ایسا تھا

اُس کا کام تھا زخموں کی پرورش محسن
اُسی کے نام دُعا، چارہ گر وہ ایسا تھا!



نہ شورشِ غمِ دُوراں نہ خود سری اپنی
بہت دنوں سے ہے غمِ صُمِ سخنوری اپنی

سُہرِ آئینہ کرتا نہ تھا وہ عکس اپنا
اُسے عزیز تھی کس درجہ دلیری اپنی

یہ دوپہر تو ڈھلے، تجھ کو راکھ ہوتا ہے
جتا نہ خاک نشینوں پہ برتری اپنی!

نہ شوقِ خانہ بدوشی نہ وسعتوں کی ہوس
بنا گئی ہمیں صحرا میں بے گہری اپنی

اُجاڑِ دل بھی چُپ چُپ سا کوہِ قاف اپنا
یہیں کہیں کبھی رہتی تھی اک پُری اپنی!

اُسی کا نقش ہے اب تک متاعِ جاں محسن
ہوئی تھی جس سے ملاقات سرِ سری اپنی



آب اور درِ بدر کا عذاب کیا سہنا؟
یہ ہمہ کم نظراں ہے آب اس میں کیا رہنا؟

یہاں تو چُپ ہی بھلی ہے کہ انگلیاں نہ اُٹھیں
کسی کے حق میں، کسی کے خلاف کیا کہنا؟

کنارِ چشم سے اُس سمت، کنجِ دل سے ادھر
لہو کی مُند کبھی اپنی موج میں بہنا!!

کبھی بہت تھے برے ساتھ جاگنے والے!
کبھی یہ چاند بھی لگتا تھا رات کا "گہنا"



ہوس کی آگ کا عال نہ پُچھو!
کہ سورج بھی ستارے بھانکتا ہے

ہوا میں بانٹ دیتا ہے وہ خوشبو
گلاب اپنے بدن پہ ٹانکتا ہے

مرے خوابوں سے اوجھل ہے مگر وہ
مری نیندوں سے مجھ کو جھانکتا ہے

مسافت کی تنگن پُچھو اُسی سے
وہ چرواہا جو ریوڑ ہانکتا ہے

مری پلکوں کے آنسو کون محسن
پردائے شامِ غم پر ٹانکتا ہے!



تو میرے ہمراہ چلتا اور دُنا دیکھتی
رات کو سورج نہ ڈھلتا اور دُنا دیکھتی

میری سانوں کی تپش سے تیرا مَر سا بدن
برف کی صورت پگھلتا اور دُنا دیکھتی

میری آنکھیں مسکراتیں شامِ شہرِ ہجر پر
وقت خود سے ہاتھ ملتا اور دُنا دیکھتی

شہرِ بھر کی روشنی نکھتی میری دہلیز پر!
بُن سنور کر تو لکھتا اور دُنا دیکھتی

کاش اک باغی بتارے کی طرح آنسو مرا
تیری پلکوں پر مچلتا اور دُنیا دیکھتی!

پیاس پی لیتی سمندر کی رگوں کے ذائقے
سپیاں، صحرا اُگلتا اور دُنیا دیکھتی

یا بھی آگن اندھیرے پھانکتے محسن
یا۔ دیا ہر گھر میں جلتا اور دُنیا دیکھتی!!

حیثیت!

یہ خور و لوگ جن کی آنکھیں
 تمہارے اُبلے بدن پہ چسپاں
 تمہارے نقش قدم کی خوشبو میں
 ثبت ایسے
 بھنور میں جیسے جتا کے پتے

میں سوچتا ہوں
 کہ اتنی آنکھوں کے دائروں میں
 مری اکیلی اداس آنکھوں کی حیثیت کیا؟
 مری وفا کا مقام کیا ہے؟
 مری محبت کا نام کیا ہے؟؟

۲۲ ستمبر ۱۹۹۵ء لاہور

مجھے بجھاؤ تو _____!

مجھے بجھاؤ تو سوچ لینا!
 تمہارے گھر میں اداسیاں جب
 سیاہ راتوں کو تن پہ اوڑھے
 کٹھن اندھیرے چھڑکنے آئیں
 تو کیا کرو گی؟

۲۲ ستمبر ۱۹۹۵ء



خود اپنے سائے پہ بارگراں تھے ہم جیسے
کھلا کہ شہر میں بس رائیگاں تھے ہم جیسے

ہمیں سے شب کے اندھیرے لپٹ کے سوئے تھے
کھلی جو دھوپ تو خود بے آماں تھے ہم جیسے

زمین کے تَن پہ ہمارے لہو کی چادر تھی
خود اپنی ذات میں اک آسماں تھے ہم جیسے

ہمارے پاؤں تلے موج مارتا تھا فُرات
یہ اور بات کہ تشنہ وہاں تھے ہم جیسے

یہ تاج و تخت رہے اپنی ٹھوکروں میں سدا
کہ سرفرازِ صلیب و ریتاں تھے ہم جیسے

تمہارے لمس کی حیرت سے آئینہ ٹھہرے
وگر نہ وید کے قائل کہاں تھے ہم جیسے



مُل جانا بھی اُسے یاد کرتے رہنا
لہجہ لگتا ہے اسی دھن میں بکھرتے رہنا

ہجر والوں سے بڑی دیر سے سیکھا ہم نے
زندہ رہنے کے لیے جاں سے گزرتے رہنا

کیا کہوں کیوں مرے نیندوں میں خلل ڈالتا ہے
چاند کے عکس کا پانی میں اترتے رہنا!

میں اگر ٹوٹ بھی جاؤں تو پھر آئینہ ہوں
تم مرے بعد بہر طور سنورتے رہنا،

گھر میں رہنا تو بکھرے ہوئے سائے چن کر
زخم دیور و در و بام کے بھرتے رہنا

شام کو ڈوبتے سورج کی ہے عادت محسن
صبح ہوتے ہی مرے ساتھ ابھرتے رہنا



زندگی کیا ہے، کبھی دل مجھے سمجھائے تو!
موت اچھی ہے اگر وقت پہ آجائے تو!!

مجھ کو ضد ہے کہ جو ملنا ہے، فلک سے اترے
اُس کی خواہش ہے کہ دامن کوئی پھیلانے تو

کتنی صدیوں کی رفاقت میں اُسے پہناؤں!
شرط یہ ہے مسافر کبھی لوٹ آئے تو!

خواب در خواب نئی نیند نہاؤں - - لیکن
میرا ماضی میرا بچپن کبھی دُہرائے تو

میری آنکھوں میں یہ رم جھم یہ دھنک دھوپ فضا
ایسے موسم میں وہ آجکل کہیں لہرائے تو

دُھوپ محسن ہے غنیمت مجھے اب بھی لیکن
میری تنہائی کو سایہ مرا بہلائے تو



جب آنکھ میں کچھ خاک سی اُڑتی نظر آئی
سمجھے بھی خوش فہم کہ حد سفر آئی

اک عمر تو جاگے تھے کہ بھٹ جائے اندھیرا
بل بھر کو لگی آنکھ تو ملنے سحر آئی!

میں نے تو ورق پر ابھی لکھنا تھے کئی نام
دھندلی سی یہ تصویر کہاں سے ابھر آئی؟

دل میں ہے عجب ساعتِ نو روز کا عالم
بھولی ہوئی اک یاد سرِ شام گھر آئی؟

شاید اسے کہتے ہیں تمنا کی طاقی!
ہونٹوں پہ تبسم تھا کہ پھر آنکھ بھر آئی؟

پلکوں پہ نہ آنسو نہ ستارے نہ چراغاں!
تو آج شبِ ہجر، مری جاں کدھر آئی؟

اُس نے بھی کیا راہ بدلنے کا ارادہ!
صد شکر محبت بھی کسی موڑ پر آئی

اک راحتِ اعزاز بھی تیری بجیں پر
اک ٹہمتِ پیہم تھی کہ محسن کے سر آئی



روِ وفا کے لیے ساز و رخت جمع کروں
کہاں تک جگرِ لخت جمع کروں؟

ملکِ ملی ہے تو ادھڑی زمیں پہ سوچتا ہوں
کہ پھر سے نبردِ علم، تاج و تخت جمع کروں!

میں زخمِ زخم سہی پھر بھی ضدِ غنیم کی ہے!
کہ دستِ بستہ سبھی سبکِ سخت جمع کروں

لگاؤں پھر سے "پنیری" خلی زمینوں میں
میں آمدنیوں کے لیے پھر درخت جمع کروں

زیرِ دُعا نہ اڑالے ہوا تو میں بھی کبھی
بچھے بچھے ہوئے ہاتھوں پہ بخت جمع کروں

جلوسِ اہل "بغاوت" کی دھن ہے گر محسن
تو ہاتھ کھر دے، چہرے کرخت جمع کروں

وہی سب کچھ سہی لیکن _____!

وہی آنکھیں ہیں
 جن میں زندگی نے خواب لکھے تھے!
 وہی پلکیں ہیں جن پر
 میرے ہونٹوں کی فطاعوں نے
 مچی تھی کہکشاں اکثر!
 وہی لب، جن سے لفظوں کے ستارے ٹوٹ کر
 میری غزل میں سانس لیتے تھے،
 وہی چہرہ _____ جو خوف و صوت کے ہر دائرے میں
 مرکزی نقطہ'
 وہی گردن' کہ جس میں عقدِ مرجاں، آئینہ بندی کا خمیازہ'
 وہی بازو، جنہیں میرے بدن کا لمس اکثر
 بے کراں چاہت کی رُت سے
 آشنا کرتا
 وہی سب کچھ _____ مگر اک فرق واضح ہے
 کہ اب اُس کی طبعیت میں سمندر کا متوج ہے
 ہی سب کچھ _____ مگر اب اس طرح لگتا ہے جیسے
 ہم میں نادیدہ فضلیں کچھ گئیں خود سے
 کبھی میری محبت سے اُلٹے مہتاب کی راتیں
 گھنی راتیں!
 اُسے اچھی نہیں لگتیں
 کبھی بے ربط و بے خواہش ملاقاتیں

اُسے اچھی نہیں لگتیں

وہی سب کچھ سہی لیکن ___ اب ایسا ہے
میر باتیں ___ اُسے اچھی نہیں لگتیں،

۱۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء



محبوبوں میں یوں کے امیر ہم بھی نہیں
غلط نہ جان کہ اتنے حقیر ہم بھی نہیں

نہیں ہو تم بھی قیامت کی شد و تیز ہوا!
کسی کے نقشِ قدم کی لکیر ہم بھی نہیں،

ہماری ڈوہتی نبضوں سے زندگی تو نہ مانگ
خفی ہو ہیں مگر اتنے امیر ہم بھی نہیں

گرم کی بھیک نہ دے، اپنا تخت بخت سنبھال
ضرورتوں کا خدا ٹو، فقیر ہم بھی نہیں

شبِ سیاہ کے "مہمان دار" ٹھرے ہیں
وگر نہ تیرگیوں کے سفیر ہم بھی نہیں،

ہمیں بُجھا دے، ہماری انا کو قتل نہ کر
کہ بے ضرر ہی سہی بے ضمیر ہم بھی نہیں



جب وہ کھلتے گلاب جیسا تھا

میں نے دیکھا تھا اُن دنوں میں اُسے
 جب وہ کھلتے گلاب جیسا تھا
 اُس کی پلکوں سے نیند مچھلتی تھی
 اُس کا لہجہ شراب جیسا تھا
 اُس کی زلفوں سے بھیکتی تھی گمنا
 اُس کا رُخ ماہتاب جیسا تھا
 لوگ پڑھتے تھے خال و خد اُس کے
 وہ ادب کی کتاب جیسا تھا
 بولتا تھا زبان خوشبو کی ۔ ۔ !
 لوگ سنتے تھے دھڑکنوں میں اُسے

میں نے دیکھا تھا اُن دنوں میں اُسے
 ساری آنکھیں تھیں آئے اُس کے
 سارے چہرے میں انتخاب تھا وہ!
 سب سے گھل مل کے اجنبی رہنا
 ایک دریا نما شراب تھا وہ!
 خواب یہ ہے کہ وہ "حقیقت" تھا
 یہ حقیقت ہے کوئی خواب تھا وہ
 دل کی دھرتی پہ آسمان کی طرح
 صورت سایہ و سحاب تھا وہ

اپنی نیندیں اُسی کی نذر ہوئیں
میں نے پایا تھا رتجوں میں اُسے

میں نے دیکھا تھا اُن دنوں میں اُسے
جب وہ ہنس ہنس کے بات کرتا تھا
دل کے خیمے میں رات کرتا تھا

رنگ پڑھتے تھے آنچلوں میں اُسے
میں نے دیکھا اُن دنوں میں اُسے

یہ مگر دیر کی کہانی ہے
یہ مگر دُور کا فسانہ ہے
اُس کے میرے ملاپ میں حائل
اب تو صدیوں بھرا زمانہ ہے
اب تو یوں ہے حال اپنا بھی
دھتِ ہجراں کی شام جیسا ہے

کیا خبر ان دنوں وہ کیسا ہے؟
میں نے دیکھا تھا اُن دنوں میں اُسے

۷ اکتوبر ۱۹۹۵ء

۱۲ بجکر ۳۵ منٹ

P.C لاہور



بچوں کی طرح خود سے نکھرتے ہوئے کچھ لوگ
آپس میں بھی ملتے ہیں تو ڈرتے ہوئے کچھ لوگ

یہ دل بھی عجب آئینہ خانہ ہے کہ اس میں
آباد ہیں ہر لمحہ سنورتے ہوئے کچھ لوگ

اُبھرے جو کوئی چاپ تو جی اٹھتے ہیں پھر سے
ہر سانس میں دم توڑتے، مرتے ہوئے کچھ لوگ

صحراؤں کی وسعت پہ عجب طنز ہیں محسن
چڑھتے ہوئے دریا میں اترتے ہوئے کچھ لوگ

یہ کتنا مختصر سچ ہے!

وہ کہتا تھا! __

بدن کاغذ کی ناؤ ہے

اسے گیلانا نہ ہونے دے!

۱۰ اکتوبر ۱۹۹۵

۱۰-۱ دوپہر

ادفات !

بعض اوقات شب کے پچھلے پہر
 اک اکلے اجاز جنگل میں
 جب اندھیرے کے واہموں کا غبار
 آنکھ پر ثبت کر دے خوف کی مہر
 ایسی گرم صم فضا کے سائے میں
 ہر بھکتے ہوئے مسافر کو
 جلتا بھٹاتا ہوا بس اک جگنو
 ایک "سورج" دکھائی دیتا ہے

۱۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء

سہ پہر ۱۱:۳۰ بجے

ہوا _____! کیوں بھول جاتی ہے؟

ہوا کیوں بھول جاتی ہے؟
 کہ اپنے رتجکے تیرا تاشہ
 ہماری جاگتی راتوں کی ساری کرچیاں
 آنکھوں میں چمکتی ہیں
 تو کیا کچھ یاد آتا ہے!!

سفر 'آوارگی' ہجر و وصال و لنگاراں
 محفل لالہ رُخاں، عکسِ ہجوم گلزاراں

نکبتِ فصلِ بہاراں

ما تم یاراں!

ہوا ___ اُندھی ہوا ___ !!

جب بھی تھکے ہارے پرندوں کی طرح

خود ٹوٹ کر بکھرے ہوئے پتے

زمین کی خاک سے چلتی ہے

بھٹکے ہر دوں کے نقشِ پا

رستوں کی پتھر لی ہتھیلی سے اُٹھاتی ہے

کسی اُجڑے کھنڈر کی خامشی

جب سنسناتی ہے!

ہوا، کیوں بھول جاتی ہے؟

کہ ہم اپنے کواڑوں کو تری دستک سے پہلے

اپنے بوسیدہ گریبانوں کی صورت کھول دیتے ہیں

جری خاطر ہم آنکھوں میں

ستارے گول دیتے ہیں

(مگر کب تک؟)

مگر کب تک؟

تجھے تو خیریوں بھی راس ہے

صدیوں کا سناٹا، سفر، آوارگی

موسم کی بے مہری!

مگر کب تک؟

ہماری دُکھتی آنکھوں میں یہ چمھے رتبے کب تک؟

خود اپنے آپ سے ملنے میں حائل "قاصدے" کب تک؟

ہوا، کیوں بھول جاتی ہے؟

کہ ہم تیرے سوا اپنے بھی "کچھ لگتے" تو ہیں آخر!

ہوا، تجھ سے جو ممکن ہو
 تو صدیوں کی تھکن اشکوں سے دھونے دے،
 ہمیں کھل کر بھی رونے دے!
 دل بے مہر کو چیتے ہوئے خوابوں کے
 پس منظر میں کھونے دے!!
 ہوا، پل بھر کو سونے دے!!

بدھ ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء
 ۹-۳۰ بجے رات



بدن میں اُتریں تھکن کے سائے تو نیند آئے
 یہ دل کہانی کوئی سنائے تو نیند آئے

بُجھی بُجھی رات کی ہتھیلی پہ مُسکرا کر!
 چراغِ وعدہ کوئی جلانے تو نیند آئے

ہوا کی خواہش پہ کون آنکھیں اُجاڑتا ہے؟
 دیے کی لُو خود سے تھر تھرائے تو نیند آئے

تمام شب جاگتی خموشی نے اُس کو سوچا!
 وہ زیرِ لب گیت گنگنائے تو نیند آئے

بس ایک آنسو بُہت ہے محسن کے جاگنے کو
 یہ اک ستارہ کوئی بجھائے تو نیند آئے

مجھے معلوم ہے سب کچھ

مجھے معلوم ہے سب کچھ!
 کہ وہ حرفِ وفا سے اجنبی ہے!
 وہ اپنی ذات سے ہٹ کر
 بہت کم سوچتی ہے!
 وہ جب بھی آئندہ دیکھے
 تو بس اپنے ہی خال و خد کے
 تیردیکھتی ہے۔!!
 اُسے اپنے بدن کے زاویے، قوسیں، مثلث، مستطیلیں
 بازوؤں کی دسترس میں رقص کرتی خواہشوں کی سب اڑائیں
 قیمتی لگتی ہیں سیم و زر کے پوشیدہ خزانوں سے!
 زمینوں، آسمانوں میں رواں روشن زمانوں سے!!
 وہ لمحہ لمحہ اپنے ہی تراشیدہ گروں میں
 گھومتی ہے!
 وہ بارش میں نہائی دُھوپ کے آنگن میں
 کھلتی، کھلتی، ہنستی ہری بیلوں کی شررگ سے
 نچرتی، ناچتی بوندوں کی پی کر
 ٹھومتی ہے!!
 اُسے اپنے بوا، دُنیا کی ہر صورت، ہر اک تصویر
 بے ترتیب لگتی ہے،
 مجھے معلوم ہے سب کچھ

کہ وہ رنگوں بھرے منظر، دھنک کے ڈالتے
 اُجلی فضا کی خوشبوئیں، جھلمل شعاعیں
 اپنی بیٹائی کے حلقوں میں مقید کر کے اپنی مسکراہٹ
 کے درپے کھولتی ہے

کہ وہ اقرار کے لحوں میں کم کم بولتی ہے!!
 مجھے معلوم ہے سب کچھ

مگر "معلوم" ہی سب کچھ نہیں ہے
 کہ اس "معلوم" کی سرحد کے اُس جانب
 فشار آگئی کا آساں ہے

خود فراموشی، خوشی کی زمیں ہے
 جہاں ظاہر کی آنکھوں سے ابھی "معلوم" ہے سب کچھ
 مجھے معلوم ہے سب کچھ
 مگر معلوم ہے سب کچھ نہیں ہے!!

جمعرات ۱۴، اکتوبر ۱۹۹۵ء

دوپہر ۳۲-۱

ہواِ ضِد کی بہت ہے

ہواِ ضِد کی بہت ہے!
 شاخ پر اک مَحول تک رہنے نہیں دیتی
 روں پر خاک اُڑاتی ہے
 تو اُس کی دُھول تک رہنے نہیں دیتی

ہوا کی ضد پہ

شاخیں کب تک خوشبو سنبھالیں گی؟

کہ پھولوں کی مہکتی پتیوں کی

نرم و نازک سی رگیں آخر

ہوا کے کھر درے ہاتھوں سے چھل جائیں

تو موسم زرد پڑ جائے __ !!

ہوا ضد پر جواڑ جائے

توپیروں کی جڑیں مٹی کی تہہ میں

__ ٹوٹ جاتی ہے

سنبھالو سانس کا ریٹم

کہ آوارہ ہوا کے ٹیڈ خوجھوٹے سے بچھو جائیں

تو آپس میں جڑی سانس بھی اکثر چھوٹ جاتی ہیں

سنبھالو اپنے سائے کو

کہ آپس میں پھڑنے کی بجائے رت ہے

--- ہوا ضد کی بہت ہے !!

اتوار ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء

دوپہر ۵۰-۱۲

ترے ملنے کا اک لمحہ

ترے ملنے کا اک لمحہ!
 بس اک لمحہ سی — لیکن
 بکھر جائے تو موسم ہے
 وفا کا بے کراں موسم!
 ازل سے مہرباں موسم!!
 یہ موسم آنکھ میں اترے
 تو رنگوں سے دہکتی روشنی کا
 عکس کہلائے!

یہ موسم دل میں ٹھرے تو
 سنہری، سوچتی صدیوں کا
 گہرا نقش بن جائے!!

ترے ملنے کا اک لمحہ —
 مقدّر کی لکیروں میں
 دھنک بھرنے کا موسم ہے!
 یہ موسم،
 خوبصورت شاعری کرنے کا موسم ہے!!

اتوار ۱۵ اکتوبر

P.C لاہور



سفر تنہا نہیں کرتے !
سنو، ایسا نہیں کرتے

جسے شفاف رکھنا ہوا
اُسے "میلا" نہیں کرتے

تری آنکھیں اجازت دیں
تو ہم کیا کیا نہیں کرتے؟

بہت اُبلے ہوئے گھر پر
بہت سوچا نہیں کرتے

سفر جس کا مقدر ہو،
اُسے روکا نہیں کرتے!

جو بل کر خود سے کھو جائے
اُسے رُسا نہیں کرتے

چلو، تُم راز ہو اپنا - - !
تمہیں افشا نہیں کرتے

یہ اُونچے بیڑ کیسے ہیں؟
کہیں سایا نہیں کرتے!

جو دھن ہو، کر گزرنے کی
تو پھر سوچا نہیں کرتے

کبھی ہنسنے سے ڈرتے ہیں
کبھی رویا نہیں کرتے

تری آنکھوں کو پڑھتے ہیں
تجھے دیکھا نہیں کرتے

سحر سے بچھڑ لو محسن!!
کہ ہم سویا نہیں کرتے!



دیا خود سے بچھا دینا
ہوا کو اور کیا دینا؟

بتارے تو بچے والو!
فلک کو آسرا دینا - !!

کبھی اس طور سے ہنسا
کہ دنیا کو زلا دینا -!

کبھی اس رنگ سے رونا :-!
کہ خود پر مسکرا دینا

میں تیری دسترس چاہوں!
مجھے ایسی دُعا دینا!!

میں تیرا نہ ملا مجرم :-!
مجھے گھل کر سزا دینا!!

میں تیرا مُنرد ساتھی!
مجھے ہٹ کر جزا دینا :-!!

برا سر سب سے اُونچا ہے
مجھے "مقتل" نیا دینا :-!

مجھے اچھا لگے محسن
اُسے پا کر گنوا دینا



رگوں میں زہر بھر لینا
بدن آباد کر لینا!

سدا بجتے چراغوں سے
سُرائی سمسّر لینا !-

ہمارے "جشنِ ماتم" میں!
گھڑی بھر کو سنور لینا

محسن شہروں کی ڈس لے گی
کسی صحرا میں گھر لینا

اُسے مت بے وفا کہنا
یہ تہمت اپنے سر لینا

بس اک لمحے کا دکھ دے کر
دُعائیں عمر بھر لینا - !!

دکانِ رنگ سے محسن
کسی "تیلی" کے پر لینا

بہت حساس انسانوں کے ساتھی!

تمہاری انگلیوں کی نرم پوریں
تھلستی سوچ کا تھا اثاثہ
خزاں کے زرد موسم پر نہ جاؤ
تمہاری یاد کا جنگل ہرا ہے

یہی جنگل گھنے سایوں کی چاہت سے بھرا ہے

بہت حساس انسانوں کے ساتھی!

بہت جاگا کرو میری طرح سے

کہ تم پر بھی کسی شب کی اداسی

بے ردا آشفتگی کی سرِ سرائیٹ

اگر ایسا نہیں تو _____ اس طرح ہے

کہ تم اپنے لہو کی شوخ، لودیتی تمازت

تھلستی سوچ، اپنی انگلیوں کی نرم پوریں

مرے لمحوں کے سب چھپتے شکستہ آنسوؤں پر ثبت کر دو،

مجھے اشکوں کے اُس جانب بھی اک دن

تمہی کو کھوجنا ہے

تمہیں اپنی طرح سے سوچنا ہے!!

بہت حساس انسانوں کے ساتھی!

۱۲۳ اکتوبر ۱۹۹۵ء

وہ میں نہیں ہوں

وہ آنکھوں آنکھوں میں بولتی ہے
تو اپنے لہجے میں
کچی کلیوں کی نکلتیں
اُدھ کھلے گلابوں کا رس
تھک رُت میں شہد کی موج گھولتی ہے

وہ زبرد . مسکرا رہی ہو
تو ایسے لگتا ہے
جیسے شام و بحر گلے مل کے اُن سنی لے میں گنگنائیں
صبا کی زلفیں گھلیں
ستاروں کے ترسانوں میں جھنجھنائیں
وہ اُبروؤں کی کہاں کے سائے میں
چاہتوں سے اُٹی ہوئی دھوپ
راحتوں میں کھلی ہوئی چاندنی
کے موسم نکھارتی ہے
وہ دل میں خواہش کی لہر لیتی ضدیں،
خیالوں کی کرچیاں تک اُتارتی ہے!
ہوا کی آوارگی کے ہمراہ اپنی زلفیں سوارتی ہے!!

کبھی وہ اپنے بدن پر اُجلی رُتوں کا ریشم پہن کے نکلے

تو کتنے رنگوں کے دائرے
 سلوٹوں کی صورت میں ٹوٹتے ہیں
 وہ لب ہلائے تو پھول چمکتے ہیں
 اُس کی باتیں؟
 کہ جیسے کچ دیار یا قوت سے شعاعوں کے اُن گنت
 تار پھوٹتے ہیں!!

وہ سر سے پاؤں تک
 دھنک، دھوپ، چاندنی ہے!
 دھلے دھلے موسموں کی بے ساختہ
 غزل بخت شاعری ہے!!
 (مرے ہنر کے سبھی اثاثوں سے قیمتی ہے)

وہ مجھ میں گھل مل گئی ہے لیکن
 ابھی تک مجھ سے اجنبی ہے،
 کسی اُدھوری گھڑی میں
 جب جب وہ بے ارادہ محبتوں کے
 مجھے مجھے بید کھولتی ہے!

تو دل یہ کہتا ہے
 جس کی خاطر وہ اپنی "سانس" دے
 وفا کی سولی پہ تولتی ہے
 وہ آسمان زاد، کہکشاں بخت ____ (کچھ بھی کہہ لو ____!)
 جو اُس کی چاہت کا "آسرا" ہے
 وہ "میں" نہیں ہوں
 کوئی تو ہے جو مرے سوا ہے!
 وہ شہر بھر کے تمام "چہروں" سے ہٹ کے

اک "اور مہریاں" ہے
 جو اُس کی خواہش کا "آساں" ہے
 (کسے خبر کون ہے، کہاں ہے؟)

مگر مجھے کیا؟

کہ میں زمیں ہوں!
 وہ جس کی چاہت میں اپنی سانسیں اُٹا رہی ہے
 وہ "میں" نہیں ہوں!
 وہ آنکھوں آنکھوں میں بولتی ہے!!

منگل ۱۲۳ اکتوبر

دوپہر ۲-۴ بجے

لاہور



ہر گھڑی رائیگاں گزرتی ہے
زندگی اب کہاں گزرتی ہے؟

درد کی شام _ _ دھبِ ہجران سے
صورتِ کارواں گزرتی ہے!!

شبِ گراتی ہے بجلیاں دل پر
صبحِ آتشِ بجاں گزرتی ہے!

زخمِ پہلے مہکنے لگتے تھے _ _ !
اب ہوا بے نشان گزرتی ہے

تُو خفا ہے تو دل سے یاد جری
کس لیے مہرباں گزرتی ہے؟

اپنی گلیوں سے امن کی خواہش
تن پہ اوڑھے دھواں، گزرتی ہے

مسکرایا نہ کر کہ محسن پر
یہ "سخاوت" گراں گزرتی ہے!



سکھ کا موسم خیال و خواب ہوا _ !
سانس لیتا بھی اب عذاب ہوا _ !

آنکھوں آنکھوں پڑھا کرو جذبے
چہرہ چہرہ گھلی کتاب ہوا _ !

روشنی اُس کے عکس کی دیکھو
آئینہ شب کو آفتاب ہوا

اک فلک ناز کی محبت میں
میں ہواؤں کا نمر کاب ہوا

عدل بدور، کبھی حساب تو کرا
ظلم کس کس پہ بے حساب ہوا؟

کون موجوں میں گھولتا ہے لہو
نر نحر و کس لیے چناب ہوا،

کس کے سر پر بناں کو رشک آیا
کون قتل میں کامیاب ہوا؟

اب کے ہجراں کی دھوپ میں محسن
رنگ اُس کا بھی کچھ خراب ہوا!!

جاگتے سوتے!

نیم شب کا اجاڑ سا -!
 خواب آلود، بے صدا رستے
 تیرگی سے اٹی ہوئی گلیاں،
 کھردرے، بے چراغ کواڑ
 سہی سہی ہوا کی دسک سے
 سانس لیتے ہیں، بے حواسی میں
 بیڑ پر چند زرد رو پتے -!
 ٹوٹتے ہیں - زمیں پہ گرتے ہیں
 (جیسے بے شکل چاپ پر اکثر
 کوئی بیمار دل دھڑکتا ہے)
 ایسی تنہائیوں میں بھی اب تک
 میں ترے نام جاگتے سوتے!
 خیریت کے خطوط لکھتا ہوں!!

اتوار ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۵ء

رات بارہ بجے، ہوٹل پی۔ سی لاہور

بھکاریں

اک بھکارن!

شہر کے مصروف چوراہے کی اندھی بھیڑ میں

اپنے قاتلوں سے اُٹی خواہش کی ضد پر

بیچنے آئی ہے

اپنی نوجوانی کا ٹرور!

توڑنے آئی ہے بے صورت اُنا کے آئنے

بے حنا ہاتھوں میں پھیلائے ہوئے

بس "چند لمبے" زندہ رہنے کا سوال!

"چند لمبے" جن کا ماضی ہے نہ حال۔۔!!

آنکھ میں بجھتی ہوئی اک موج ٹور،

تن پہ لپٹے چیتروں کی رسلوٹوں میں

سانس لیتے واہے!

دم توڑتا احساس، لودیتا فحور!!

زندگی کے دو کنارے — چارو!

اک طرف ہنگمے ہوس۔۔۔ اک سمت "خو"

کس قدر مہنگی ہیں "باسی روٹیاں"

کتی سستی ہے "مٹا رہا آئو"

اے خدائے "کاخ و کو"

۳۰ اکتوبر ۱۹۹۵ء

ایک بچے شب

ہوٹل پی۔سی لاہور

سفر سے لوٹ آیا ہوں

سفر سے لوٹ آیا ہوں
مگر آب کے
اگرچہ شہر میرا ہے
وہی رستے وہی گلیاں، وہی مانوس چہرے ہیں
کبھی چہرے کبھی آنکھیں شناسا ہیں
کبھی ہونٹوں پہ آب تک ایک جیسی مسکراہٹ ہے
وہی شامیں اُنہی شاموں میں صبحوں کی
وہی مانوس آہٹ ہے
وہی کچے مکاں جن کے کئیں میری محبت کا اثاثہ ہیں
وہی افلاس کی گلی ہوئی سڑکیں

کہ جن میں بارشوں کے چند چھینٹے گر برس جائیں تو ہمتوں
دھوپ کی جدت وہاں ٹھہرے ہوئے پانی میں
صبح شام کرتی ہے!

اگرچہ شہر میرا ہے
مگر میں اجنبی آنکھیں لیے
ہر سمت آوارہ فضا میں ڈھونڈتا ہوں
بے سبب اک آشنا چہرہ
شناسا لب، مرے ہمراہ شب بھر بولتی آنکھیں
وہ آنکھیں جن کی ساری گفتگو
اب کے سفر میں چھوڑ آیا ہوں،

وہ ساری گفتگو جس کے بھی حرفوں کے شیشے
رہگور میں توڑ آیا ہوں

وہ آنکھیں چھوڑ آیا ہوں

مگر اُن میں بھری نیندیں مری ٹس ٹس میں ہستی ہیں
مجھے اپنی طرف واپس بکاتی ہیں،
کہ "لوٹ آؤ"

تمہارے بعد اس "ہستی" کی رونق
بے چراغاں ہے

اگرچہ شہر میرا ہے

مگر اُب کے تو

جیسے میرے چہرے پر تمہاری بولتی آنکھوں کی حیرانی

مجھے رُکنے نہیں دے گی،

مجھے خود اپنی لذت کے شناسا، دلنشین چہرے

اچانک چھوڑنا ہوں گے،

تمہارے ساتھ بیاں جوڑنے کی سرسری ساعت سے ملنے تک

خود اپنے آپ سے جاناں

روابطہ توڑنے ہوں گے!

اگرچہ شہر میرا ہے!!

۴ نومبر ۱۹۹۵ء

پانچ بج کر ۳۵ منٹ



آدی جلتا دیا ہے اور بس!
سانس آوارہ ہوا ہے اور بس!!

موت بے آفاق صدیوں کا سفر
زندگی زنجیر پا ہے اور بس!!

نار سائی، اس قدر برہم نہ ہو
لب پہ اک حرفِ دعا ہے اور بس!

اور - میں رُوٹھا ہوں اپنے آپ سے
اور - تُو مجھ سے خفا ہے اور بس!!

یا نگاہوں میں ہے رنگوں کا نجوم
یا ترا بندِ قبا ہے، اور بس!

اُس طرف طغیانوں پر ہے چناب
اِس طرف کچا گھڑا ہے اور بس!

دل مثالِ دشت بے نقش و نگار
اُس میں تیرا نقش پا ہے اور بس!

شامِ غم میں تیرے ہاتھوں کا خیال!
شعلہٴ رنگِ حنا ہے اور بس!!

اُس کے میرے فاصّے محسن نہ پوچھ
رنگ سے خوشبو جدا ہے اور بس !!



ہے کس کا عکس دل کے قرین، چار سُو ہے کون؟
گردِ شہماں چھٹے تو گھلے رُودِو ہے - کون؟

کس کے بدن کے دُھوپ نے لہریں اُجال دیں؟
اے عکسِ ماہتاب تیرے آبِ جُو ہے کون؟

کیا جانے سنگِ بار ہوا گلوئے یار کی
پیوند کس قبا میں لگے، بے رُو ہے کون؟

نوکِ بیتاں پہ کیوں نہ سجے اپنی سرکشی
جُو شہرِ یار شہر میں اپنا عُدو ہے کون؟

اے مصلحت کی تیز ہوا، جُو غریب شہر
اس شہرِ ننگ و نام میں بے آبرو ہے کون؟

پلکوں پہ کون چُختا ہے رُسوائیوں کی دُھول
رُسا ہمارے ساتھ یہاں گلو گلو ہے کون؟

محسن اب اپنا آپ بھلایا ہے اس طرح
مجھ سے خود اپنے عکس نے پوچھا کہ "تُو" ہے کون؟"



کم سخن لوگ جو سچ بولتے ہیں
خود سے ہر گرہ ستم کھولتے ہیں

آندھیاں خواب سے جاگ اُٹھی ہیں
کچھ پرندے کہیں پر تو لے لے ہیں

جن کی باتوں میں میٹائی ہو
خون میں زہر دے گھولتے ہیں

اُس کی آنکھوں نے تُو چمکا ہے
لوگ بے وجہ کہاں ڈولتے ہیں

جب وہ موضوع سخن ہو محسن
ہم بہت لعل و گہر رولتے ہیں



میں تجا - - درپیش سفر تقدیر کا ہے
کیا جانے کس موڑ مگر تقدیر کا ہے؟

سارے پتھر غار سے ہم سر کا بیٹھے
ان سے آگے اک پتھر تقدیر کا ہے!

ہے کتنا شفاف لبادہ یوسف کا
دامن پر اک داغ مگر تقدیر کا ہے

زرد رُتوں کے زہر بھرے سب بیڑوں میں
دور سے بُرا کچور شجر تقدیر کا ہے!

اُن کی قسمت آپ لکیر خزانوں کی!
میرے ہاتھ پہ خالی گھر تقدیر کا ہے

اُڑتے اُڑتے ہم افلاک کو چھو آئیں
لیکن راہ میں حائل پر تقدیر کا ہے

رات کی لاش پہ محسن ماتم کرنے کو
صبح کا تارا " دیدہ تر " تقدیر کا ہے



ہر ایک لمحہ پہن کے صدیوں کی شال گزرا
لہو کا موسم بھی آپ اپنی مثال گزرا

حکایت ضبطِ ہجر بٹتے کہ اشک بچتے
گزر گیا، جس طرح بھی عہد وصال گزرا

جو شب بھی آئی وہ خسر کے دن کو ساتھ لائی
وہ دن بھی گزرا وہ شامِ غم کی مثال گزرا

لہو ساعتوں نے چہرے کے ہیں زخم اتنے!
کہ جو بھی پل تھا جراحاتوں سے بے حال گزرا

اجاز بستی سے وقت کی سلطنت کا حاکم!
سجا کے ہاتھوں پہ سُرخ سُرُج کا تھال گزرا

میں تیرے ملنے کو معجزہ کہہ رہا تھا لیکن،
ترے بچھڑنے کا سانحہ بھی کمال گزرا!

غم جہاں نے بدل دیا ہے مزاج اپنا
گراں بہت اب کے دل پہ تیرا خیال گزرا

نہیں کہ تجھ سے بچھڑ کے دُنیا اُڑ گئی ہو
یہی کہ دل بچھ گیا ذرا سا نکال گزرا

ہر اس، بازو، موت، شجوں کا خوف محسن
نہ پوچھ کتنی اڈتیوں میں یہ سال گزرا

دسمبر مجھے راس آتا نہیں

(۱۹۹۵ء کی آخری نظم)

کئی سال گزرے
کئی سال بیتے
شب و روز کی گردشوں کا تسلسل
دل و جاں میں سانسوں کی پرتیں اُلتے ہوئے
زلزلوں کی طرح ہانپتا ہے!
چپختے ہوئے خواب
آنکھوں کی نازک رگیں پھیلتے ہیں
مگر میں ہر اک سال کی گود میں جا گئی صبح کو
بے کراں چاہتوں سے اُنی زندگی کی دُعا دے کے
اب تک وہی "جستجو" کا سفر کر رہا ہوں
سفر زندگی ہے
سفر آگہی ہے
سفر آبلہ پائی کی داستاں ہے
سفر عمر بھی کی سلگتی ہوئی خواہشوں کا دھواں ہے!

کئی سال گزرے
 کئی سال بیٹے!
 مسلسل سفر کے خم و پیچ میں
 سانس لیتی ہوئی زندگی تھک گئی ہے
 کہ جذبوں کی گیلی زمینوں میں
 بوئے ہوئے روز و شب کی ہراک فصل اب "پک" گئی ہے

گزرتا ہوا سال بھی آخری ہچکیاں لے رہا ہے
 مرے پیش و پس
 خوف، دہشت، اجل، آگ، بارود کی موج
 آبادیاں نوچ کر اپنے جڑوں میں جکڑی ہوئی زندگی کو
 درندوں کی صورت
 بنگلے کی مشقوں میں مصروف تر ہے
 ہراک راستہ، موت کی رہ گزر رہے

گزرتا ہوا سال جیسے بھی گزرا
 مگر سال کے آخری دن
 نہایت کٹھن ہیں
 ہراک سمت لاشوں کے انبار
 زخمی جنازوں کی لمبی قطاریں
 کہاں تک کوئی دیکھ پائے؟
 ہواؤں میں بارود کی باس
 خود امن کی نوحہ خواں ہے
 کوئی چارہ گر، عصر حاضر کا کوئی مسیحا کہاں ہے؟

نئے سال کی مسکراتی ہوئی صبح _____ گریہا تھ آئے

تو ملنا!!

کہ جاتے ہوئے سل کی ساعتوں میں

یہ بجھتا ہوا دل

دھڑکتا تو ہے

مسکراتا نہیں

دسمبر مجھے راس آتا نہیں _____

سوموار ۲۵ دسمبر ۱۹۹۵ء

☆

۱۹۹۶ کی پہلی غزل

کیا خزانے مرے جاں، ہجر کی شب یاد آئے

تیرا چہرہ، تیری آنکھیں، تیرے . یاد آئے

ایک تُو تھا جسے غربت میں پکارا دل نے

ورنہ بچھڑے ہوئے احباب تو سب یاد آئے

ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا!

دُکھ بھی کیا کیا ہمیں یاروں کے سبب یاد آئے

پھول کھلنے کا جو موسم مرے دل میں اُترا
تیرے بخشے ہوئے کچھ زخم عجب یاد آئے

اب تو آنکھوں میں فقط دھول ہے کچھ یادوں کی
ہم اُسے یاد بھی آئے ہیں تو کب یاد آئے!

بھول جانے میں وہ ظالم ہے نہلا کا ماہر
یاد آنے پہ بھی آئے تو غضب یاد آئے

یہ تھک رُت یہ نئے سال کا پہلہ لمحہ
دل کی خواہش ہے کہ محسن کوئی اب یاد آئے،

وہ خواب اپنے

پھجڑے لمحوں کی

بے صدا جلد باز رُت میں

جب اُس کے ہونٹوں کی نرم چھاؤں

مجھے جدائی کی دھوپ دے کر

حواس کی انگلیوں سے

دامن چھڑا رہی تھی

تمام رسموں تمام قسموں کی جلتی شمعیں

بجھا رہی تھی

میں اُس کی آنکھوں میں
 چھوڑ آیا تھا خواب اپنے
 وہ خواب جن کی تمازتوں میں
 "تمام سچ تھا"
 وہ خواب تکمیل آرزو کی نشانیاں تھے
 وہ خواب میری وفا کی اُجلی کہانیاں تھے

میں سوچتا ہوں
 کہ اب کبھی چاندنی میں بھیگی ہوئی ہوا میں
 جب اُس کی آنکھوں سے
 نیند کا کچھ خمار، اُس کے بدن کی خوشبو سے پُر
 کوئی پیام لائیں
 تو میں بھی مانگوں حساب اپنے
 میں اُس کی آنکھوں سے مُسکرا کر طلب کروں
 پھر سے خواب اپنے
 میں اُس کو بھیجوں عذاب اپنے!

۷ جنوری ۱۹۹۶ء

اگر بچھڑنا ٹھہر گیا ہے

اگر بچھڑ گیا ہے

تو میرے خوابوں سمیت اپنی اُداس آنکھیں

بھلا کے جاؤ

کہ جب بھی ملنا پڑے کسی سے

(کسی شاسا کہ اجنبی سے)

تو یوں نہ ہو

تم چھپا نہ پاؤ

تمام ماضی!

تمام سچ کے لہو میں تر

نا تمام وعدے،

کہ اجنبی دوستوں سے ملتے ہوئے

خود اپنی اُداس آنکھوں میں

بولتے سچ کو دفن کرنا

بہت ہی مشکل ہے

اپنے ماضی کے سچ پہ

"اظہارِ معذرت!"

اور معذرت!

اعترافِ جرم و سزا سے بھی

اک کڑا عمل ہے

جو تم سے شاید کبھی نہ ہوگا!!

ان دنوں

ان دنوں شہر بھر کے رستوں میں
 ناچتی ہے بکلا کی ویرانی!
 عکس در عکس ڈستی رہتی ہے
 بے صدا آئینوں کو حیرانی
 سارے چہروں کے رنگ پھیکے ہیں
 ساری آنکھیں اجاڑ لگتی ہیں
 سارے دن آہوں کی کنتی میں
 ساری راتیں پہاڑ لگتی ہیں
 بجھتی جاتی ہیں یاد کی شمعیں

اپنی پلکوں سے آنسوؤں کے نکلیں
 ٹوٹے ہیں تو دل نہیں چُختا
 جیسے شاخوں سے زرد روپتے
 ٹوٹے ہیں - - کوئی نہیں سُنتا
 تو کہاں ہے ، کہاں نہیں ہے تو؟
 بھول جا - - یاد کیوں نہیں آتا؟

ہم سے کیا پوچھنا - مزاج حیات؟
 ہم تو بس اک دریدہ دامن میں
 بھر کے خاکسٹر دیار وفا - !
 لے کے صدیوں کی باس پھرتے ہیں
 ان دنوں شہر بھر کے رستوں میں
 ہم اکیلے اداس بھرتے ہیں!
 اب یہ سوچیں تو آنکھ بھر آئے،

ان اکیلے اجاڑ رستوں میں
تو بھی شاید کہیں نظر آئے!

۷ جنوری رات ۲ بجے

☆

زندگی بھر عذاب سہنے کو
دل بلا ہے اُداس رہنے کو

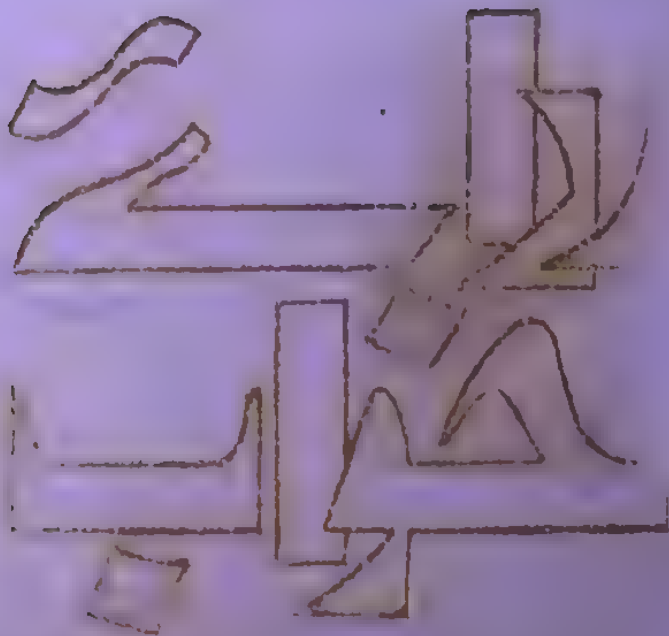
ایک " چُپ " کے ہزار ہا مفہوم
اور کیا رہ گیا ہے کہنے کو؟

چاند جس کی جہیں پہ چٹتا ہو
وہ ترستی ہے ایک " گہنے " کو

آسمان سے اُتر پڑا سورج
چلتے دریا کے ساتھ بہنے کو

گھر میں تم بھی رہا کرو محسن
گھر بتاتے ہیں لوگ رہنے کو

ماوراءالنهر
۳- بیدار و روز ۷-۱۲۷۰





تمام کتب بغیر کسی مالی فائدے کے پی ڈی ایف میں
تبدیل کی جاتی ہیں۔
کتابی مواد کی ذمہ داری مصنف پر ہے۔

سید حسین الحسن۔
ایڈمنسٹریٹو فیس بک گروپ

03448183736
03145951212



زندگائی خواب
سیر معنیں

ردائے خواب

مفتاح الہدایہ

ہماری کتابیں، فوبصورت کتابیں

تزیین و اہتمام اشاعت

منتظم : اختر جمیل کاظمی

بار اول : ۱۹۸۵ء

نوشٹوئیں : غلام رسول اختر

مطبع : پرنٹ این - لاہور



انتساب

ناراض دوستوں کے نام — !!

مجھے چاندنی میں نہائے ہوئے صحرا کے سینے پر ہوا کی تحریر پڑھنے
 کا شوق ہے — میں ویران راستوں میں چپ چاپ سفر کرتے ہوئے
 اونٹوں کی قطاروں کو مطمئن مسافت کی علامت سمجھتا ہوں —
 مجھے ویران پگڈنڈیوں پر چھتاروں کے سائے میں بانسری کی تان
 اُٹھاتے ہوئے جوانوں کی آنکھوں میں گھلتے خواب گلابوں کی رت
 سے بھی زیادہ مدھر لگتے ہیں — مجھے گاؤں کی سوہنیاں، تھل کی
 سنیاں اور چناب کی ہیریں آج بھی داستانِ عشق کے کرداروں کی
 طرح دلچسپ اور دلکش دکھائی دیتی ہیں —
 میں محبت کے جذبے کی صداقت اور حیات کی توانائیوں پر ایمان
 کی حد تک یقین رکھتا ہوں —

کبھی کبھی میرا جی چاہتا ہے کہ میں کوئی ایسی بستی بساؤں جس
 میں آسمان اور سمندر کے درمیان فاختاؤں کی پرسکون پھر پھر اہٹ
 کے علاوہ کچھ سنائی نہ دے — میرا آدرش محبت
 اور ماثو امن ہے، زندگی اتنی مختصر ہے، کہ اس میں جی بھر کے محبت
 کرنے کی ہمت بھی نہیں ملتی، خدا جانے لوگ نفرت کرنے کے
 لئے وقت کہاں سے بچا لیتے ہیں؟

اور پھر مجھے تو ہنستے بے کچے مکانوں کے آنکھوں میں جلتے

ہوئے چولہوں سے اُٹھتا ہوا دھواں بارود کے دھویں سے زیادہ عزیز ہے
 آج وقت کم ہے، (بہت کم) — سوچنے، پڑھنے اور لکھنے کے لئے
 جتنی فرصت چاہیے — وہ موجِ فرات کی طرح کمیاں ہے۔ ایسے میں طویل
 بات کرنے سے سامع اکتا جاتا ہے — اور داستان گوئی یوں بھی پُرانے
 زمانوں کی بات لگتی ہے۔ ”ردائے خواب“ میرے مختصر قطعات کا مجموعہ ہے۔
 جس میں ادھوری باتیں، نامکمل ملاقاتیں، ٹوٹے بکھرتے خواب، اور چھٹی چھٹی
 خواہشیں ہیں — میں نے کوشش کی ہے کہ ان قطعات کی زبان آسان اور
 مفہوم ابھام سے مبرا رہے۔ تاکہ آپ کی سماعت ایک لمحے کو بھی تھکن محسوس
 نہ کرے، اور نہ ہی ”ردائے خواب“ پڑھنے کے لئے آپ اپنے مصروف ترین وقت
 سے طویل فرصت طلب کریں۔

جہاں تک ان قطعات کے معیار کا تعلق ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کہاں تک
 آپ کی تشفی کر سکیں گے۔

لیکن اتنا ضرور ہے کہ اپنے محسوسات کے لئے میں نے کبھی بھی ناروا پابندی
 قبول نہیں کی جو کچھ محسوس کرتا ہوں، بے دھڑک کہنے کی عادت میں ہمیشہ مبتلا رہتا
 ہوں۔ آپ چاہیں تو اس کے خلاف بھی فیصلہ دے سکتے ہیں۔

میں آپ کی رائے کا احترام کروں گا (اور آپ کی رائے مجھے اپنے ”ہونے“
 کا یقین بھی تو بخشنے گی)۔

”ردائے خواب“ ایک مسافر کی ”خود کلامی“ ہے، جو دن بھر خواب بُنتا ہے،
 خواہشوں کے ریزے چمٹا اور پلاکوں پر سجا کر اپنی ذات کے صحرا میں خیالوں کا خیمہ
 نصب کر کے سو جاتا ہے۔

یہ خود کلامی اگر آپ کی خواہشوں، خوابوں اور خراشوں کی دھندلی سی تصویر
 ثابت ہو تو میری کامیاب کوشش ہوگی ورنہ خود کلامی پر پھر تو نہیں بھایا جاسکتا۔
 ”ردائے خواب“ کے قطعات کی تخلیق میں بہت سے دوستوں کی
 خواہش اور تقاضوں کا ہاتھ بھی ہے۔ اس لئے اس کی اشاعت بھی انہی
 دوستوں کی مرہون احسان ہے۔ جن میں کچھ میرے حقیقی محسن ہیں اور کچھ
 کی بخشش بے جا میرے شکریے کی مستحق ہے۔ بہر صورت دونوں صورتوں
 میں مجھے سکون نصیب ہوا ہے۔ کیونکہ میں ملامت صفت دشمنان اور
 رنج کم ظرفی دوستاں دونوں سے بے نیاز ہو کر زندگی صرف کرنے کا
 عادی ہوں۔

حسین نقوی
 ۲۸ مارچ ۱۹۸۵ء
 ج۔ دھور



برگِ صحرا سے روائے خواب تک میں محسن کا
شریکِ سفر ہوں۔ مجھے دیدہ زیب کتابوں کی اشاعت
کا جنون ہے اور محسن کو اپنے فن کو نکھارنے اور
سنوارنے کی لگن۔ اُس کے چاہنے والوں
اور اُس سے چاہے جانے والوں کے لیے معذرت
کے ساتھ اطلاع کہ اُس کا سچا عشق — صرف
شاعری ہے۔

ط کے گشتہ نشد از قبیلہ مانیت

شالہ شاعر

ردائے خواب

”نگارِ وقت اب اسے ہوسے کیا چمن کریں؟
یہ دستِ جاں کہ ہاں پتار ہاں سراپا اڑھ کر
لبوں کے حرفِ نزم کی تپش سے مت جگا اسے
یہ دل تو کب کا سوچا ”ردائے خواب“ اڑھ کر

محسن نقوی

لاہور ۱۲ ستمبر ۱۹۸۵ء

مجھے کسی سے محبت نہیں کسی کے سوا
میں ہر کسی سے محبت کروں کسی کے لیے



۱۷

میں (اور ۵-۱)

اُس نے جس راہ کو لہو بننا
میں بھی اُس راہ کا مسافر تھا
وہ سہرا میں سہرہ مقتل
وہ پیمبر تھا اور میں شاعر تھا





۱۸

بجیسے !

اب کے تُو اس طرح سے یاد آیا
جس طرح دشت میں گھنے سائے
جیسے دُھندلے سے آئینے کے نقوش
جیسے صدیوں کی بات یاد آئے





بعض اوقات !

موسمِ غم بے مہرباں اب کے
ہم پہ تنہائیوں کا سایا ہے
بعض اوقات رات یوں گزری،
تو بھی کم کم ہی یاد آیا ہے





۲۰

عظمتِ آدم - !

عشق، منزل کے رخ کا غازہ ہے
عقل، رستے کو صاف کرتی ہے۔
زندگی پر جو لوگ چھا جائیں،
موت اُن کا طواف کرتی ہے





۲۱

احساس

کیا بتاؤں کہ رُوٹھ کر تجھ سے
آج تک تجربوں میں کھویا ہوں،
تو مجھے بھول کر بھی خوش ہوگا
میں تجھے یاد کر کے رویا ہوں،





۲۲

قریب

نیں سجاتا ہوں پیاس ہونٹوں پر
تم گھٹا بن کے دل پہ چھا جاؤ!
اے رگ جان میں گو بنجنے والو!!
اور بھی کچھ قریب آ جاؤ!!!





غیرتِ جاں !

ہم نے سچ بولنے کی جرأت کی
تیرے بارے میں اور کیا کہتے
غیرتِ جاں کی بات تھی ورنہ،
ہم ترے سامنے بھی چُپ ہتے





۲۴

یادش بخیر!

جو کبھی زندگی کا محور تھے!

کاش اب بھی وہ دوست کہلاتے

جو بھلائے نہ جا رہے تھے کبھی!

اب وہی یاد بھی نہیں آتے





۲۵

عذاب

جب ہو س چار سو بکھر جائے
آدمی امن کو ترستا ہے
جب زمین تیرگی سے اٹ جائے
آسماں سے لہو برستا ہے





۲۶

مہم و تاجریں!۔

جی میں آئی تو بیچ کر شیشے!

شعلہ جام جم خریدیں گے

ہم وہ تاجریں جو سرِ محفل

تہمتے دے کے غم خریدیں گے





اِختلاف

تُو وہ کج بین کہ تجھ کو منزل پر ،
رہگذاروں کے بل دکھائی دیں ،
میں وہ خوش فہم ہوں کہ مجھ کو سدا
آبے بھی کنول دکھائی دیں !





۲۸

ۛ-!

صرف ہر جانی پن کی بات نہیں
اب ہمیں لوگ کیا نہیں کہتے!
اس قدر ظلم سہہ کے بھی اس دوست
ہم تجھے بے وفا نہیں کہتے





حَیَس

غم کو زلفوں کا بل نہیں کہتا،
زخمِ جان کو کنول نہیں کہتا
وہ جو اک پل کو روٹھ جاتا ہے
مدتوں میں غزل نہیں کہتا





۳

تلبیہ

سُن لو جہان بھر کی جگر دار گردشو !
کہہ دو ہو اے دہر کی رفتار ٹوک کر ،
میں سو رہا ہوں زیرِ زمیں اُس کی تاک میں
گزرے ادھر سے میرا عدو سانس روک کر





۳۱

کتھارِس

چند لمحے جو غم کو ہال آئے
کتنے خوش بخت و خوش خیال آئے
رگ یوں مطمئن سے ہیں جیسے
آسمان پر کند ڈال آئے





۳۲

سہاگن

خواہشوں کی جوان دیوی ہے
وحشیوں کے نگر کی ناگن ہے
بانجھ دھرتی کی ہچکیوں پہ نہ جا
زندگی تو سدا سہاگن ہے





۳۳

ضرورت

فکر کی ہر گنگ شعوری ہے
عقل کی ہر ادا ادھوری ہے
دل کی دنیا سنوارنے کے لئے
”عشق کرنا بہت ضروری ہے“





۳۲

”قَضَا“

بیرتیں بے قیاس ہوتی ہیں،
صورتیں، غم شناس ہوتی ہیں،
جن کے ہونٹوں پہ مُسکراہٹ ہو
اُن کی آنکھیں اُداس ہوتی ہیں۔



بازگشت

سکوتِ شامِ غریبان میں سُن سکو تو سُنو!
کہ مقتولوں سے ابھی تک صدائیں آتی ہیں،
لوہے جن کو منور کرے دماغِ بشر
ہوئیں ایسے چراغوں سے خوف کھاتی ہیں





۳۶

یا کہیں ؟

جو مری یادوں سے زندہ تھا کبھی

مذقوں سے اُس کا خط آیا نہیں،

میں مگر کہتا ہوں اپنے آپ کے

وہ بہت مصروف ہوگا۔ یا کہیں؟





۳۷

سلامی

بستارے چومتے ہیں گردِ پا کو
خراجِ خود کلامی لے رہی ہے
وہ رستے میں کھڑی ہے یوں کہ جیسے
دو عالم کی سلامی لے رہی ہے

✽



۳۶

یا کہیں ؟

جو مری یادوں سے زندہ تھا کبھی

مدتوں سے اُس کا خط آیا نہیں،

میں مگر کہتا ہوں اپنے آپ سے

وہ بہت مصروف ہوگا۔ یا کہیں...؟





۳۷

سلامی

بستارے چومتے ہیں گردِ پا کو
خراجِ خودِ کلامی لے رہی ہے،
وہ رستے میں کھڑی ہے یوں کہ جیسے
دو عالم کی سلامی لے رہی ہے





۳۸

تلاشِ امن

غم کے غبار میں ہیں ستارے اُٹے ہوئے
خواہش کی کرچیوں میں ہیں چہرے بٹے ہوئے
اب کیا تلاشِ امن میں نکلیں کہ ہر طرف
مدت سے فاختاؤں کے ہیں پرکے ہوئے





نصیحت

جوانی کے کٹھن رستوں پہ ہر سو
فریب آرزو کھانا پڑے گا!
بچھڑ جاؤ، مگر یہ سوچ لینا
تمہیں اک روز پچھتانا پڑے گا۔





۴۰

عادی !

دفن ہیں مجھ میں شورشیں کہتی
دل کی صورت خموشِ وادی ہوں !
شوق سے ترکِ دوستی کر لے !
نہیں تری نفرتوں کا عادی ہوں





۴۱

چاکِ داماں!

اک فسانہ ہے زندگی لیکن،
کتنے عنوان ہیں اس فسانے کے
چاکِ داماں کی خیر ہو یا رب!
ہاتھ گستاخ ہیں زمانے کے





۴۲

ماہی رُت

ماہی رُت کا راج ہے نہر سو
پھول مَر جبا گئے ہیں سہروں کے
اک ترے غم کی روشنی کے ہوا
بُجھ گئے سب چراغ چہروں کے





۴۳

دیرانی

شہر کے سب لوگ ٹھہرے اجنبی
زندگی تو کب مجھے راس آئے گی
اب تو صحرا میں بھی جی لگتا نہیں
دل کی دیرانی کہاں لے جائیگی؟





۴۴

سچ تو یہ ہے !

سب فسانے میں دنیا داری کے

کس نے کس کا سکون ٹوٹا ہے !

سچ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں

میں بھی جھوٹا ہوں تو بھی جھوٹا ہے !





۲۵

ماقم

اُڑ گیا رنگ رگزاروں کا
قافلہ بجھ گیا چناروں کا
اُڑھ کر زرد موسموں کی ردا،
آؤ ماتم کریں بہاروں کا،



۹۷۷۷۹



۴۶

قسط

بھنور نے کاٹ دیئے سلسلے کناروں کے
خزاں نے رنگ چڑا ہی لئے بہاروں کے
عجیب قحط پڑا ہے کہ پیٹ بھرنے کو
میں راز بیچتا پھرتا ہوں اپنے یاروں کے





۲۷

اُفتی کا پہرہ !

کہاں ہے ارض و سما کا خالق کہ چاہتوں کی رگیں کُریے؛
ہو بس کی سُرخ رُخ بشر کا حسین غازہ بنی ہوئی ہے
کوئی میسحا ادھر بھی دیکھے، کوئی تو چارہ گری کو اترے
اُفتی کا چہرہ لو میں تر ہے، زمین جنازہ بنی ہوئی ہے





تشنگی

وہ کہ جلتی رُتوں کا بادل تھا،
کیا خبر کب برس گیا ہوگا؟
لیکن اندر کی آگ میں جل کر
اُس کا چہرہ جھلس گیا ہوگا





۴۹

خیانہ

ہمارے دل نے بھی محفل سجائی ہے کیا کیا!
حیات ہم پہ مگر مُسکرائی ہے کیا کیا!
ہوائے گردشِ دوران کے ایک جھونکے
تمہاری یاد کی نو تھر تھرائی ہے کیا کیا!





۵.

انفلی

کیا جانے کب سے دھوپ میں بیٹھی تھی سانولی؟
اُبھری ہوئی انا کی شکن سی جبین پر!
دیکھا فضا میں اڑتے پرندوں کو ایک باز
پھر کھینچنے لگی وہ لکیریں زمین پر



انفلی



۵۱

قرض

اپنے ہمسائے کے چراغوں سے
بام و در کو سنوار لیتا ہوں،
اتنا مفلس کیا اندھیروں نے
روشنی تک ادھار لیتا ہوں





۵۲

آورم !

بارہا خود سے ہر داستان کہہ گئے

لفظ آسوسوئے، آنکھ سے بہہ گئے

لوگ جان سے گذرتے رہے اور ہم

خودکشی کے لئے سوچتے رہ گئے





جہیز

اُس کو تھے اس بھگتی پلوں کے ذائقے،
دریا رواں تھے اُس کے دل حشر خیز میں
کرتی تھی بے دریغ انہیں خرچ کس لئے
لائی تھی اپنے ساتھ وہ آنسو جہیز میں:





۵۲

قرینہ
درد کے چاند کی کرنوں میں نہایا ہوں کیڑوں
میرے ماتھے پہ محبت کا پسینہ آئے
اس لئے ٹوٹ کے رویا ہوں میں اکثر محسن
مجھ کو دل کھول کر ہنسنے کا قرینہ آئے





خارج

آنکھوں میں بھر کے سادہ محبت کی ڈوریاں،
منٹھی میں بند کر کے دل و جان کی پوریاں
دھرتی کو لٹتی ہیں تبسم کی اوٹ سے
چالاک کس قدر ہیں یہ گاؤں کی گوریاں





۵۶

خود بھی.....!

خود بھی اُترا ہے آسمانوں سے
مجھ کو لپستی میں ڈالنے کے لئے
خود بھی بدنام ہو گیا کوئی!۔
مجھ پہ تہمت اُچھالنے کے لئے



۵۷

وصل

دُور تک وادیاں میں پھولوں کی،
میری آنکھوں میں عکس تیرا ہے
چاند گھٹنے لگا ہے پانی میں
ہر طرف سائنولا سویرا ہے،





۵۸

”بُزْدِلُ“

یوں تو محفل میں جانِ محفل تھا،
دگدگ میں چراغِ منزل تھا
دل کی باتیں نہ کہہ سکا تجھ سے
تیرا شاعر غضب کا بُزْدِل تھا





وارث

اے زمین کے عظیم انسانو!
بھید پاؤ کبھی اُڑانوں کا !!
تُم تو دھرتی سنوار لو گے مگر
کون وارث ہے آسمانوں کا





۶۰

پیشین گوئی

گر نہی جنس ہے تو دھرتی پر
تشنہ لب لوگ دھوپ چائیں گے
گر یہی قحط ہے تو دہقان بھی!
پیا س بوئیں گے، بھوک کاٹیں گے





خواب

درد یوں بے حساب لگتا ہے،
سُکھانا عذاب لگتا ہے،
جس میں اُڑتے تھے قمقے اپنے
اب وہ ماحول خواب لگتا ہے،



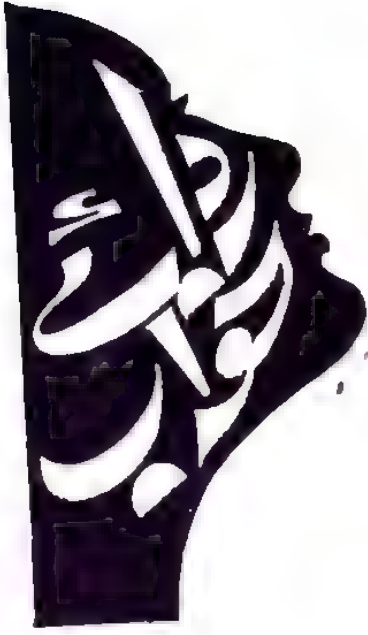


۶۲

مصلحت

ہاتھوں میں دوستی کی لکیریں سجاکے مل
آنکھوں میں احتیاط کی شمعیں جلاکے مل
دل میں کدورتیں ہیں تو ہوتی رہیں۔ مگر
بازار میں ملا ہے۔ ذرا مسکرا کے مل





۶۳

سُورَةُ

زندگانی کی کج ادائی پر
تبصرے سب فضول ہوتے ہیں
اپنی اپنی بساط ہے سب کی
اپنے اپنے اصول ہوتے ہیں

ۛ



۶۲

”اختیار“

ہم قبضہ سجا کے ہونٹوں پر
غم، بقدر مزاج لیتے ہیں!
بھیہ ہنستے دینے مزاروں کے
آمدنیوں سے خراج لیتے ہیں





۶۵

معاذ

شُعدِ گُل سے چمن جلتا ہے
شہر کے شور سے بن جلتا ہے
اب گھٹا دل کو گھٹا دیتی ہے
ابر تن بجائے تو تن جلتا ہے





۶۶

اعتقاد

بجھتی نبضیں اُجھارتے رہنا

دل کا عالم نبھارتے رہنا

اک نظر دیکھ لو زمانے کو

پھر یہ زلفیں سنوارتے رہنا





۶۷

پھوری پھوری

چند کپڑے ہیں سادہ گٹھڑی میں
چند زیور چھپا کے لائی ہے
ایک پہلی پیاسے ملنے کو
ہیر کے مقبرے میں آئی ہے





۶۸

گدا

کون روتا ہے تمہارے ہجر میں؟
دُوبتے دل کی صدا سے پوچھنا
کون پھرتا ہے گلی میں رات بھر؟
دستکیں دیتی ہوا سے پوچھنا





کمر

وہ تشبیہیں پن کر آرہی ہے
حقیقت برِ محسوس کہنا پڑے گی
بخراج اب اور کیا دینا ہے اس کو
مجھے تازہ "غزل" کہنا پڑے گی!





۷۰

اُداسی !

دُقبِ خُوف و ہراس لگتا ہے

دل ، مصائبِ شناس لگتا ہے

تُو جو اوجھل ہوا نگاہوں سے

شہر سارا اُداس لگتا ہے ،





<۱

لفظ

ان کو دل میں سنبھال کر رکھو!
ان کو سوچو بہت قرینوں سے
چند آنسوؤں سے ٹوٹ جاتے ہیں
لفظ نازک ہیں آگینوں سے





۷۲

طغیٰ

سنولا گئے ہیں رنگ رُخ ماہتاب کے
مرحبا گئے کلائی میں گجرے گلاب کے
اب کے برس بھی تُو جو نہ آیا تو دیکھنا
مُجھ کو تو مار ڈالیں کے طغیٰ چناب کے





۷۳

آدمیت !

تُم، کہ عہدوں پہ جان دیتے ہو،
ہم پہ بھی اعتبار کر دیکھو،
آدمیت بھی ایک منصب ہے،
آدمی سے بھی پیار کر دیکھو۔





۷۴

ان دلوں

آنکھوں میں آنسوؤں کی جٹا سی ہے ان دلوں
دل کو بھی شوقِ درد شناسی ہے ان دلوں
گر ہو سکے تو آ کہ مری جان ترے بغیر!
ماحول میں شہید اُداسی ہے ان دلوں





۷۵

لَوَّصِیْرُج Love Marriage-

شجرہ کو تو بل گیا ترا دلدار جان نواز!
پھر کیوں ترا وجود رہیں بہر اس ہے
پھر شرمسار کیوں ہے یہ جوڑا نہاگ کا
پھر کس لئے یہ سُرخ دوپٹہ ادا ہے





۷۶

ایک خط

زُرم کر دیتی ہیں دل کو دُوریاں
نَفرتیں بھی کھیلتی ہیں پیار سے
اجنبی بن کر جو ملتا تھا کبھی
اُس کا خط آیا سمندر پارے





۷۷

دُنیا

یہ بستمگہ یہ دلنشیں دُنیا
سب کو لگتی ہے مہ جبین دُنیا
میری آنکھیں غریب ہیں دُور
اِس قدر قیمتی نہیں دُنیا۔!!





۷۸

نعل ہش

اب کے ہر سو وہ ادا سی ہے کہ دل کہتا ہے

کوئی بھٹکا ہوا زہر وہی سفر میں اترے

کوئی روٹھا ہوا جگنو ہی بلائے مجھ کو!

کوئی ٹوٹا ہوا تارہ میرے گھر میں اترے





۷۹

محترف

ترے خیال سے دامن بچا کے دیکھا ہے
دل و نظر کو بہت آزما کے دیکھا ہے
نشاطِ جان کی قسم، تو نہیں تو کچھ بھی نہیں
بہت دنوں تجھے ہم نے بھلا کے دیکھا ہے





۸۰

جیسے پانی میں.....!

دل ، ترے انتظار میں اکثر

تیری آہٹ سے ڈرنے لگتا ہے

جیسے پانی میں پھول کاغذ کا

تیرے ہی بکھرنے لگتا ہے





۸۱

۰۹ | اگر ... !

تیرگی رُوح پر مسلط ہوا
چاندنی اشکبار ہو جائے
روپڑے یہ بہار کا موسم!
وہ اگر سوگوار ہو جائے!





۸۲

دستکیں !

دستکیں جس کے در پہ دیتا ہوں
یوں بھی وہ مجھ کو ڈال دیتا ہے !
اپنے دامن کی نفرتیں چُن کر ،
میری جھولی میں ڈال دیتا ہے





کون آشنا؟

کوئی مکاں نہ کوئی مکیں، کون آشنا؟
ہم اپنے شہر میں بھی مُسافر ہی رہ گئے
یا سُرخ آنکھوں کی نظر کھا گئی انہیں
یا اب کی بارشوں میں گھر وندے ہی نہ گئے





۸۴

روحی کے لوگ !

ہینے میں درد، لب پہ تہمت کے ذائقے
دنیا کی گردنوں سے سدا بے نیاز ہیں
ٹھختے ہوئے دلوں پہ چھڑکتے ہیں روشنی
روحی کے لوگ کہتے مسافر نوازیں





قصیدہ

کہیں دھرتی نہاتی ہے لہو دریا کی موجوں میں،
کہیں بارود کی بارش ہے انسانی ریاست پر
بتارے اٹک بن کر بٹ گئے معصوم بچوں میں،
فرشتے ہنس رہے ہیں ابنِ آدم کی ریاست پر



۸۶

قیامت !

موت تاریک وادیوں کا سفر
زندگی نور کی علامت ہے
حشر برحق سہی مگر محسن
سانس لینا بھی اک قیامت ہے

✽



دوستی.....!

اب یہی مصلحت مناسب ہے
اب اسی طور زندگی کر لیں،
میں بھی یاروں کا زخم خوردہ ہوں
دشمنو، آؤ دوستی کر لیں،





۸۸

دل کو بچھنا تھا.....!

تیرگی کے اداس چہرے پر

رات بھر ایک داغ کیا جلتا؟

دل کو بچھنا تھا، بچھ گیا اس خیر

آندھیوں میں چسراغ کیا جلتا؟





ترخیب

غم کے سہوگ اچھے لگتے ہیں
مستقل روگ اچھے لگتے ہیں
کوئی وعدہ وفا نہ کر، کہ مجھے
بے وفا لوگ اچھے لگتے ہیں





۹۰

اُس سے کہہ دو..... !

اُس کے ہونٹوں پہ خموشی کے شرارے بھر دو!

جس نے سیکھا نہ ہوشیہ کو بھی پتھر کہنا

اُس سے کہہ دو کہ وہ آنکھوں میں سیاہی بھر لے!

جس کو آتا نہ ہو صحرایہ کو سمندر کہنا،





۹۱

مُسکرا بھی دے.....!

اُس کے چہرے پہ گردِ محرومی -!
اُس کی آنکھوں کے شہرِ ویراں ہیں ،
مُسکرا بھی دے اے غمِ دوراں -!
اُس کی زلفیں بہت پریشاں ہیں





۹۲

”ع“

عمر گزری عذاب جان بہتے
دھوپ میں زیرِ آسمان رہتے
ہم ہیں سنسان راستوں کے شجر
جو کسی کو بھی کچھ نہیں کہتے





مَلاک

تُجھ کو یہ دہم ہے کہ کیوں مُجھ کو
تیری رعنائیوں سے پیار نہیں
میں یہی سوچ کر ہوں چُپ کہ ابھی
میرے حالات سازگار نہیں!"





۹۴

بے خیالی میں.....!

یوں بھی ہے اب کہ سوچ کر تشجہ کو
دل ترے درد میں پگھل جائے
بے خیالی میں آگ کو چھو کر
جیسے بچے کا ہاتھ جل جائے

❦



۹۵

اور کتنی ... !

ساعتِ حشر کی اذیت تک

اور کتنی اذیتیں ہوں گی ،

اُس قیامت سے پیشتر یا رب !

اور کتنی قیامتیں ہوں گی !





۹۶

عین

سُخن ، میزان میں تولو نہ تولو !
مگر نزدیک آکر بھید رکھو لو !!
کہیں خوشبو نہ سُن لے بات کوئی ،
مری جان ، اور بھی آہستہ بولو





۹۷

شاید

درو، دل کی اسس ہو شاید

غم، جوانی کو اسس ہو شاید

کہہ رہی ہے فصا کی خاموشی

ان دنوں تم اُداس ہو شاید





۹۸

ایک فلسطینی بچے کی سالگرہ

اب کہاں وہ گیت گاتی محسبیں؟

اب کہاں عود و عبیر و آبنوس؟

چند شمعوں کی بجائے میز پر

رکھ دیئے ہیں ماں نے خالی کارٹونس





احساس

مُجھ سے مت پوچھو کہ احساس کی جدت کیا ہے؟
دھوپ ایسی تھی کہ سائے کو بھی جلتے دیکھا
شدتِ غم میں مرے دیدہ تر نے محسن
پتھردوں کو بھی کئی بار پگھلتے دیکھا





۱۰۰

روایت

کیا ہوئے وہ دن وہ زمیں کیا ہوئیں؟
کھیلتے تھے جب غمِ دوراں سے لوگ
بانٹے پھرتے تھے ہر سو زندگی
کچھ سخی کچھ بے سرو سامان سے لوگ





۱۰۱

قَداح

تسخیر کر رہا ہوں زمانے کی گردشیں
غم کو بکھار رہا ہوں مناجاتِ عید کی
گم ٹم ہے کائنات، ستارے ہیں دم بخود
دل کو سنار رہا ہوں میں کافی فریدی کی





۱۰۲

”ہیر“

جب بھی سادون کی شوخ راتوں میں
کوئی وارث کی ہیر گاتا ہے؛
سوچتا ہوں کہ اُس گھڑی مجھ کو
کیوں تراشہر یاد آتا ہے





۱۰۳

آج بھی جاؤ !!

تُم کچھ ایسے بچھڑ گئے مجھ سے
غم کے سائے ڈھلے نہیں ڈھلتے
آج بھی جاؤ کہ اب منڈیروں پر
مَدّتوں سے دیے نہیں جلتے !!





۱۰۴

تکلف

یوں بھی ہم دُور دُور رہتے تھے
یوں بھی بسینوں میں اک کُدورت تھی
تم نے رسماً بھُلا دیا ورنہ !
اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟



۱۰۵

تلاش

چومتی تھیں جس کے پاؤں منزلیں
قافلہ وہ کن بیابانوں میں ہے؟
جس کی جدت سے پگھلتے تھے پہاڑ
وہ لہو کن گرم شریانوں میں ہے؟





۱۰۶

اس طرح

اس طرح دل کے زرد آئینگی میں
تیری یادوں کے داغ جلتے ہیں
بخیلے آندھی میں ٹوٹی قبروں پر
سنے سنے چسراغ جلتے ہیں





۱۰۷

”جوگی“

غم، وہ سفاک سم کا قطرہ ہے
جو رگوں میں اتر کے بس جائے،
”زندگی“ وہ اُداس جوگن ہے
جس کو سادوں میں سانپ ڈس جائے





۱۰۸

کیا کہیے !

ہر طرف جبر ہو تو کیا کیجے،
ہر طرف ظلم ہو تو کیا کیجے،
کتے احباب کا گلہ کیجے،
کتے اعدا کو مرجھا کیجے،
❦

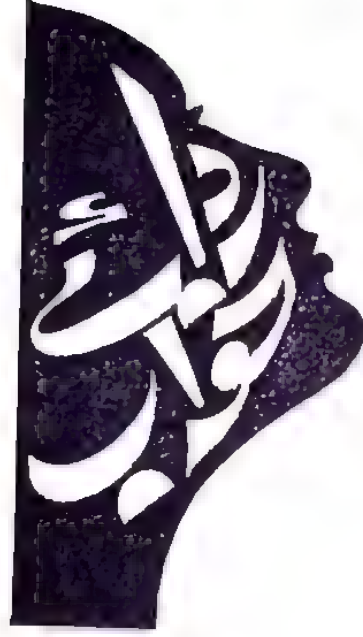


۱۰۹

کون پھر !

کس کی شب بے ملال کنتی ہے؟
کس کا دن چین سے گذرتا ہے؟
ہل گئے ہو تو مسکرا کے بلو!
کون پھر کس کو یاد کرتا ہے؟





۱۱۰

ملاقات

شفق ہونٹوں میں سُرخ اپیل دبائے
دو گوری اس طرح شرمنازی ہے
ضمیر دجہاں میں زلزلے ہیں
مجھے تازہ غزل یاد آ رہی ہے





سوالی

یا مقتول کا رزق ہوئی آبروئے جان
یا گردشوں کی نذر ہوئے سرفراز لوگ
اب کیوں مسافروں کے ٹھکانے ہیں ٹھوپی میں
اب کیا ہوئے وہ شہر کے مہمان نواز لوگ؟



۱۱۲

یوں تری یاد.....!

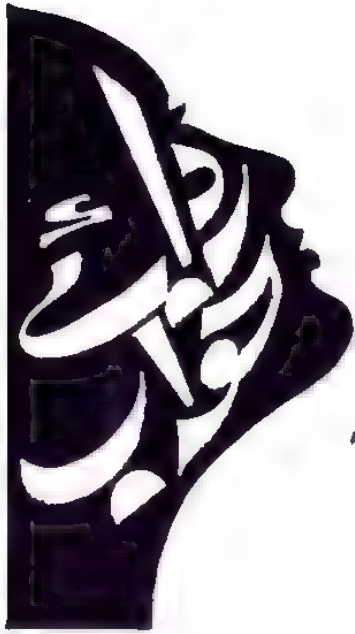
یوں تری یاد، دل میں اُتری ہے

جیسے جگنو ہوا میں کھو جائے

جیسے روہی کے سردیلیوں میں

اک مُفسر کو رات ہو جائے





۱۱۳

غَم کی زِوَصِیں !!

۱
غَم کی زد میں اگر بگڑ جائیں،

پھر کہاں قسمتیں سنورتی ہیں؟

ذکرِ تجدیدِ دوستی نہ کرو!!

اب یہ باتیں گراں گزرتی ہیں،





۱۱۴

اوس

کہیں سورج سے ذرے کی ٹھنی ہے

کہیں بتلی سے بھنورا اڑ گیا ہے

پڑی ہے اوس رشتوں پر کچھ ایسی

لو کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے





سو جاؤ !

آنکھوں میں گھول کر نئے موسم کے ذائقے،
باہوں میں روشنی کے سمندر کو گھیر کر،
خوابوں کی سرزمین پر خیالوں سے بے نیاز
سو جاؤ اپنی ریشمی زلفیں بکھیر کر





۱۱۶

سچ

تُجھ کو سوچوں تو ایسے لگتا ہے
جیسے خوشبو سے رنگ ملتے ہیں
جیسے صحرا میں آگ جلتی ہے!
جیسے بارش میں پھول کھلتے ہیں!





۱۱۷

تپش

پُجھتے ہوئے وہ لفظ وہ جلتے ہوئے حروف
شہِ رگ میں اب بھی ہیں وہ کانٹے اڑے ہوئے
اک بار نیچ کہا تھا مگر اُس کی آگ سے
اب تک مری زبان پہ ہیں چھالے پڑے ہوئے





۱۱۸

یَعَا

باتِ بنتی زبے خُوءے دلداری کی،
رات چمکی رہے حُسنِ بازار کی،
دشت کی چاندنی میں نہاتی رہیں
شہر کی سستیاں، سوہنیاں پیار کی،

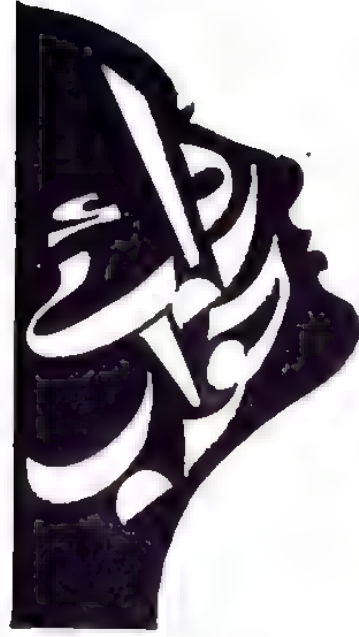




چاندنی

پلکوں پہ آنسوؤں کو سبجاتی ہے رات بھر
دل میں زواں ہے رُوح کے اندر ہے چاندنی
ابھر ہے کون اس کے تلاطم میں ڈوب کر؟
آوارگی کا ایک سمندر ہے چاندنی





۱۲۰

مذراہٹ

درد کی دھوپ سے بھرے بن میں
اپنے سائے سے ڈر کے پھپھتایا!
اے مرا نام بھولنے والے۔!
میں تجھے یاد کر کے پھپھتایا۔!



—

مَحْسِنٌ تَقْوَى





تمام کتب بغیر کسی مالی فائدے کے پی ڈی ایف میں
تبدیل کی جاتی ہیں۔
کتابی مواد کی ذمہ داری مصنف پر ہے۔

سید حسین الحسن۔
ایڈمنسٹریٹو فیس بک گروپ

03448183736
03145951212



فہرست

☆ احتساب
☆ تمام کج کی صداہ

غزلیں، نظمیں۔

- 1- اے مرے کبریا
- 2- کہاں تھا ان کا غضب آشکارا پیرہ؟
- 3- اب کے یوں بھی جری زلفوں کی حسن ٹوٹی ہے
- 4- کب تک شب کے اندھیرے میں حرکت کرتے
- 5- پتھری سکی راہ میں مائل تو رہوں گا
- 6- جڑے بدن سے جو چھو کر ادھر بھی آتا ہے
- 7- وہ کامیاب یہ نیر اختیار کرنا ہے
- 8- یہ کہہ گئے ہیں مسافر لئے کمروں والے
- 9- شہرِ درد
- 10- آج سحائی نے تمہارا ساتھ سے جدا
- 11- بادلِ برسیں
- 12- اب یہ سوچوں تو بہنورِ زمیں میں پڑ جاتے ہیں
- 13- فدا کا جس ٹکڑوں کو پاس کیا دے گا؟

- 14- دل ہوا جب سے شرمسار نکلت
- 15- سکھا مجھ کو لئے لوگوں کا ماتم
- 16- ظلم سہہ کر بھی سمجھتا ہوں کہ تُو میرا ہے
- 17- غزلوں کی دھنک اوڑھ مرے شعلہ بدن تُو
- 18- خدشہ
- 19- خلوت میں گھلا ہم پہ کہ بے باک تھی وہ بھی
- 20- کل رات بزم میں جو ملا گلبدن سا تھا
- 21- مانگے ہے مجھ سے دل تری ساری نشانیاں
- 22- جب بھی بننے کے زمانے آئے
- 23- شام غم جب بکھر گئی ہوگی
- 24- اپنے دُکھتے دل سے کھدو!
- 25- اُداس رُت انتظار موسم
- 26- بھول جاؤ مجھے.....!
- 27- متاعِ شام سفرِ بستیوں میں چھوڑ آئے
- 28- اُڑان کی کوئی صورت نظر میں خاک نہیں
- 29- دریا بھل رہا ہے اگر انتقام کو
- 30- اب یہ معیار سفر لگتا ہے
- 31- ہجر کی صبح کے سورج کی اُداسی مت پوچھ
- 32- اُجاڑ بستی کے باسیو ایک دوسرے سے پرے نہ رہنا
- 33- بری گلی کے غلیظ پتھر
- 34- جانتے تو ہم بھی تھے
- 35- اُب کے بارش میں تو یہ کاریزیاں ہونا ہی تھا
- 36- ٹھن تہائیوں سے کون کھیل اکیلا
- 37- مرے کفن کی سیاہی دلیل ہے اس کی
- 38- وہ اجنبی اجنبی سے چہرے وہ خواب خیمے رُداں رُداں سے

- 39- باتیں تری اِلہام ہیں جاؤ تری آواز
- 40- چاہئے دُنیا سے ہٹ کر سوچنا
- 41- ہجوم میں تھا وہ گھل کر نہ رو سکا ہوگا
- 42- اَب تو خواہش ہے کی یہ زخم بھی کھا کر دیکھیں
- 43- کوئی نئی چوٹ بھر سے کھاؤ اُداس لوگو
- 44- ایک نئے لفظ کی تخلیق
- 45- اے شب ہجر یا راں
- 46- زخموں سے گوشہء دل ویراں سجالیا
- 47- چاہت کا رنگ تھا نہ وفا کی لکیر تھی
- 48- پھر وہی میں ہوں وہی شہر بد رستا نا
- 49- وہ دن کہاں کہ اب کوئی محفل سجائیے
- 50- انکار کیا کرے گی ہو امیرے سامنے
- 51- مل گیا تھا تو اُسے خود سے خوار کھنا تھا
- 52- کب تلک اپنی دُہائی دے گا
- 53- کنجِ قفس میں پیار کی پھلی سا لگرہ
- 54- دلوں میں اُٹھتے ہوئے دروے بے کنار کی خیر
- 55- چھڑے ہوئے یاروں کی صدا کیوں نہیں آتی
- 56- دُر قفس سے پُرے جب صبا گزرتی ہے
- 57- جن پرستم تمام قفس کی فضا کے تھے
- 58- بنام طاقت کوئی اشارہ نہیں چلے گا
- 59- کچھ اس ادا سے میرے یار سرکشید ہوئے
- 60- گرم سفر عذو کا قبیلہ دکھائی دے
- 61- میں جاں بہ لب تھا پھر بھی اُصولوں پہ اُڑ گیا
- 62- میرا لوح انہی گلیوں کی ہوا لکھے گی
- 63- چاندنی سوچ صدا راہ گزرا آوارہ

- 64- کب تلک یہ عذاب دیکھوں میں
- 65- ہجر کی شب کا نشان مانتے ہیں
- 66- محبتوں پہ بہت اعتماد کیا کرنا
- 67- یہ جینا کیا ہے رسم جاں کنی ہے
- 68- میں سوچتا ہوں
- 69- تُو میرا نام نہ چھا کر.....!
- 70- آئینہ تو اُجلائے!
- 71- کبھی جو عہد وفا میری جاں ترے مرے درمیاں ٹوٹے
- 72- تمام شب یونہی دیکھیں گی سُوئے در آنکھیں
- 73- مرے سوا ہر مقتل مقام کس کا ہے
- 74- چوٹ گہری لگی زخم آئے بہت
- 75- خود اپنے دل میں خراشیں اُتارنا ہوں گی
- 76- مجھے اُس سے محبت تھی.....!
- 77- ڈھلے گی وحشی جدائیوں کی یہ رات آخر
- 78- خالق میری خاطر یہ قر بانی دے
- 79- اگرچہ میں اک چٹان سا آدمی رہا ہوں
- 80- غم مُم سی رہنڈر تھی کنارہ ندی کا تھا
- 81- ہمارے ڈوبنے والوں کو کون روتا ہے؟
- 82- میں نے اکثر خواب میں دیکھا.....!
- 83- اب کیا علاج زخمِ دل زار سوچتا؟
- 84- کب تک تُو اونچی آواز میں بولے گا
- 85- ازل سے دستِ مُریدہ اٹھانے پھر تائوں
- 86- وہ دن کتنے اچھے تھے
- 87- سانس لیتا ہوں آگہی کے لئے
- 88- پل بھر کوئل کے اجرِ شناسائی دے گیا

- 89۔ زندگی بے قرار بھی تو نہیں
- 90۔ اک پگلی مرانا م جوئے شرمائے بھی گھبرائے بھی
- 91۔ اے چارہ گراہمنِ دو عالم ٹوکھاں ہے؟
- 92۔ وہ ماہتاب جو ڈوبا ہوا املاں میں تھا
- 93۔ بظاہر لوگ کتنے مہرباں تھے
- 94۔ زباں رکھتا ہوں لیکن پُچپ کھڑا ہوں
- 95۔ چہرے پڑھتا آنکھیں لکھتا رہتا ہوں
- 96۔ حسین لگتا تھا ہم نے جن دنوں میں اُس کو دیکھا تھا
- 97۔ اِس حبسِ بے غل کی ادا پر نہ جائیو
- 98۔ محبتوں میں اذیت شناس کتنی تھیں
- 99۔ یہ سال بھی اُداس رہا زوٹھ کر گیا
- 100۔ اِس سے پھلے کہ ہم.....!

انتساب

مہفلِ شامِ غریباں کے چراغوں کا دھواں!
مہفلِ عشق و جلوسِ غمِ ایام کے نام !

شورشِ عینِ قفس، نذرِ شہیدانِ وفا
صبحِ اعزاز کی ساعت، شبِ الزام کے نام

موسمِ دید، جریِ جہشِ اُبرو پہ بنار
سجدہء اہلِ وفا، تیرے در و بام کے نام،

میری پلکوں پہ سلگتی ہوئی صدیوں کے نجوم
تیری زلفوں سے مہکتی ہوئی اک شام کے نام،

میرے نبھتے ہوئے ہونٹوں پہ عزل کی خواہش
تیری آنکھوں پہ اُترتے ہوئے الہام کے نام

نا تمام سچ کی دستاویز

جس دور کا ادب اپنے گرد و پیش میں بکھری ہوئی زندگی اور اُس کی جراثیموں سے بے خبر اور اپنے عصری تقاضوں سے بے نیازی کا گنہگار ہو وہ اتنی دیر تک سانس لے سکتا ہے جتنی دیر کچے رنگوں سے بنی ہوئی کوئی تصویر مسلسل بارش میں اپنی ہیئت برقرار رکھ سکتی ہے۔ یا آوازوں کے شور میں کوئی کسں اور ادھوری لے اپنے ”ہونے“ کا احساس دلائے بغیر ہوا کی موج میں غم ہو کر رہ جاتی ہے۔ کیونکہ ہر دور اپنے ادب کے خد و خال کی شکست و ریخت کا ذمہ دار بھی ہوتا ہے اور اُس کے کردار و عمل کا نگہبان و محتسب بھی، اسی طرح ہر دور کا ادب اپنے عہد کے چہرے پر خفی و غلی خراشوں کا مصوّر بھی ہوتا ہے، چارہ گر بھی۔

جہاں تک فنکار کے معاشرتی حقوق و فرائض اور جبئی محرمات کا تعلق ہے۔ یہ بات سراسر اُس کی تخلیقی صلاحیتوں اور قلبی احساسات پر منحصر ہے۔ کہ وہ اپنے عہد کی وسعتوں میں کتنی دُور تک اور کتنی دیر تک دیکھ سکتا ہے، اس کی سوچ کی گہرائی اور شعور کی پختگی پیش منظر اور پس منظر کی کتنی پرتیں الٹ سکتی اور اپنے عہد کے انسان کے چہرے پر سے کتنی تقابیں اٹھا سکتی ہے؟

زندگی کے صحرا میں اپنے فگار پاؤں کے آبلوں سے مٹھوٹے لہو کے گلاب کھلانے والا یہ تشنّاب زہر اپنے جسم پر ضد یوں کی تھکن اڑھے اور مجروح اعصاب پر مسافروں کی ردالپیٹے تپتے ہوئے دھبے بے کراں کے ذرے شمار کرنے میں مصروف ہے۔ وہ زندگی کا جزو کم نشاں نہیں ٹوڑ زندگی ہے، وہ بگولوں کا ہمسفر اور ہواؤں کا ہم مزاج ہوتے ہوئے بھی اپنے بعد میں آنے والے رہ نور دوں کے لیے راستے تراشتا اور منزلوں کی جستجو میں اشکوں کے چراغ لٹاتا رہتا ہے۔

وہ بظاہر بے اثاثہ مگر باطن متاع حیات کا امین اور توانا روشنیوں کا دیانت دار پیغام بردار ہے۔ وہ صحیح معنوں میں اپنے عہد کے تاریخی شعور کا عکاس اور اپنے دور کی فکری شکستگی کا مرثیہ خواں ہے۔

اس لئے ہم کسی بھی عہد کا کردار اُس کے نمائندہ فنکار کی نظریاتی صداقتوں کی گواہی کے بغیر محققین نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی فنکار کے تخلیقی سفر کا زائچہ اُس کے عہد سے الگ کر کے ترتیب دے سکتے ہیں۔

یہ طے شدہ امر ہے کہ کسی بھی دور کا سچا اور کھرا فنکار اپنی زندگی کے لئے اپنے عہد کی تاریخ سے لفظوں کی سانسیں مستعار نہیں لیتا اور نہ ہی اپنے عصر کے جغرافیائی پیمانوں سے اپنے فنی قد و قامت کا اندازہ لگاتا ہے۔ فنکار اپنی ذات میں کائنات ہے اور کائنات کو اپنی ذات کی تجلیوں سے متور و مستیز کرنا اُس کی فطرت میں شامل ہے۔ وہ مورخ کے قلم سے چپکٹی ہوئی روشنائی میں بھی اپنے اندر کے کرب آمیز سچ کی شعاعیں کھولنے کا متمنی رہتا ہے۔

تاریخ اُس سے تہذیب کا اشارہ لینے کی مقروض ہے اور جغرافیائی حدود و قیود سے ماوراء کر ہر خطہ کے انسان کے سچے جذبوں کی ترجمانی کرنا اُس کا منصب ہے، ذات، رنگ، نسل اور قبیلہ اُس کے نزدیک افراد کی خود تراشیدہ ترجمانی ہیں اور طبقاتی تضاد انسانی عظمت کو گہنا دینے کے عمل کا استعارہ ہے۔

فناکار آدم کی بجائے آدمیت اور ذہن کی بجائے ذہنیت کا قائل ہوتا ہے۔ اُس کا فن کائنات اور ذات کے درمیان مسلسل رابطوں کا ”مشتکہ اعلامیہ“ ہے، جسے وہ اپنی عاقبت گری کا چلہ اور وسیلہ جانتا ہے۔

گروہی تعصبات مذہبی منافرت، نسلی منافقت اور طبقاتی مناقشت نسل انسانی کی اکائی اور بنی آدم کے ذہنی ارتقا کے آئینہ خانے میں دراڑیں ڈال دینے والے عوامل ہیں۔ یہ عوامل

کائنات کی تہذیبی توانائیوں میں خلل انداز تو ہو سکتے ہیں، مگر انسان کی فطری عظمت کو فنا آلود نہیں کر سکتے، کہ انسان کائنات میں کی رفعتوں کا مُصدق، فطرت کی تجلیوں کا سفیر اور فنکار ”انسانیت کے معجزوں کا منظرِ اعظم ہے۔“

اور جب کوئی فنکار عارضی نام و نمود کی خاطر یا ذاتی تشہیر کے لئے چھوٹی چھوٹی گروہی سازشوں میں اپنے آپ کو مٹھا کر لیتا ہے تو مجھے یوں لگتا ہے، جیسے کوئی سمندر خود سے ”رود کوئی“ میں سمٹ کر رہ گیا ہو یا آسمان ”جزیروں“ میں تقسیم ہو گیا ہو۔ اور یہ تقسیم ادب میں کسی ”سانحہ“ سے کم نہیں ہوتی،

فن کار عام انسان کی سوچ سے کہیں زیادہ قد آور شخصیت کا حامل ہوتا ہے، وہ اپنے عہد کی جہالتوں کے خلاف روشنی کی بغاوت کا علم بردار، بے حسی کے مقابل زندگی کی علامت اور سطحی سوچ کے دھندلکوں میں ادراک کی حرارت کا استعارہ ہے، اُسے اپنے منصب اور مرتبے کا احساس ہونا ضروری ہے، ورنہ وہ اپنے ہی اندیشوں کے بس میں الجھ کر دم توڑ دے۔

زندگی سے بھرپور ”فن“ کے تجھرنے ظلمت و نور، نام و نسب، تاریخ و جغرافیہ اور تہذیب و تمدن کی پروا کئے بغیر کسی بھی حساس انسانی ذہن سے ہٹوٹ سکتے ہیں۔

تخلیق شعور کا فیصلہ ہے اور شعور کے فیصلے۔ ذہنی فاصلوں کے محتاج نہیں ہوا کرتے۔ ویران بستیوں کی کچی مٹی کی کنواری باس کو اپنے لہو میں کھپا کر محرومیوں کی طویل رات کے دامن میں جلتے ہوئے کم نفس چراغ کے آخری ہنگی کے سائے میں اپنی بھتیجی آنکھوں کا آخری آنسو کھردرے کاغذ کے سینے میں اٹھیلنے والا فنکار بھی اتنا ہی معتبر اور محترم ہے جتنا قابلِ تعظیم وہ تخلیق کار، جو روشنیوں سے اُٹے شہر کی رنگ و بکھت سے دہکتی مہکتی فضاؤں کی دُھوپ چھاؤں میں جذبہ و احساس کا جلتے رنگ چھیڑ کر ہواؤں کی برہنگی کو لفظوں، لکیروں اور رعنائیوں کی پوشاک عطا کرتا ہے۔

سچ ہر حال میں سچ ہے۔ وہ صدیوں پہلے کے سقراط کی زبان پر ہو یا آج کے محروم نوافکار کے زخمی سینے میں۔ وہ یوں کہ سچ ”زندگی“ ہے اور زندگی کی توانائی پاتال کے گونگے پانیوں اور سینہ گہسار سے بھونٹے منہ زور جھرنوں کے شور کو یکساں طور پر اعتماد سے نوازتی ہے۔ سچائی اور توانائی کے لئے کوہسار کی بلندی اور پاتال کی گہرائی کے درمیان حد امتیاز قائم کرنا تو ہیں صداقت و حرارت ہے۔

ریزہ حرف بھی محرومیوں کی طویل رات میں میری دھکتی آنکھوں سا بھونٹے اشکوں اور سینے میں تیر بن کر ٹوٹتی ہوئی خواہشوں اور جٹھے چیتے جذبوں کے ناتمام سچ کی غیر مکمل ”دستاویز“ ہے۔ ایک ایسی دستاویز جو میرے عہد کے خوابوں، خیالوں، جراحتوں اور جسارتوں کا حلف نامہ بھی ہے اور میرے عصری تقاضوں کا ”اعزاز یہ“ بھی۔

میں جانتا ہوں کہ فن کسی کی میراث نہیں اور یہ بھی مانتا ہوں کہ حرف و آہنگ کی عدالت اور نقد و نظر کی میزان میں فنکار کا نام و نسب نہیں بلکہ اُس کے فنی کردار اور فکری قد و قامت کو بڑھا، پرکھا، تولا اور آزمایا جاتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ”عصری استحصال“ کی مسموم آندھی وقتی طور پر تو کسی ”صاحب فن“ کی ذہنی مشقت اور فکری ریاضت کی شاخ شاداب کو بے ثمر کر سکتی ہے، مگر ادب میں بھی ”حساب کا دن“ معین ہے۔ حساب کا دن جو بے رحم ساعتوں کے اٹل فیصلوں سے عبارت ہے۔ !!

اور بھی یقین میرا اثاثہ فن ہونے کے ساتھ ساتھ مجھے اضطراب سے اطمینان تک کے سفر کی بشارت دیتا ہے۔ اس لئے میں اپنے ہمسفروں کے ساتھ بھٹکتی آنکھوں اور لغزیدہ قدموں کی جھکن کے باوجود مکمل اعتماد سے کسی نئی جہت کا سراغ لگانے کے لئے طویل رات کی تنہائیوں کے ریگزار میں آبلوں کے چراغ جلاتا اور آنسوؤں کے آگینے لٹاتا رہتا ہوں کہ

ناشائے سائی کے اس بے کنار صحرا میں کوئی ایک ریزہء حرف مجھے اپنی ذات کے پہلے کشف سے آشنا کر دے تو بھی میں سمجھوں گا کہ میری مشقت رائیگاں نہیں گئی۔

مجھے اپنے جذبات کی کم نمائی اور تجربوں کے ادھورے پن کا احساس اپنے بارے میں کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہونے سے بچائے رکھتا ہے اور احساس کی یہ جدت میرے فن کی تکمیل اور ارتقا کی صراطِ مستقیم کا وہ پاکداز سفر ہے جس پر چلتے ہوئے کبھی کبھی تو مجھے اپنی سانس تک روکنا پڑتی ہے۔

میں سخاوتِ حلقہء دوستوں سے زیادہ ملامتِ صفتِ دشمنوں کا مقروض ہوں کہ یہی قرض مجھے ہر لمحہ اپنے آپ ایذا پسندی اور آفاقی دل شکستگی سے روشناس کرتا ہے۔
مبہر میری ذات کے برزخ میں عافیت کوشی اور اندمالِ خواہی کی جستجو کیسی؟

مجھے اپنے فن کی تحسین و تنقید کے سلسلے میں اپنے عہد کے مہیب سکوت سے بھی شکوہ کرنا نہیں آتا۔ کہ گم نم اور بانجھ زمینوں میں نطقِ لب کے خیام نصب کرنا مجھے وراثت میں ملا ہے۔

بھر حال میرا سفر ”فراتِ ذات“ سے کچھ دور احساس کے جلتے ہوئے خیمے سے اٹھتے دھویں کی لکیر سے ملتا ہے یا منہ زور ہواؤں کے مقابل طاقِ تنہائی میں جلتے ہوئے اکیلے چراغ کی شعاع کا سفر۔!

اس سفر میں آپ مجھے تلاش کریں یا میرا ساتھ دے سکیں تو شاید کچھ دیر کو میری تنہائی بہل جائے۔ ورنہ رات کے پھلے پہر کا مہیب سناٹا تو مجھے قبول کرنا ہی ہے!! اور یہ سناٹا مجھ سے پہلے فنکاروں نے تو مجھ سے بھی کہیں زیادہ پہنا اور اوڑھا تھا۔ میں اس سے خوف کیوں کھاؤں؟

یوں بھی آوازوں کے بھنور میں ڈوب جانے سے سناٹا بہن کر کائنات پر محیط ہونے میں
زیادہ ”معنویت“ پوشیدہ ہے۔!!

محسن نقوی

۲۷ دسمبر ۱۹۸۵

نجف ریزہ

۱۹۲۔ نشر بلاک

علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

اے مرے کبریا!

اے انوکھے نئی!

اے مرے کبریا!!

میرے ادراک کی سرحدوں سے ہرے

میرے وجدان کی سلطنت سے ادھر

تیری پہچان کا اوّلین مرحلہ!

میری مٹی کے سب ذائقوں سے جدا!

تیری چاہت کی خوشبو کا پہلا سفر!!

میری منزل؟

تیری رہگزر کی خبر!

میرا حاصل؟

تری آگہی کی عطا!!

میرے لفظوں کی سانسیں

ترا معجزہ!

میرے حرفوں کی نبضیں

ترے لطف کا بے کراں سلسلہ!

میرے اشکوں کی چاندی

ترا آئینہ!

میری سوچوں کی سطریں

جری جستجو کی مسافت میں گم راستوں کا پتہ!

میں مسافر ترا..... (خود سے نا آشنا)

ظلمتِ ذات کے جنگلوں میں گہرا
خود پہ اوڑھے ہوئے کرب وہم و گماں کی سلگتی ردا
ناشنا سائیوں کے پرانے مرض،
گمرہی کے طلسمات میں مبتلا
سورجوں سے بھری کہکشاں کے تلے
ڈھونڈتا پھر رہا ہوں ترا نقشِ پا.....!!
اے انوکھے سخی!
اے مرے کبریا!!

کب تک گمرہی کے طلسمات میں؟
ظلمتِ ذات میں
ناشنا سائیوں سے اُٹی رات میں
دل بھکتا رہے
بھر کے داماں صد چاک میں بے اماں حسرتوں کا لہو
بے ثمر خواہشیں
رائیگاں جستجو!!

اے انوکھے سخی!
اے مرے کبریا!!
کوئی رستہ دکھا
خود پہ گھل جاؤں میں
مجھ پہ افشا ہو ”تو“
اے مرے کبریا!!
کبریا اب مجھے
لوہِ ارض و سما کے سبھی ناتراشیدہ پوشیدہ
حرفوں میں لپٹے ہوے

اسم پڑھنا سیکھا
اے انوکھے نئی!

اے مرے کبریا!
میں مسافر جرا



کہاں تھا اتنا عذاب آشنا مرا چہرہ؟
جلے چراغ تو بجھنے لگا - مرا چہرہ!

وہ تیرے ہجر کے دن وہ سفیر صدیوں کے
تو ان دنوں میں کبھی دیکھتا مرا چہرہ

جدائیوں کے سفر میں رہے ہیں ساتھ سدا
تری تلاشِ زمانے ہوا مرا چہرہ

مرے سوا کوئی اتنا اداس بھی تو نہ تھا
خزاں کے چاند کو اچھا لگا مرا چہرہ

کتاب کھول رہا تھا وہ اپنے ماضی کی
ورق ورق پہ بکھرتا گیا مرا چہرہ

سحر کے نور سے دھلتی ہوئی تری آنکھیں
سفر کی گرد میں لپٹا ہوا مرا چہرہ

ہوا کا آخری بوسہ تھا یا قیامت تھی؟
بدن کی شاخ سے پھر گر پڑا مرا چہرہ

جسے بچھا کے ہوا سوگوار بھرتی ہے
وہ شمعِ شامِ سفر تھی کہ تھا مرا چہرہ؟

یہ لوگ کیوں مجھے پہچانتے نہیں محسن
میں سوچتا ہوں کہاں رہ گیا مرا چہرہ



اب کے یوں بھی تری زلفوں کی شکن ٹوٹی ہے
رنگ پھوٹے کہیں خوشبو کی رسن ٹوٹی ہے

موت آئی ہے کہ تسکین کی ساعت آئی
سانس ٹوٹی ہے کہ صدیوں کی شکن ٹوٹی ہے

سیرِ فُمل جہاں نکلت بھی گراں ٹھہری تھی
تیر بن کر وہاں سورج کی کرن ٹوٹی ہے

دل شکستہ تو کئی بار ہوئے تھے لیکن
اب کے یوں ہے کہ ہر اک شاخ بدن ٹوٹی ہے

اتنی بے ربط محبت بھی کہاں تھی اپنی
درمیاں سے کہیں زنجیرِ سخن ٹوٹی ہے

ایک شعلہ کہ جہہ نیمہ جاں لپکا تھا
ایک بجلی کہ سرِ صحنِ چمن ٹوٹی ہے

سلسلہ تجھ سے پھڑکنے پہ کہاں ختم ہوا
اک زمانے سے رہ و رسم کہن ٹوٹی ہے

مرے یاروں کے تبسم کی کرنِ مقتل ہیں
نوکِ نیزہ کی طرح زبرِ کفن ٹوٹی ہے

ریزہ ریزہ میں بکھرتا گیا ہر سو محسن
شیشہ شیشہ مری سنکیتی فن ٹوٹی ہے



کب تک شب کے اندھیرے میں سحر کو ترسے

وہ مسافر جو بھرے شہر میں گھر کو ترسے

آنکھ ٹھہرے ہوئے پانی سے بھی کتراتی ہے
دل وہ رہو کہ سمندر کے سفر کو ترسے

مجھ کو اُس قحط کے موسم سے بچا رہتِ سخن
جب کوئی اہلِ ہنر عرضِ ہنر کو ترسے

اب کے اِس طور مسلط ہو اندھیرا ہر سُو
ہجر کی رات مرے دیدہ تر کو ترسے

عمر اتنی تو عطا کر مرے فن کو خالق
میرا دشمن میرے مرنے کی خبر کو ترسے

اُس کو پا کر بھی اُسے ڈھونڈ رہی ہیں آنکھیں
جیسے پانی میں کوئی سیپ گھر کو ترسے

ناشناسائی کے موسم کا اثر تو دیکھو!
آئینہ خال و خدِ آئینہ گر کو ترسے!

ایک دنیا ہے کہ بستی ہے تری آنکھوں میں
وہ تو ہم تھی جو تری ایک نظر کو ترسے

شورِ صرصر میں جو سرِ سبز رہی ہے محسن
موسمِ گل میں وہی شاخِ ثمر کو ترسے



پتھر ہی سہی راہ میں حائل تو رہوں گا
کچھ دیر ترا مد مقابل تو رہوں گا

جب تک تیری بخشش کا بھرم عمل نہیں جاتا
اے میری سخی میں تیرا سائل تو رہوں گا

اس واسطے زندہ ہوں سرِ مقتلِ یاراں
والستہ کم ظرفی قاتل تو رہوں گا

اے تیز ہوا میرا دھواں دیکھ کے جانا
بجھ کر بھی نشانِ رو منزل تو رہوں گا

دشمن ہی سہی نام تو لے گا مرا تو بھی
یوں میں تری آواز میں شامل تو رہوں گا

جب تک میں بغاوت نہ کروں جبر و ستم سے
زنداں میں ہوں پابندِ سلاسل تو رہوں گا

محسن زدِ اعدا سے اگر مر بھی گیا میں
معیارِ حمیز حق و باطل تو رہوں گا



ترے بدن سے جو پھو کر ادھر بھی آتا ہے
مثال رنگ وہ جھونکا نظر بھی آتا ہے

تمام شب جہاں جلتا ہے اک اداس دیا
ہوا کی راہ میں اک ایسا گھر بھی آتا ہے

وہ مجھ کو ٹوٹ کے چاہے گا چھوڑ جائے گا
مجھے خبر تھی اُسے یہ ہنر بھی آتا ہے

اجاڑ بن میں اُترتا ہے ایک جگنو بھی
ہوا کے ساتھ کوئی ہمسفر بھی آتا ہے

وفا کی کون سی منزل پہ اُس نے چھوڑا تھا
کہ وہ تو یاد ہمیں بھول کر بھی آتا ہے

جہاں لہو کے سمندر کی حد ٹھہرتی ہے
وہیں جزیرہ لعل و غمہر بھی آتا ہے

چلے جو ذکر فرشتوں کی پارسائی کا
تو زیر بحث مقام بشر بھی آتا ہے

ابھی رستاں کو سنبالے رہیں عدد میرے
کہ ان صفوں میں کہیں میرا سر بھی آتا ہے

کبھی کبھی مجھے ملنے بلندیوں سے کوئی
شعاع صبح کی صورت اتر بھی آتا ہے

اسی لیے میں کسی شب نہ سو سکا محسن
وہ ماہتاب کبھی بام پر بھی آتا ہے



وفا میں اب یہ ہنر اختیار کرنا ہے
وہ سچ کہے نہ کہے اعتبار کرنا ہے

یہ تجھ کو جاگتے رہنے کا شوق کب سے ہوا؟
مجھے تو خیر ترا انتظار کرنا ہے

ہوا کی زد میں جلانے ہیں آنسوؤں کے چراغ
کبھی یہ جشن سر رہگوار کرنا ہے

وہ مسکرا کے نئے دوسروں میں ڈال گیا
خیال تھا کہ اُسے شرمسار کرنا ہے

مثال شاخ برہنہ خزاں کی رُت میں کبھی

خود اپنے جسم کو بے برگ و بار کرنا ہے

ترے فراق میں دن کس طرح کٹیں اپنے
کہ شغلِ شب تو ستارے شمار کرنا ہے

چلو یہ اشک ہی موتی سمجھ کے بچ آئیں
کسی طرح تو ہمیں روزگار کرنا ہے

کبھی تو دل میں چھپے زخم بھی نمایاں ہوں!
قبا سمجھ کے بدن تار تار کرنا ہے

خدا خبر یہ کوئی ضد کہ شوق ہے محسن
خود اپنی جان کے دشمن سے پیار کرنا ہے



یہ کہہ گئے ہیں مسافر لٹے گھروں والے
ڈریں ہوا سے پرندے گھلے پروں والے

یہ میرے دل کی ہوس دشتِ بیکراں جیسی
وہ تیری آنکھ کے تیور سمندروں والے

ہوا کے ہاتھ میں کاسے ہیں زرد پتوں کے
کہاں گئے وہ سخی سبز چادروں والے؟

کہاں ملیں گے وہ اگلے دنوں کے شہزادے؟
پہن کے تن پہ لبادے گداگروں والے

پہاڑیوں میں گھرے یہ بچھے بچھے رستے
کبھی ادھر سے گزرتے تھے لشکروں والے

اُنہی پہ ہو کبھی نازل عذاب، آگ، اجل
وہی مگر کبھی ٹھہریں پیہروں والے

ترے سپرد کروں آئینے مقدر کے
ادھر تو آ مرے خوش رنگ پتھروں والے

کسی کو دیکھ کے چپ چپ سے کیوں ہوئے محسن
کہاں گئے وہ ارادے سخنوروں والے؟

شہر بدر

کون اب لگتا نہیں

میری طرح شہر بدر؟

اب تو

جس کو بھی دیکھو صُفِ آشفۃ سراں!

کوٹلو

دیدہ حیراں کا اٹاٹھ لے کر

چاک پیراہن جاں

خاک رو ہمسفراں

زخم اندوہ ربخ چارہ گراں

دامن دل میں لیے

صورت راہ گزر

شہر بدر، شہر بدر

چاندنی، آبر، ہوا

موسم گل، موج صبا

سپیاں چنتے ہوئے آئینہ گر

شہر بدر!!

رہگواروں میں بھٹکتی ہوئی خوشبو

کہ جتا

گمہر کی دودھیا چادر

کہ خلا

دھول اوڑھے ہوئے سانسوں کی گھٹا

پھول کی خواہش صدرنگ

ستاروں کی یردا

آساں

آبلہ پاش و قمر

شام و سحر

برگ بے آب و ہوا
 نالہ لے دامن تر
 شاخ بے برگ و ثمر
 شہر بدر شہر بدر
 قافلے دشت بھنور دھوپ
 بگولوں کا سفر

آگ کا رقص
 دھواں راکھ شرر
 --- شہر بدر

تیری پلکوں پہ لرزتے ہوئے
 اشکوں کے گہر
 تیرے چہرے پہ دہکتے ہوئے
 جذبوں کی دھنک
 تیری آنکھوں میں بکھرتے ہوئے
 پیماں کی تھکن

تیرے ماتھے پہ
 یہ ڈھلتے ہوئے تاروں کا غبار
 (جس طرح بجھتے چراغوں کی ادھوری سی قطار)
 تیری محفل کی اداسی
 تیری افسردہ نظر
 شمع کشتہ کی خلش
 ماتم خاشاک جگر

وصل کا عہد

جدائی کی خبر
دیدہ تر
حسرتیں شعلہ بجاں
خواہشیں خاک بسر

از گرتا پتھر
کوئی سوچے بھی مگر
کون اب لگتا نہیں
میری طرح شہر بدر
شہر بدر شہر بدر

آج تنہائی نے تھوڑا سا دلا سہ جو دیا

آج تنہائی نے تھوڑا سا دلا سہ جو دیا
کتنے رُٹھے ہوئے ساتھی مجھے یاد آئے ہیں

موسم وصل کی کرنوں کا وہ انبوہ رواں
جس کے ہمراہ کسی ڈہرہ جبین کی ڈولی
ایسے اُتری تھی کہ جیسے کوئی آیت اُترے

ہجر کی شام کے پکھرے ہوئے کاجل کی لکیر
جس نے آنکھوں کے گلابوں پہ شفق چھڑکی تھی
جیسے خوشبو کسی جنگل میں برہنہ ٹھہرے!!

خلیق شہر کی جانب سے ملامت کا عذاب
جس نے اکثر مجھے ”ہونے“ کا یقین بخشا تھا

دستِ اعدا میں وہ کھینچتی ہوئی تہمت کی کماں
بارشِ سنگ میں گھسکتی ہوئی تیروں کی دُکاں
مہریاں دوست ' رفاقت کا بھرم رکھتے ہوئے
اجنبی لوگ دل و جاں میں قدم رکھتے ہوئے

آج تنہائی نے تھوڑا سا دلاسہ جو دیا!
کتنے رُوٹھے ہوئے ساتھی مجھے یاد آئے ہیں
اب نہ پندارِ وفا ہے نہ محبت کی جزا
دستِ اعدا کی کشش ہے نہ رفیقوں کی سزا
تخنم دار نہ منصب ' نہ عدالت کی غلش
اب تو اک چیخ سی ہونٹوں میں دبی رہتی ہے

راس آئے گا کسے دشتِ بلا میرے بعد؟
کون مانگے گا اُجڑنے کی دعا میرے بعد؟

آج تنہائی نے تھوڑا سا دلاسہ جو دیا

بادل برسیں

بادل برسیں!
 بادل اتنے زور سے برسیں!!
 میرے شہر کی بنجر دھرتی
 گم ضم خاک اڑاتے رستے
 سوکھے چہرے
 پیلی آنکھیں
 بوسیدہ مٹیالے پکرا یے بھگیں
 اپنے کو پہچان نہ پائیں!

بجلی چمکے!
 بجلی اتنے زور سے چمکے!
 میرے شہر کی سونی گلیاں
 مذت کے تاریک جھروکے
 پُراسرار کھنڈر دیرانے
 ماضی کی مدہم تصویریں ایسے چمکیں
 سینے کا ہر بھید اُگل دیں

دل بھی دھڑکے!
 دل بھی اتنے زور سے دھڑکے!!
 سوچوں کی مضبوط طنائیں
 خواہش کی اُن دیکھی رگر ہیں
 رشتوں کی بوجھل زنجیریں... ایک چھناکے سے کھل جائیں
 سارے رشتے
 سارے بندھن

چاہوں بھی تو یاد نہ آئیں
 آنکھیں۔۔۔ اپنی دید کو ترسیں!
 بادل اتنے زور سے برسیں!!



اب یہ سوچوں تو بھنور ذہن میں پڑ جاتے ہیں
 کیسے چہرے ہیں جو ملتے ہی چمکڑ جاتے ہیں

کیوں ترے درد کو دیں تہمت ویرانی دل؟
 زلزلوں میں تو بھرے شہر اُڑ جاتے ہیں

موسمِ زرد میں اک دل کو بچاؤں کیسے؟
 ایسی رُت میں تو گھنے پیڑ بھی جھڑ جاتے ہیں

اب کوئی کیا مرے قدموں کے نشاں ڈھونڈے گا
 تیز آندھی میں تو خیمے بھی اکھڑ جاتے ہیں

شغلِ ارباب ہنر پوچھتے کیا ہو کہ یہ لوگ
 مٹھروں میں بھی کبھی آئینے جڑ جاتے ہیں

سوچ کا آئینہ دھندلا ہو تو پھر وقت کے ساتھ
 چاند چہروں کے خدوخال بگڑ جاتے ہیں

ہدیتِ غم میں بھی زندہ ہوں تو حیرت کیسی؟
کچھ دیے شہد ہواؤں سے بھی لڑ جاتے ہیں

وہ بھی کیا لوگ ہیں محسن جو وفا کی خاطر!
خود تراشیدہ اصولوں پہ بھی اڑ جاتے ہیں



فضا کا جس شکوفوں کو باس کیا دے گا؟
بدن دریدہ کسی کو لباس کیا دے گا؟

یہ دل کی قحطِ انا سے غریب ٹھہرا ہے
مری زباں کو زرِ التماس کیا دے گا؟

جو دے سکا نہ پہاڑوں کو برف کی چادر
وہ میری بانجھ زمیں کو کپاس کیا دے گا؟

یہ شہر 'یوں بھی تو دہشت بھرا نگر ہے' یہاں
دلوں کا شور ہوا کو ہراس کیا دے گا؟

وہ زخم دے کے مجھے حوصلہ بھی دیتا ہے
اب اس سے بڑھ کے طبیعت شناس کیا دے گا؟

جو اپنی ذات سے باہر نہ آسکا اب تک
وہ پتھروں کو متاعِ حواس کیا دے گا؟

وہ میرے اشک بجائے گا کس طرح محسن
سمندروں کو وہ صحرا کی پیاس کیا دے گا؟



دل ہوا جب سے شرمسار نکلت
بن گئے دوست پڑسہ دار نکلت

ہر کوئی سرنگوں ہے لشکر میں
ہر کسی کو ہے انتظار نکلت

کہہ رہی ہے تھکن دلیروں کی
اب کے چمکے گا کاروبار نکلت

آئینے کی فضا تو اجلی ہے
میرے چہرے پہ ہے غبار نکلت

کامرانی کا گر سکھا مجھ کو!

یا عطا کر مجھے وقارِ گلست

موت فتح و ظفر کی منزل ہے
زندگانی ہے رہگدازِ گلست

اس کے چہرے پہ فتح رقصاں تھی
اُس کے شانے تھے زیرِ بارِ گلست

کیسے قاتل کی شکل پہچانیں
اپنی آنکھوں میں ہے خمارِ گلست

جب تلک سرِ شاں پہ ہے اپنا
کون کرتا ہے اعتبارِ گلست؟

ہیں فضا میں دُھواں دُھواں محسن
دیکھ رنگِ رخ بہارِ گلست

☆

سکھا مجھ کو لئے لوگوں کا ماتم
جلے جسموں بھی آنکھوں کا ماتم

رہیں دردِ جاں پیاروں کی ہجرت
نصیب دشمنانِ یاروں کا ماتم

جو فرصت ہو تو مرگِ روشنی پر
کبھی دیکھو مری پلکوں کا ماتم

وہ زیرِ آب لاشوں کی قطاریں
وہ سطحِ آب پر لہروں کا ماتم

جواں پختے پہن کر سو گئی ہے
ہوا کرتی پھرے شاخوں کا ماتم

جو خاموشی کہ تہہ میں رہ گئے ہیں
مری آواز ' اُن لفظوں کا ماتم

جو سیلابوں کی رو میں بہہ گئی ہیں
کرے گا کون اُن قبروں کا ماتم؟

مری غزلیں مری نظمیں ہیں محسن
لہو لتھڑے ' چمن چہروں کا ماتم



ظلم سہہ کر بھی سمجھتا ہوں کہ تو میرا ہے
میرے دشمن تیرے چہرے پہ لہو میرا ہے

صمد شہر کی شورش تیرے دم سے ہوگی
رات کے پچھلے پہر عالم ہو میرا ہے

میرے ہاتھوں میں چھپے زخم سے پہچان مجھے
تیرے دامن پہ بھی احسانِ رفو میرا ہے

کھر گیا ہوں میں حلاطم میں بھی زنداں کی طرے
حلقہ موج رواں طوقِ گلو میرا ہے

اتنی شہرت بھی کہاں چاہی تھی خود سے میں نے
اپنے ہی شہر کا ہر شخصِ عدد میرا ہے

دھوپ چھاؤں کی یہ رُت دل میں ٹھہر جانے دے
عکس تیرا ہے تو سایا لبِ جو میرا ہے

ہتھوروں سے ہے محبت مجھے یوں بھی محسن
سنگدل شہر میں اک آئینہ رو میرا ہے



غزلوں کی دھنک اوڑھ مرے شعلہ بدن تو
ہے میرا سخن تو ۔۔ مرا موضوع سخن تو

کلیوں کی طرح پھوٹ سر شاخِ تمنا
خوشبو کی طرح پھیل چمن تا بہ چمن تو

نازل ہو کبھی ذہن پہ آیات کی صورت
آیات میں ڈھل جا کبھی جبریل دہن تو

اب کیوں نہ سجاؤں میں تجھے دیدہ و دل میں
لگتا ہے اندھیرے میں سویرے کی کرن تو

پہلے نہ کوئی رمزِ سخن تھی نہ کنایہ
اب نقطہ تکمیلِ ہنر ، محور فن تو

یہ کم تو نہیں تو مرا معیارِ نظر ہے
اے دوست میرے واسطے کچھ اور نہ بن تو

ممکن ہو تو رہنے دے مجھے ظلمتِ جاں میں
ڈھونڈے گا کہاں چاندنی راتوں کا کفن تو

خداشہ

یہ تیری جمیل سی آنکھوں میں رنجوں کے بھنور
یہ تیرے پھول سے چہرے پہ چاندنی کی پھوار
یہ تیرے لب یہ دیارِ یمن کی سُرخ عقیق
یہ آئینے سی جبینِ سجدہ گاہِ لیل و نہار

یہ بے نیاز گھنے جنگلوں سے بالِ جرے
یہ پھولتی ہوئی سروں کا عکس گالوں پر
یہ دھڑکنوں کی زباں بولتے ہوئے اُرد
کمند ڈال رہے ہیں مرے خیالوں پر

یہ نرم نرم سے ہاتھوں کا گرم گرم سانس
گدازِ جسم پہ بتور کی تہوں کا سماں!
یہ اُگلایاں یہ زمرد تراشتی شائیں!
کرن کرن ترے دانتوں پہ موتیوں کا گماں

یہ چاندنی میں دھلے پاؤں جب بھی رقص کریں
فضا میں اُن گئے گھنگرو چھکنے لگتے ہیں
یہ پاؤں جب کسی رستے میں رنگ برسائیں
تو موسموں کے مقدر چھکنے لگتے ہیں !!

تری جبین پہ اگر حادثوں کے نقش ابھریں
مزاجِ گردشِ دوراں بھی لڑکھڑا جائے

تو مسکرائے تو صبحیں تجھے سلام کریں
تو رو پڑے تو زمانے کی آنکھ بھر آئے

ترا خیال ہے خوشبو ترا لباس کرن!
تو خاک زاد ہے یا آسمان سے اتری ہے؟
میں تجھ کو دیکھ کے خود سے سوال کرتا ہوں
یہ موج رنگ زمیں پر کہاں سے اتری ہے؟

میں کس طرح تجھے لفظوں کا پیرہن بخشوں؟
مرے ہنر کی بلندی تو سرنگوں ہے ابھی!
ترے بدن کے خدوخال میرے بس میں نہیں
میں کس طرح تجھے سوچوں ' یہی جنوں ہے ابھی

ملے ہیں یوں تو کئی رنگ کے حسین چہرے!
میں بے نیاز رہا موحہ صبا کی طرح!!
تری قسم تری قربت کے موسموں کے بغیر
زمیں پہ میں بھی اکیلا پھرا خدا کی طرح

مگر میں ہیر حادث کے سنگ زادوں سے
یہ آئینے سا بدن کس طرح بچاؤں گا؟
مجھے یہ ڈر ہے کسی روز تیرے کرب سمیت
میں خود بھی دکھ کے سمندر میں ڈوب جاؤں گا!

مجھے یہ ڈر ہے کہ تیرے تہمتوں کی پھوار
یونہی وفا کا تقاضا حیا کا طور نہ ہو؟

ترا بدن تری دنیا ہے منتظر جس کی
میں سوچتا ہوں مری جاں وہ کوئی ”اور“ نہ ہو

میں سوچتا ہوں مگر سوچنے سے کیا حاصل؟
یہ تیری جھیل سی آنکھوں میں رنجوں کے بھنور



خلوت میں گھلا ہم پہ کہ بیباک تھی وہ بھی
محتاج تھے ہم لوگ بھی چالاک تھی وہ بھی

افکار میں ہم لوگ بھی ٹھہرے تھے قد آور!
پندار میں ”ہم قاصدِ افلاک“ تھی وہ بھی

اسے پاس ادب، سنگ صفت عزم تھا اس کا
اسے سیلِ طلب، صورتِ خاشاک تھی وہ بھی

جس شب کا گریباں ترے ہاتھوں سے ہوا چاک
اے صبح کے سورج، مری پوشاک تھی وہ بھی

اک شوخ کرن پھونسنے اتری تھی ٹکوں کو
کچھ دیر میں پیوستِ رگِ خاک تھی وہ بھی

جس آنکھ کی جنبش پہ ہوئیں نصب صلیبیں
مقتل میں ہمیں دیکھ کے نمناک تھی وہ بھی

دیکھا جو اُسے کوئی کشش ہی نہ تھی اُس میں
سوچا جو اُسے حاصل اور ادراک تھی وہ بھی

جو حرف مرے لب پہ رہا زہر تھا محسن
جو سانس مرے تن میں تھی سفاک تھی وہ بھی



کل رات بزم میں جو ملا گلبدن سا تھا
خوشبو سے اُس کے لفظ تھے چہرہ چمن سا تھا

دیکھا اُسے تو بول پڑے اس کے خدوخال
پوچھا اُسے تو چپ سا رہا کم سخن سا تھا

تہائیوں کی رُت میں بھی لگتا تھا مطمئن!
وہ شخص اپنی ذات میں اک انجمن سا تھا

سوچا اُسے تو میں کئی رنگوں میں کھو گیا
عالم تمام اُس کے خسیں پیرہن سا تھا

جو شاخ شوخ تھی وہ اُسی کے لبوں سی تھی
جو پھول کھل گیا وہ اُسی کے دہن سا تھا

وہ سادگی پہن کے بھی دل میں اتر گیا
اس کی ہر اک ادا میں عجب بھولپن سا تھا

آسمان سمجھ رہے تھے اُسے ہجر جاں کے لوگ
مشکل تھا اس قدر کہ میرے اپنے فن سا تھا

وہ گفتگو تھی اُس کی اُسی کے لیے ہی تھی!
کہنے کو یوں تو میں بھی شریکِ سخن سا تھا

تارے تھے چاندنی میں کہ تہمت کے داغ تھے
محسن کل آسمان بھی میرے کفن سا تھا



مانگے ہے مجھ سے دل تری ساری نشانیاں
باتیں پرانیاں وہی راتیں سُبھانیاں

آنکھوں میں گھولتی ہیں نئے کی شرارتیں
چالاک چاندنی میں چہکتی جوانیاں

اُن پر تو قرض ہیں مرے حرفوں کے ذائقے
اب جن کو آگئیں بڑی باتی بنائیاں

اے عشق آ کہ بھر سے کوئی تجربہ کریں
میں بھولنے لگا ہوں پرانی کہانیاں

وہ تیرے قہقہے تھے کہ جیسے جہوم میں
ٹوٹیں کلائیوں میں کھنکتی کمائیاں

یہ میرے اشک ہیں کہ پہاڑوں میں جس طرح
روئیں بسنت رُت میں ندی کی روانیاں

اک تیرے روٹھنے سے فضا ہی بدل گئی
اب شہر بھر میں پھیل گئیں بدگمائیاں

مانگو دعا کہ کھیلتی کھیلتی رہیں سدا
شہروں کی ڈالہیں مری بستی کی رانیاں

محسن کو کچھ تو حدِ ستم کا سراغ دے
کب تک رقم کروں میں تری مہربانیاں؟



جب بھی بننے کے زمانے آئے
 زخم پھر یاد پرانے آئے

بارہا اُن کو منایا تو ہمیں
 رُوٹھ جانے کے بہانے آئے

پھر مجھے ٹوٹ کے چاہا اُس نے
 پھر پھرنے کے زمانے آئے

مسکرا کر ہمیں ملنے والے
 زندگی بھر کو رُلانے آئے

کتنی محروم تھیں نیندیں اُن کی
 خواب بھی جن کو جگانے آئے

تیری چاہت نے ٹھہرنے نہ دیا
 راہ میں کتنے ٹھکانے آئے

تو نہیں ہے تو ہوا کا جھونکا
 گھر کی زنجیر ہلانے آئے

دل بُجھا ہے نہ جلے ہیں خیمے
 آپ کیوں جشن منانے آئے؟

ایسی اُمید پہ جاگو یارو!
اب وہ کس وقت نجانے آئے؟

راس آیا جنہیں صحرا محسن
اُن کی قسمت میں خزانے آئے



شام غم جب بکھر گئی ہو گی
جانے کس کس کے گھر گئی ہو گی؟

اتنی لرزاں نہ تھی چراغ کی لو
اپنے سائے سے ڈر گئی ہو گی

چاندنی ایک شب کی مہماں تھی
صبح ہوتے ہی مَر گئی ہو گی

دیر تک وہ خفا رہے مجھ سے
دُور تک یہ خبر گئی ہو گی

ایک دریا کے رُخ بدلتے ہی
اک ندی پھر اُتر گئی ہو گی

جس طرف وہ سفر پہ نکلا تھا
ساری رونق ادھر گئی ہو گی

رات سورج کو دھونڈنے کے لیے
تابہ حد سحر گئی ہو گی

میری یادوں کی دھوپ چھاؤں میں
اُس کی صورت نکھر گئی ہو گی

یا تعلق نہ نبھ سکا اس سے
یا طبیعت ہی بھر گئی ہو گی

تیری ہل بھر کی دوستی محسن
اُس کو بدنام کر گئی ہو گی!

اپنے دُکھتے دل سے کہہ دو!

رات کے دو بجنے کو آئے
پھیل چلے سنائے سائے

زخموں کی ہریالی چُپ ہے
درد کے بیڑ آسیب زدہ ہیں
سوچ کی ڈالی ڈالی چُپ ہے

اپنے دُکھتے دل سے کہہ دو!
نیند کے جنگل میں کھو جائے
کافی جاگ لیا -- سو جائے

دُور - ” پہاڑی “ کے سُر جاگے
مست ہوا نے لی انگڑائی!
رات نے اپنی نٹ چھکائی

کون یہ روگی۔ جوگی ہوگا؟
جس کی جوگ بھری استغائی
” بھیرو “ کی پازیب سے اُبھی
سانس کے سُرگم سے ٹکرائی

کس کے ہونٹوں کی خوشبو نے
بانسریا کی لے مہکائی؟

اپنے دُکھتے دل سے کہہ دو!
سب کے پردیسی اک جیسے
سب کا ” سانوریا “ ہرجائی

اُداس رُت، انتظارِ موسم

اُداس رُت

انتظارِ موسم

ہوا کی بے بس آہٹوں سے ہرے

خوشی کی زرد چادر بدن پہ اوڑھے

خزاں رسیدہ شجر کی ٹہنی پہ بھولتا چاند کہہ رہا ہے

کہ سو بھی جاؤ!

کہ سو بھی جاؤ اُداس لوگو!

وہ انجمن جس کی جھللاتی تمام شمعیں

تمام راتیں

تمام باتیں

کبھی تمہاری محبتوں سے بھرے زمانوں کی ترجماں تھیں

کبھی تمہارے تمام لمحوں پہ مہرباں تھیں

وہ انجمن اب تمہاری سوچوں سے دُور

خوابوں کی دستکوں سے پرے بچے گی

وہاں پہ نوبت نئی بجے گی!!!

کبھی تمہارے بدن کی خوشبو سے کھیلتی تھی جوراتِ رانی

وہ ہجر کے ادھ کھلے درتے میں ہانپتے جس کی ہتھیلی پہ

آخری سانس لے رہی ہے

اُداس لوگو!

اُجاڑ آنکھوں کے آئینے توڑ دو کہ ان میں

نہ کوئی عکس نگار ہستی

نہ کوئی بستی بسا سکو گے
 بس اک متاعِ حیات باقی ہے اب جسے تم
 گنوا سکو گے!
 تو اس سے پہلے کہ سانس کی ڈور ٹوٹ جائے!
 ہوا تھیلی سے
 خوشبوؤں کا ہر ایک رشتہ ہی ٹوٹ جائے!
 رکن کواڑوں کو بند کر کے
 اُجاڑ خوابوں کی رہگزر کا غبار آنکھوں میں بھر کے
 ہر سڑ ہوا کے ہاتھوں بکھر بکھر کے
 خود اپنے اندر کے دکھ کی مٹی میں کھو بھی جاؤ!
 ہوا یہ کہتی ہے سو بھی جاؤ!
 اداس رُت!
 انتظارِ موسم!!
 کبھی کسی کے نہ ہو سکیں گے!!!

بھول جاؤ مجھے.....!

وہ تو یوں تھا کہ ہم
 اپنی اپنی ضرورت کی خاطر ملے!

اپنے اپنے تقاضوں کو پورا کیا
 اپنے اپنے ارادوں کی تکمیل میں

تیرہ دتار خواہش کی سنگلاخ راہوں پہ چلتے رہے
 پھر بھی راہوں میں کتنے شکونے کھلے
 وہ تو یوں تھا کہ بڑھتے گئے سلسلے !!

ورنہ یوں ہے کہ ہم
 اجنبی کل بھی تھے
 اجنبی اب بھی ہیں
 اب بھی یوں ہے کہ تم
 ہر قسم توڑ دو
 سب ضدیں چھوڑ دو!

اورا گریوں نہ تھا تو یونہی سوچ لو
 تم نے اقرار ہی کب کیا تھا کہ میں
 تم سے منسوب ہوں
 میں نے اصرار ہی کب کیا تھا کہ تم
 یاد آؤ مجھے!
 بھول جاؤ مجھے !!



متاع شام سفر بستیوں میں چھوڑ آئے
 بجے چراغ ہم اپنے گھروں میں چھوڑ آئے

پھڑ کے تجھ سے چلے ہم تو اب کے یوں بھی ہوا
کہ تیری یاد کہیں راستوں میں چھوڑ آئے

ہم اپنی ذر بدری کے مشاہدے اکثر
نصیحتوں کی طرح کم رسوں میں چھوڑ آئے

خراج سیل بلا اس سے بڑھ کے کیا ہو کہ لوگ
کھلے مکان بھری بارشوں میں چھوڑ آئے

گھرے ہیں لشکرِ اعدا میں اور سوچتے ہیں
ہم اپنے تیر تو اپنی صفوں میں چھوڑ آئے

ہوا ہی دن میں پرندے اُڑائے پھرتی ہے
ہوا ہی پھر سے انہیں گھونسلوں میں چھوڑ آئے

کسے خبر ہے کہ زخمی غزال کس کے لیے؟
بشاں لہو کے گھنے جنگلوں میں چھوڑ آئے

ہمارے بعد بھی رونق رہے گی قتل میں
ہم اہل دل کو بڑے حوصلوں میں چھوڑ آئے

اُڑیں گے کیا وہ پرندے جو اپنے رزق سمیت
سفر کا شوق بھی ٹوٹے پردوں میں چھوڑ آئے

سدا سُکھی رہیں چہرے وہ ہم جنہیں محسن

بجھے گھروں کی کھلی کھڑکیوں میں چھوڑ آئے



اڑان کی کوئی صورت نظر میں خاک نہیں
بجز نشانِ قفسِ بال و پر میں خاک نہیں

ہوا متاعِ سفر پوچھنے کو آئی ہے
کہو کہ دامنِ اہلِ سفر میں خاک نہیں

یہ اک چراغِ ہوا سے رکھو بچا کے اسے
یہ بُجھ گیا تو سمجھنا کہ گھر میں خاک نہیں

غبارِ ہمسراں آنکھ سے نہ اوجھل ہو
ترے سوا تو مری رہگور میں خاک نہیں

کسی کے سایہ زلف و شعاعِ لب کے سوا
دیارِ شام و صبا سحر میں خاک نہیں

بہت دنوں سے کمالِ ہنر ہے خاک بہ سر
بہت دنوں سے کفِ کوزہ گر میں خاک نہیں

ادھر وہ شور کہ سیلِ فنا ہے زوروں پر
ادھر یہ حال کہ دیوار و در میں خاک نہیں

بس ایک ہم سے ہے قائم وقارِ فصلِ جنوں
وگرنہ ربطِ یہاں سنگ و سر میں خاک نہیں

کشش ہو کیا مرے فن میں کہ ان دنوں محسن
خلش تو خواہشِ خونِ جگر میں خاک نہیں



دریا بچل رہا ہے اگر انتقام کو
میں بھی لکھوں گا ریت پہ اب اپنے نام کو

کہتے ہیں اُس سے بچ کے گزرتی ہیں آندھیاں
جس قبر پر چراغ نہ جلتا ہو شام کو

ساحل بھگو رہی تھی سخاوتِ فُرات کی
گھیرا ہوا تھا آگ نے میرے خیام کو

بیدارئی ضمیر کفِ خاک حشر ہے
سورج اتر رہا ہے زمیں کے سلام کو

تفقید کر کے میرے ہنر کی اڑان پر
تسلیم کر رہا تھا وہ میرے مقام کو

جو تیری منظر تھیں وہ آنکھیں ہی سمجھ گئیں
اب کیوں سجا رہا ہے چراغوں سے بام کو

رُوحی ہوئی ہوائیں کہاں ہیں کہ دشت میں
محسن ترس گئے ہیں بگولے خرام کو



اب یہ معیار سفر لگتا ہے
کوئی صحرا بھی ہو گھر لگتا ہے

ہجر کی رات کے سنائے میں
سانس لیتے ہوئے ڈر لگتا ہے

شہر میں بے ہنری عام ہوئی
ہر کوئی اہل ہنر لگتا ہے

اپنی صورت سے ہے نفرت جس کو

وہ کوئی آئینہ گر لگتا ہے

نوکِ نیزہ پہ جو جگ کر نکلا
کسی خوددار کا سر لگتا ہے

جب بھی ٹوٹے یہ بکھرتا جائے
دل کسی گونج کا پڑ لگتا ہے

جو بھرے شہر سے شب کو نکلا
وہ کوئی اہلِ خبر لگتا ہے

جس نے اس شہر کی بنیاد رکھی
اب وہی شہر بدر لگتا ہے

اب کے دریا میں نہ اُترو محسن
موج در موج بہتور لگتا ہے



ہجر کی صبح کے سورج کی اداسی مت بچھ

جتنی کرنیں ہیں وہ اشکوں کی طرح پھوٹی ہیں

تجھ سے پہلے بھی کئی زخم تھے سینے میں مگر!
اب کے وہ درد ہے دل میں کہ رگیں ٹوٹی ہیں

رات پھر اشک رہے دامنِ مڑگاں سے ادھر
کشتیاں شب کو کناروں سے کہاں پھوٹی ہیں

گاؤں کے تنہا اندھیروں کی طرف لوٹ چلو
شہر کی روشنیاں دل کا سکون لوٹی ہیں



اجاڑ بستی کے باسیڈ ایک دوسرے سے پرے نہ رہنا
ہوا درختوں سے کہہ گئی ہے کسی بھی رُت میں ہرے نہ رہنا

میں اپنے روتھے ہوئے قبیلے کی سازشوں میں گھرا ہوا ہوں
تم اجنبی ہو تو میرے آنگن کی وحشتوں سے ڈرے نہ رہنا

پھٹے ہوئے بادباں کے پُرزے پکھر پکھر کے یہ کہہ رہے تھے
شکستہ کشتی کے ناخداؤ! ہواؤں کے آسرے نہ رہنا

یقین ہے اب کے وصال موسم کے بانجھ پن کی دلیل ہوگا

تمھاری آنکھوں کی سیپیوں کا یہ موتیوں سے بھرے نہ رہنا

سخنورو اس منافقت سے تو خودکشی کا شعار سیکھو
زبان کا زخم زخم ہونا حروف کا کھر درے نہ رہنا

دلوں کی بستی کے لوگ محسن اجڑ اجڑ کے یہ کہہ گئے ہیں
جہاں وفاؤں میں کھوٹ دیکھو وہاں سخن میں کھرے نہ رہنا

مری گلی کے غلیظ بچو!

مری گلی کے غلیظ بچو!

تم اپنے میلے بدن کی ساری غلاظتوں کو اُدھار سمجھو!
تمھاری آنکھیں!

اُداسیوں سے بھری ہوئی ہیں

ازل سے جیسے ڈری ہوئی ہیں

تمھارے ہونٹوں پہ پیڑیوں کی جھی ہوئی تہہ یہ کہہ رہی ہے

حیات کی آنکھوں پس پشت بہہ رہی ہے

تمھاری جیبیں منافقت سے اُٹی ہوئی ہیں

سبھی قیصیں پھٹی ہوئی ہیں

تمھاری پھکی ہتھیلیوں کی بجھی لکیریں

بقا کی ابجد سے اجنبی ہیں

تمھاری قسمت کی آسمانی نشانیاں اب ”خطوط وحدانیوں“

کا مقوم ہو رہی ہیں

نظر سے معدوم ہو رہی ہیں
 بری گلی کے غلیظ بچو!
 تمہارے ماں باپ نے تمہارا قرض لے کر
 تمہاری تہذیب بیچ دی ہے!
 تمہارا استاد اپنی ٹوٹی ہوئی چھڑی لے کے چپ کھڑا ہے!
 کہ اُس کے سوکھے گلے میں نان جویں کا کلڑا اڑا ہوا ہے

بری گلی کے غلیظ بچو!
 تمہارے میلے بدن کی ساری غلاظتیں اب گئے زمانوں
 کے ارمغاں ہیں

تمہارے ورثے کی داستاں ہیں
 انھیں سنبھالو
 کہ آنے والا ہر ایک لمحہ تمہارے جھڑتے ہوئے پوٹوں سے
 جانے والے دنوں کی

گھر جن اتار لے گا!
 بری گلی کے غلیظ بچو!
 ضدوں کو چھوڑو!
 قریب آؤ!!
 رزق کی نفرت کو پیار سمجھو!
 رجاں کو رنگ بہار سمجھو!!
 غلاظتوں کو اُدھار سمجھو!!!

جاننے تو ہم بھی تھے!

جاننے
تو ہم بھی تھے
ماننے
تو ہم بھی ہیں
اتنی تیز آمدی میں
کب چراغ جلتا ہے؟

دل مگر مچلتا ہے
دل کی ضد کو کیا کہیے!
اب کے ہم نے
سوچا ہے!

کم نفس چراغوں میں
اک چراغ ایسا بھی
جل کے ہم جلائیں گے
بھند ہو جائیں بھی
اُس کو جب
بجھائیں گی
دل بھی بجھ ہی جائے گا!



اب کے بارش میں تو یہ کارِ زیاں ہونا ہی تھا
اپنی کچی بستیوں کو بے نشان ہونا ہی تھا

کس کے بس میں تھا ہوا کی وحشتوں کو روکنا
برگِ گل کو خاک، شعلے کو دھواں ہونا ہی تھا

جب کوئی سمتِ سفر طے تھی نہ حدِ رہگور
اے مرے رہزد سفر تو رائیگاں ہونا ہی تھا

مجھ کو رکنا تھا، اُسے جانا تھا اگلے موڑ تک
فیصلہ یہ اُس کے میرے درمیاں ہونا ہی تھا

چاند کو چلنا تھا بہتی سیپیوں کے ساتھ ساتھ
معجزہ یہ بھی تہہ آبِ رواں ہونا ہی تھا

میں نئے چہروں پہ کہتا تھا نئی غزلیں سدا
میری اس عادت سے اُس کو بدگماں ہونا ہی تھا

شہر سے باہر کی ویرانی بسانا تھی مجھے
اپنی تنہائی پہ کچھ تو مہرباں ہونا ہی تھا

اپنی آنکھیں دفن کرنا تھیں غبارِ خاک میں
یہ ستم بھی ہم پہ زیرِ آسماں ہونا ہی تھا

بے صدا بستی کی رسمیں تھیں یہی محسن مرے
میں زباں رکھتا تھا مجھ کو بے زباں ہونا ہی تھا



کٹھن تنہائیوں سے کون کھیلنا میں اکیلا
بھرا اب بھی مرے گاؤں کا میلہ میں اکیلا

پھڑک کر تجھ سے میں شب بھر نہ سویا کون رویا؟
بجز میرے یہ دکھ بھی کس نے جھیلا میں اکیلا

یہ بے آواز بنجر بن کے باسنا یہ اُداسی!
یہ دہشت کا سفرِ جنگل یہ ”بیلہ“ میں اکیلا

میں دیکھوں کب تلک منظرِ سُہانے سب پُرانے
وہی دُنیا وہی دل کا جھیلا میں اکیلا

وہ جس کے خوف سے صحرا سدھارنے لوگ سارے
گزرنے کو ہے طوفاں کا وہ ریلنا میں اکیلا



مرے کفن کی سیاہی دلیل ہے اس کی
مرے سوا میرا پُرسہ کسی نے بھی نہ دیا

شبوں کی راکھ میں یوں گم ہوا وجود مرا
مرا سراغ مری روشنی نے بھی نہ دیا

میں درگزر کا سبق دشمنوں سے لیتا ہوں
یہ درس مجھ کو تری دوستی نے بھی نہ دیا

سوال بن کے مری غمری بکھرتی رہی
مگر جواب تری آگہی نے بھی نہ دیا!



وہ اجنبی اجنبی سے چہرے وہ خواب خیمے رواں دواں سے
بے ہڈے ہیں ابھی نظر میں سبھی مناظر دھواں دھواں سے

یہ عکسِ داغِ شکستِ چیاں وہ رنگِ زخمِ خلوصِ یاراں

میں نمکساروں میں سوچتا ہوں کہ بات چھیڑوں کہاں کہاں سے؟

یہ سنگریزے عداوتوں کے وہ آگینے سخاوتوں کے
دل مسافر قبول کر لے ملا ہے جو کچھ جہاں جہاں سے

پھڑنے والے پھڑ چلا تھا تو نسبتیں بھی گنوا کے جاتا
ترے لیے شہر بھر میں اب بھی میں زخم کھاؤں زباں زباں سے

مری محبت کے واہموں سے پرے تھا تیرا وجود ورنہ
جہاں جہاں تیرا عکس ٹھہرا میں ہو کے آیا وہاں وہاں سے

تو ہمنفس ہے نہ ہمسفر ہے کسے خبر ہے کہ تو کدھر ہے؟
میں دسکیں دے کے پچھ بیٹھا مکیں مکیں سے مکاں مکاں سے

ابھی محبت کا اسمِ اعظم لیوں پہ رہنے دے جانِ محسن!
ابھی ہے چاہت نئی نئی سی ابھی ہیں جذبے جواں جواں سے



باتیں تری الہام ہیں جاؤ تری آواز
رگ رگ میں اترتی ہوئی خوشیو تری آواز

بہتے چلے جاتے ہیں جہر آب ستارے!
جیسے کہیں اُتری ہو لبِ یو تری آواز

پائیدِ شبِ کنجِ نفس میں مرا احساس
امید کی دھندلی سی رکنِ تُو تری آواز

میں شامِ غریباں کی اداسی کا مسافر
صحراؤں میں جیسے کوئی جگنو تری آواز

لفظوں میں چھپائے ہوئے بے ربط دلا سے
چنتی رہی شب بھر میرے آنسو تری آواز

بس ایک مرے شوق کی تسکین کی خاطر
کیا کیا نہ بدلتی رہی پہلو تری آواز

یہ ہجر کی شب بھیگ چلی ہے کہ مرے بعد
روتی ہے کہیں کھول کے گیسو تری آواز؟

دیکھوں تو وہی میں وہی چپ چپ سے دروہام
سوچوں نہ بکھر جائے ہر اک سُو تری آواز

محسن کے خیالوں میں اُترتی ہے سرِ شام
رمِ جہم کی طرح باندھ کے کھنکھرو تری آواز



چاہیے دنیا سے ہٹ کر سوچنا
دیکھنا صحرا سمندر سوچنا

مار ڈالے گا ہمیں اس شہر میں
گھر کی تنہائی پہ اکثر سوچنا

دشمنی کرنا ہے اپنے آپ سے
آئینہ خانے میں پتھر سوچنا

چاندنی میں تو کنارِ آئینہ
بند آنکھوں سے یہ منظر سوچنا

چند تشبیہیں سجانے کے لیے
مذتوں اُس کے بدن پر سوچنا

ایک ہل ملنا کسی سے اور پھر
اہل فن کا زندگی بھر سوچنا

چاند ہے یا اس کے پیکر کے خطوط
جھیل کی تہہ میں اتر کر سوچنا

رفتہ دار و عروج بام کو
دوستو نوکِ شاں پر سوچنا

جاگتے رستوں میں کیا کچھ کھو گیا
اوڑھ کر خوابوں کی چادر سوچنا

خک پتوں کی طرح محسن کبھی
تم بھی صحرا میں بکھر کر سوچنا



ہجوم میں تھا وہ گھل کر نہ رو سکا ہوگا
مگر یقین ہے کہ شب بھر نہ سو سکا ہوگا

وہ شخص جس کو سمجھنے میں مجھ کو عمر لگی
پھنڑ کے مجھ سے کسی کا نہ ہو سکا ہوگا

لڑتے ہاتھ شکستہ سی ڈور سانپوں کی
وہ خک پھول کہاں تک پرو سکا ہوگا؟

بہت اجاڑ تھے پاتال اُس کی آنکھوں کے
وہ آنسوؤں سے نہ دامن بھگو سکا ہوگا

مرے لیے وہ قبیلے کو چھوڑ کر آتا
مجھے یقین ہے یہ اُس سے نہ ہو سکا ہوگا



اب تو خواہش ہے کہ یہ زخم بھی کھا کر دیکھیں
لحہ بھر کو ہی سہی اُس کو بخلا کر دیکھیں

شہر میں جشنِ شبِ قدر کی ساعتِ آئی
آج ہم بھی ترے ملنے کی دعا کو دیکھیں

آندھیوں سے جو اُلجھنے کی کک رکھتے ہیں
اک دیا تیز ہوا میں بھی جلا کر دیکھیں

کچھ تو آوارہ ہواؤں کی تھکن ختم کریں
اپنے قدموں کے نشاں آپ مٹا کر دیکھیں

زندگی اب تجھے سوچیں بھی تو دم گھٹنا ہے
ہم نے چاہا تھا کبھی تجھ سے وفا کر دیکھیں

جن کے دڑوں میں خزاں ہانپ کے سو جاتی ہے

ایسی قبروں پہ کوئی پھول سجا کر دیکھیں

دیکھنا ہو تو محبت کے عزاداروں کو
ناشناسائی کی دیوار گرا کر دیکھیں

یوں بھی دنیا ہمیں مقروض کیے رکھتی ہے
دستِ قاتل ترا احساں بھی اٹھا کر دیکھیں

رونے والوں کے تو ہمدرد بہت ہیں محسن
ہنستے ہنستے کبھی دنیا کو رُلا کر دیکھیں



کوئی نئی چٹ پھر سے کھاؤ اُداس لوگو!
کہا تھا کس نے کہ مسکراؤ اُداس لوگو!

گزر رہی ہیں گلی سے پھر ماتمہ ہوئیں
کواڑ کھولو دیئے بجھاؤ اُداس لوگو!

جو رات مقتل میں بال کھولے اُتر رہی تھی
وہ رات کیسی رہی سناؤ اُداس لوگو!

کہاں تلک بام و در چراغاں کیے رکھو مجھے؟
پھرنے والوں کو بھول جاؤ اُداس لوگو!

اُجاڑ جنگل ڈری فضا ہانپتی ہوائیں
یہیں کہیں بستیاں بساؤ اُداس لوگو!

یہ کس نے سہی ہوئی فضا میں ہمیں پکارا؟
یہ کس نے آواز دی کہ آؤ اُداس لوگو!

یہ جاں گوانے کی رُت یونہی رائیگاں نہ جائے!
سر سناں کوئی سر سجاؤ اُداس لوگو!

اُسی کی باتوں سے ہی طبیعت سنبھل سکے گی
کہیں سے محسن کو ڈھونڈ لاؤ اُداس لوگو!

ایک نئے لفظ کی تخلیق

زندگی لفظ ہے
موت بھی لفظ ہے

زندگی کی تراشی ہوئی اولیں صَوْت سے سرحد موت تک
لفظ ہی لفظ ہیں!!

”سانس“ بھی لفظ ہے
سانس لینے کی ہر اک ضرورت بھی لفظوں کی محتاج ہے
آگ، پانی، ہوا، خاک سب لفظ ہیں
آنکھ، چہرہ، جبیں، ہاتھ، لب لفظ ہیں
صبح و شام و شفق، روز و شب لفظ ہیں
وقت بھی لفظ ہے
وقت کا ساز و آہنگ بھی
رنگ بھی سنگ بھی
اسن بھی جنگ بھی
لفظ ہی لفظ ہیں
پھول بھی لفظ ہے
دُھول بھی لفظ ہے
لفظ قاتل بھی ہے
لفظ مقتول بھی
لفظ ہی ”خوں بہا“!
لفظ دستِ دعا!!
لفظ ارض و سما!!!

صبح فصلِ بہاراں بھی اک لفظ ہے
شام ہجر نگاراں بھی اک لفظ ہے
روشنی بزمِ یاراں بھی اک لفظ ہے
محلِ دلفگاراں بھی اک لفظ ہے
”میں“ بھی اک لفظ ہوں

”تو“ بھی اک لفظ ہے!

آ کہ لفظوں کی صورت فضاؤں میں مل کر بکھر جائیں ہم
اک نیا لفظ تخلیق کر جائیں ہم
آ کہ مرجائیں ہم

اے شبِ ہجرِ یاراں!

اے شبِ ہجرِ یاراں!
تری ہچکیاں کون سُٹتا ہے؟
کوئی بھی سنتا نہیں!
جاگتی آنکھ میں خواب کی جھلریں
کون بٹاتا ہے؟
کوئی بھی بٹاتا نہیں!
مسکراتے ستاروں کے انبوہ میں رقص کرتی ہوئی
کہکشاں چھوڑ کر
قریہ مہر و مہتاب کے آئے توڑ کر
لعل و یاقوت و مرجاں بھری وادیوں سے دل و جاں کے
سب رابطے جوڑ کر
سگریزوں کی صورت بکھرتے ہوئے
چند آنسو ترے
کون چُٹتا ہے؟
کوئی بھی چُٹتا نہیں؟

اے شب بجز یاراں، مرے پاس آ
میرے پہلو میں سو جا کہ میں بھی تو اپنے بھرے شہر میں
ہوں اکیلا بہت

میرے پہلو میں سو جا کہ شاید مرے دکھ کی آغوش میں
تجھ کو سکھ سانس لینے کی فرصت ملے

تجھ کو لوری سنائے اُداسی مری

(مدتوں سے ہے آغوش پیاسی مری)

اے شب بجز یاراں

مری ہمسفر!

میں تیرا نوحہ خواں!

میرا آوارہ دل مدتوں سے ترے درد کا چارہ گر!

تو مری مہرباں!

میں ترا ازداں

میری جاں، یوں تو کہنے کو چارہ گر رنج و غم

اک جہاں!!!

پھر بھی میرے سوا

اے شب بجز یاراں، تری ہچکیاں

کون سنتا ہے

کوئی بھی سنتا نہیں.....!!!



زخموں سے گوشہ دل ویراں سجا لیا
ہم نے خزاں میں جشنِ بہاراں منا لیا

سورج سے چال چل کے بیاباں کی دھوپ نے
اک بے کفن درخت کا سایہ پُرا لیا

بربادیوں کی رات! مری بے بسی تو دیکھ
رگرتے ہوئے مکاں نے مرا آسرا لیا

یاروں کا ذکر کیا کہ وفا کی تلاش میں
ہم نے تو دشمنوں کو بھی دل میں بسا لیا

آہٹ سنی ہوا کی تو محسن نے خوف سے
جلتا ہوا دیا تہہ داماں چھپا لیا



چاہت کا رنگ تھا نہ وفا کی لکیر تھی
قاتل کے ہاتھ میں تو جنا کی لکیر تھی

خوش ہوں کہ وقتِ قتل مرا رنگ سرخ تھا
میرے لبوں پہ حرف دعا کی لکیر تھی

میں کارواں کی راہ سمجھتا رہا جسے
صحرا کی ریت پر وہ ہوا کی لکیر تھی

سورج کو جس نے شب کے اندھیروں میں غم کیا
موجِ شفق نہ تھی وہ قضا کی لکیر تھی

گزرا ہے شب کو دشت سے شاید وہ پردہ دار
ہر نقشِ پا کے ساتھ ردا کی لکیر تھی

کل اُس کا خط ملا کہ صحیفہ وفا کا تھا
محسن ہر ایک سطر حیا کی لکیر تھی



پھر وہی میں ہوں وہی شہر بدر سناٹا
مجھ کو دُش لے نہ کہیں خاک بسر سناٹا

دشتِ ہستی میں شبِ غم کی سحر کرنے کو
ہجر والوں نے لیا رنحِ سفر سناٹا

کس سے پوچھوں کہ کہاں ہے مرا رونے والا
اس طرف میں ہوں مرے گھر سے ادھر سناٹا

تو صداؤں کے بھنور میں مجھے آواز تو دے
تجھ کو دے گا مرے ہونے کی خبر سناٹا

اُس کو ہنگامہ منزل کی خبر کیا دو گے؟
جس نے پایا ہو سرِ راہگور - سناٹا

حاصلِ گنجِ قفسِ وہم بکفِ تہائی!
روشنِ شامِ سفرِ تابہ سحر سناٹا

قسمتِ شاعرِ سیما ب صفتِ دشت کی موت
قیمتِ ریزہ الماسِ ہنر سناٹا

جانِ محسنِ مری تقدیر میں کب لکھا ہے
ڈوبتا چاند ترا قربِ گمجز سناٹا



وہ دن کہاں کہ اب کوئی محفل سجائے
اک دل ہے سو اسی سے محبت نبھائے

منسوب کس سے کیجیے اشکوں کے آئینے
اب کس کی راہ میں یہ خزانے لٹائے؟

منظر جو آنکھ میں ہے گنوا دیجیے اُسے
متحیر جو دل پہ ہے اُسے کیسے ہٹائیے

اب کون ہے جو دے ہمیں جینے کا حوصلہ
اتنے دُکھوں میں کس کے لیے مُسکرائے

کب تک کسی کی یاد سے رکھے معاملہ!
آندھی میں اک چراغ کہاں تک جلائیے

محسن جو پل میں توڑ دے صدیوں کی دوستی
اُس بے وفا کی سالگرہ کیا منائیے؟



انکار کیا کرے گی ہوا میرے سامنے

گھر کا ہر اک چراغ بجھا میرے سامنے

یاد آ نہ جائے مقتلِ یاراں کی رات پھر
نیزے پہ کوئی سر نہ سجا میرے سامنے

اُس کے خلوص میں بھی ضرورت کا رنگ تھا
وہ دے رہا تھا مجھ کو دعا میرے سامنے!

مجھ سے پچھڑ کے خط میں لکھی اس نے دل کی بات
کیوں اُس کو حوصلہ نہ ہوا میرے سامنے؟

میرے لہو سے تیرا لبادہ بھی تر ہوا
اب میرا سوگ تو نہ مٹا میرے سامنے

دل پر ہے نقشِ لطفِ عزیزاں کا سلسلہ
سب پر کرم وہ میرے سوا میرے سامنے

وہ جھوٹ ہی سہی مجھے یوں بھی عزیز ہے
کہنا تھا جو بھی اُس نے کہا میرے سامنے

جیسے میں آشنائے چمن ہی نہ تھا کبھی
گزری ہے یوں بھی آج صبا میرے سامنے

وہ لکھ نزلِ قیامت سہی مگر --!
اک دن تو آئے میرا خدا میرے سامنے

کل تک جو آئینے سے بھی نازک مزاج تھا
محسن وہ شخص ٹوٹ گیا میرے سامنے



مل گیا تھا تو اُسے خود سے خفا رکھنا تھا
دل کو کچھ دیر تو مصروف دعا رکھنا تھا

میں نہ کہتا تھا کہ سانپوں سے اُلٹے ہیں رستے
گھر سے نکلے تھے تو ہاتھوں میں عصا رکھنا تھا

بات جب ترکِ تعلق پہ ہی ٹھہری تھی تو پھر
دل میں احساسِ غم یار بھی کیا رکھنا تھا

دامنِ موج ہوا یوں تو نہ خالی جاتا
گھر کی دہلیز پہ کوئی تو دیا رکھنا تھا

کوئی جگنو جہیہ داماں بھی ہٹھا سکتے تھے
کوئی آنسو پسِ مڑگاں ہی بچا رکھنا تھا

کیا خبر اُس کے تعاقب میں ہوں کتنی سوچیں؟
اپنا انداز تو اوروں سے جدا رکھنا تھا

چاندنی بند کواڑوں میں کہاں اترے گی؟
اک دریچہ تو بھرے گھر میں کھلا رکھنا تھا

اُس کی خوشبو سے سجانا تھا جو دل کو محسن
اُس کی سانسون کا لقب موجِ صبا رکھنا تھا



کب تلک اپنی دُہائی دے گا
خود سے کیا خود کو رہائی دے گا؟

آخری بار صدا دے مجھ کو!
پھر مجھے کچھ نہ سنائی دے گا

اسی اُمید پہ دیکھوں ہر سو
وہ اگر ہے تو دکھائی دے گا

پھر وہ یاد آیا ہے لمحہ بھر کو
پھر وہ صدیوں کی جدائی دے گا

دل سے کیا عذرِ محبت کچے!
غیر کیا اپنی صفائی دے گا؟

گنجِ قفس میں پیار کی پہلی سالگرہ

جاناں اک پل آنکھیں کھولو!
آج کے دن تنہائی کیسی؟

دھوپ کی زردی گوشہ زنداں میں یوں اُتری
جیسے ایک اداس مسافر

دشت میں تھک کر بیٹھ گیا ہوا!
آج ہوا کے ہاتھ میں سو کھے پتوں کا گلدستہ کیوں ہے؟
آج فضا خُجستہ کیوں ہے؟

طوق و سلاسلِ مہربان ہیں
سنائے کے بوجھل قدموں کی ہر آہٹ اندیشوں کے سیلِ رواں
میں بہتی جائے

پتھر دل کی سہمی دھڑکن!
زیرِ زباں کچھ کہتی جائے!!

”روزن“ اب تک جاگ رہا ہے

جیسے تو آنے والی ہو!
 جیسے تیرے نرم لبوں کی ریشم کرئیں
 اپنے دامن میں تیری آواز سمیٹے
 میری بند آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھیں اور پوچھیں ”بوجھو!“
 کس کی یاد کا لمس تمہارے گرم لبوں کو چوم رہا ہے؟
 ایک زمانہ گھوم رہا ہے

جاناں! اک پل آنکھیں کھولو!
 دیکھو آج ہمارے پیار کی پہلی سالگرہ کا
 پہلا دن ہے
 پہلا دن کتنا کم سن ہے!!

دیکھو ہر سو گونج رہی ہے جذبوں کی شہنائی کیسی؟
 آج کے دن تہنائی کیسی؟؟
 جانناں! اک پل آنکھیں کھولو!
 طوق و سلاسل مہر بہ لب ہیں
 کچھ تو بولو!!



دلوں میں اُٹھتے ہوئے درو بے کنار کی خیر
 درِ قفس سے اُدھ شام انتظار کی خیر

مزاج طوق و سلاسل کی برہمی کو دُعا
مقام شوق سلامتِ صلیب و دار کی خیر

تھکے تھکے ہوئے قدموں کی آہٹوں کو سلام
بجھی بجھی ہوئی اک ایک رہگزار کی خیر

خراج دینے کو آیا ہے چاندنی کا جلوس
قفس میں خاک نشینوں کے اقتدار کی خیر

کبھی جو دھوپ میں آثارِ آندھیوں کے بڑھے
مسافروں نے کہا 'غفل' سایہ دار کی خیر!

دکانِ شیشہ میں پتھر سجا کے بیٹھا ہے
فقیرِ شہر کے بے سود کاروبار کی خیر

حُکمتِ گل پہ ہیں پہرے صبا ہے خاک بُسر
چمن میں رونقِ ہنگامہ بہار کی خیر!

کڑک رہی ہیں کمانیں عُدو کے لشکر کی
فصلِ شہر کے خوابیدہ پہریدار کی خیر!

مزاجِ موحہ خوشبو میں برہمی ہے بہت
قبائے حسنِ چمن تیرے تار تار کی خیر

کتاب لفظ مہکتے رہیں سدا محسن!

فضائے دشتِ سخن میں ہو خار خار کی خیر!



پھڑپھڑے ہوئے یاروں کی صدا کیوں نہیں آتی
اب روزِنا زنداں سے ہوا کیوں نہیں آتی؟

تو اب بھی سلامت ہے سفر میں تو مسافر!
تیرے لیے ہونٹوں پہ دعا کیوں نہیں آتی

ہتھر ہو تو کیوں خوفِ شبِ غم سے ہو لرزاں؟
انساں ہو تو جینے کی ادا کیوں نہیں آتی

اک پڑ کے سائے سے ہوا پچھ رہی ہے
اب دشت میں مخلوقِ خدا کیوں نہیں آتی؟

چہروں پہ وہ سرسوں کی دھنک کیا ہوئی یارو
ہاتھوں سے وہ خوشبوئے جتا کیوں نہیں آتی

بستی کے سبھی لوگ سلامت ہیں تو محسن
آواز کوئی اپنے سوا کیوں نہیں آتی



درِ قفس سے پرے جب مابا گزرتی ہے
کسے خبر کہ اسیروں پہ کیا گزرتی ہے

تعلقات کبھی اس قدر نہ ٹوٹے تھے
کہ تیری یاد بھی دل سے کفا گزرتی ہے

وہ اب ملے بھی تو ملتا ہے اس طرح جیسے
بچھے چراغ کو پھو کر ہوا گزرتی ہے

فقیر کب کے گئے جنگلوں کی سمت مگر
گلی سے آج بھی اُن کی صدا گزرتی ہے

یہ اہل ہجر کی بستی ہے احتیاط سے چل!
مصیبتوں کی یہاں انتہا گزرتی ہے

نہ پوچھ اپنی انا کی بغاوتیں محسن
درِ قبول سے بچ کر دُعا گزرتی ہے



جن پر ستم تمام قفس کی فضا کے تھے
بجرم وہ لوگ اپنی ہلکت اُٹا کے تھے

اے دشتِ خار ہم سے حسابِ کرم نہ مانگ
پاؤں میں آبلے تھے مگر ابتدا کے تھے

لب پر سجا لیے تھے یونہی اجنبی سے نام
دل میں تمام دُغمِ کسی آشنا کے تھے

پتوں سے بھر رہے تھے ہواؤں کی جھولیاں
گرتے ہوئے شجر بھی سخی اِنہا کے تھے

گہرے سمندروں میں کہاں عکسِ آسماں
پانی میں جتنے رنگ تھے سارے خلا کے تھے

اب دھول اڑھنا بھی میٹر نہیں جنھیں
وارث وہ اہلِ دل کبھی ارض و سما کے تھے

جن سے الجھ رہی تھیں ہواؤں کی شورشیں
محسن وہ دائرے تو مرے نقشِ پا کے تھے



بنام طاقت کوئی اشارہ نہیں چلے گا
اُداس نسلوں پہ اب اجارہ نہیں چلے گا

ہم اپنی دھرتی سے اپنی ہر سمت تلاشیں
ہماری خاطر کوئی ستارہ نہیں چلے گا

حیات اب شامِ غم کی تشبیہ خود بنے گی
تمہاری زلفوں کا استعارہ نہیں چلے گا

چلو سروں کا خراج ٹوک سناں کو بخشیں!
کہ جاں بچانے کا استعارہ نہیں چلے گا

ہمارے جذبے بغادوں کو تراشتے ہیں
ہمارے جذبوں پہ بس تمہارا نہیں چلے گا

ازل سے قائم ہیں دونوں اپنی ضدوں پہ محسن
چلے گا پانی مگر کنارہ نہیں چلے گا



کچھ اس ادا سے مرے یار سرکشیدہ ہوئے
کہ فتح پا کے بھی قاتلِ علمِ دریدہ ہوئے

عجیب طور سے ڈوبا ہے ڈوبنے والا
کہ ساحلوں کے بگولے بھی آبدیدہ ہوئے

جو اپنے سائے کی قامت سے خوف کھاتے ہیں
ہمارے بعد وہی لوگ برگزیدہ ہوئے

میں چپ رہا تو انھیں مجھ پہ انگلیاں کیا کیا
زباں ملی تو مرے حرفِ ناشنیدہ ہوئے

ہماری لاش سے گزرے تو بے خبر گزرے
وہ جن کے نام پہ ہم لوگ سربریدہ ہوئے

جنہیں غرور تھا اپنی سنگری پہ بہت
ستم تو یہ ہے کہ وہ بھی ستم رسیدہ ہوئے

عصائے حق ہے میتر نہ محبتِ دلِ محسن
ہم ایسے لوگ بھی کس سن میں سن رسیدہ ہوئے



گرم سفر عدد کا قبیلہ دکھائی دے
منزل کا اب کوئی تو وسیلہ دکھائی دے

یاد آئیں اپنے خیمہ ویراں کی رونقیں
صحرا میں جب کہیں کوئی ٹیلہ دکھائی دے

دیوار سنگ ہو کہ در گوشہ نفس
سر پھوڑنے کو اب کوئی حیلہ دکھائی دے

شاید غبارِ رنگ میں گم ہیں حقیقتیں
ورنہ یہ آسماں کسے نیلا دکھائی دے

رویا ہے اس قدر کہ اب آنکھیں گلاب ہیں
وہ شخص روٹھ کر بھی نیلا دکھائی دے

محسن جو دے گیا مجھے سانپوں کی بانسری
فکار کس قدر وہ سُریلا دکھائی دے



میں جاں بہ لب تھا پھر بھی اصولوں پہ اُڑ گیا
بجھتا ہوا چراغ ہواؤں سے لڑ گیا

خالی پڑے ہوئے ہیں پرندوں کے گھونسلے
ایسی ہوا چلی کہ ہر اک بیڑ نچھو گیا

کس کس کا ساتھ دے کوئی میلے کی بھیڑ میں
پھر یوں ہوا کہ وہ بھی اچانک پھڑ گیا

میں نے قدم بڑھائے جو صحرا کی دھوپ میں
گھبرا کے میرا سایہ میرے پاؤں پڑ گیا

اُس آئینے کے عکس ہی ٹیڑھے تھے سب کے سب
مجھ کو یہ وہم تھا مرا چہرہ یگو گیا

محسن دلِ غریب کی دیرانیاں تو دیکھ
کیا مگر تھا جو جرے ہاتھوں اُجڑ گیا

میرا توحہ! نہی گلیوں کی ہوا لکھے گی!

میں کہ اس شہر کا سیلاب صفت شاعر ہوں
میری تخلیق مرے فکر کی پہچان بھی ہے

میرے حرفوں مرے لفظوں میں ہے چہرا میرا
میرا فن اب مرا مذہب مرا ایمان بھی ہے

میر و غالب نہ سہی پھر بھی نفیست جانو!
میرے یاروں کے سرہانے مرا دیوان بھی ہے

مجھ سے پوچھو کہ ہلکتا دل و جاں سے پہلے
میرے احساس پہ گزری ہے قیامت کیا کیا؟

سائیہ دار و شب غم کی سخاوت سے الگ؟
میں نے سوچی قد و گیسو کی علامت کیا کیا؟

میرے ٹوٹے ہوئے خوابوں کے خرابوں سے پرے
میرے بکھرے ہوئے جذبے تھے سلامت کیا کیا؟

طنز اغیار سے احباب کے اخلاص تلک
میں نے ہر نعمتِ عظمیٰ کا لبادہ پہنا!

دستِ قاتل کی کشش آپ گواہی دے گی
میں نے ہر زخمِ قبا سے بھی زیادہ پہنا

میری آنکھوں میں خراشیں تھیں دھنک کی لیکن

میری تصویر نے ملبوس تو سادہ پہنا!

ضربتِ سنگِ ملامت مرے سینے پہ بھی!
تمغہِ جرات و اعزازِ حکومت کی طرح

کھل کے بری مری سوچوں پہ عداوت کی گھا
آسمانوں سے اُترتی ہوئی دولت کی طرح

قریبِ قریب ہوئی رسوا مرے فن کی چاہت
کونے کونے میں بکھرتی ہوئی شہرت کی طرح

مجھ پہ کڑکی ہیں کمائیں مرے غنواروں کی
میرے اشکوں کا تماشہ سرِ بازار ہوا

میرے آگن میں حادث کی سواری اُتری
میرا دل وجہِ عذابِ در و دیوار ہوا

عشق میں عزتِ سادات نُہلا کر اکثر!
میر صاحب کی طرح میں بھی گنہگار ہوا

اپنی اُجڑی ہوئی آنکھوں سے شعاعیں لے کر
میں نے بجھتی ہوئی سوچوں کو جوانی دی ہے

اپنی غزلوں کے سخن تاب ستارے چُن کر

سگریزوں کی بھی آشفٹہ بیانی دی ہے

حسنِ خاکِ روِ یاراں سے محبت کر کے
میں نے ہر موڑ کو اک تازہ کہانی دی ہے

مجھ سے روٹھے ہیں مرے اپنے قبیلے والے
میرے سینے میں ہر اک حجرِ ستم ٹوٹا ہے

لفظ و معنی کے تقاضوں سے الجھ کر اکثر!
میرے ہاتھوں مرا مجروحِ قلم ٹوٹا ہے

کربِ ناقدِ رُئی یاراں کے بھنور میں گھر کر
بارہا دل کی طرح شوق کا دم ٹوٹا ہے

میں کہ اس شہر کا سیما ب صفت شاعر ہوں
میں نے اس شہر کی چاہت سے شرف پایا ہے

میرے اعدا کا غضبِ برِ کرم ہے مجھ کو
میرے حباب کی نفرت میرا سرمایہ ہے

میری بکھری ہوئی رسوائی ہے شہرتِ میری
میرے صحرا کی تمازت برا سرمایہ ہے

مطمئن ہوں کہ مجھے یاد رکھے گی دُنیا!
جب بھی اس شہر کی تاریخِ وفا لکھے گی!

میرے گھر کے در و دیوار مجھے سوچیں گے
وسعتِ دشت مجھے آبلہ پا لکھے گی!

میرا ماتم اسی چپ چاپ نفا میں ہو گا
میرا نوحہ انہی گلیوں کی ہوا لکھے گی



چاندنی سوچ صدا راہ گزر آوارہ
صورتِ گردِ سفر اہل سفر آوارہ

تجھ سے بھڑا ہوں تو لگتے ہیں مجھے اپنی طرح
یہ دروبام و دل و دیدہ تر آوارہ

ڈوبتا دن جہاں کرنوں کے نشاں چھوڑ گیا
رات بیکلے گی ہوں تابہ نحر آوارہ

جسم کی قید نہیں لوکِ شاں پر ہی سہی
شہر در شہر پھرے شورشِ سر آوارہ

جب کبھی تیز ہوئی اپنے سفر کی گردش

میں نے دکھے ہیں کئی گھومتے گھر آوارہ

کب تک نقشِ کفِ پائے صبا ڈھونڈھیں گے
ہم بکولوں کی طرح شہر بدر آوارہ!

جب ترا ہجر بھی تسکیں کے بہانے ڈھونڈے
کیوں نہ ٹھہرے مرا معیارِ نظر آوارہ

گھر سے نکلو کہ یہی رسمِ جہاں ہے محسن
بے ہنر گوشہ نشینِ اہل ہنر آوارہ



کب تک یہ عذاب دیکھوں میں
گھر میں صحرا کے خواب دیکھوں میں

اک نہ اک نہ یہ ضد ڈبو دے گی!
سپیاں زیر آب دیکھوں میں

جھین لی ظلمتوں نے پینائی
کیا سڑے آفتاب دیکھوں میں

اپنے اندر جھود طاری ہے!
شہر میں انقلاب دیکھوں میں

روز تیری نشانیاں چاہوں!
روز اپنی کتاب دیکھوں میں

ابر تشنہ لبی کا دشمن ہے
ریت چمکے سراب دیکھوں میں

جس کو پاتا محال ہے محسن
اُس سے ملنے کے خواب دیکھوں میں



ہجر کی شب کا نشان مانگتے ہیں
ہم چراغوں سے دھواں مانگتے ہیں

کس قدر دھوپ ہے صحرا میں کہ لوگ
سایہ لہر رواں مانگتے ہیں

جب رگِ فحل کو ہوا چھیڑتی ہے
ہم ترا لطفِ بیاں مانگتے ہیں

شہر والے بھی ہیں سادہ کتنے
دشت میں رہ کے مکاں مانگتے ہیں

تیرا معیار سخاوت معلوم!
ہم تجھے تجھ سے کہاں مانگتے ہیں؟

دل سے تسکین کی طلب ہے ہم کو
دشمنِ جاں سے اماں مانگتے ہیں

مصعبِ شہر ہے برہم اس پر
لوگ کیوں اذنِ بیاں مانگتے ہیں

صحیحِ مقتل سے گواہی لے لو
سرکشیدہ ہی سناں مانگتے ہیں

آنکھ سے خونِ جگر کی خواہش؟
ہم بھی کیا جلسِ گراں مانگتے ہیں

ہم گولوں سے بھی اکثر محسن
روشن ہمسراں مانگتے ہیں



محبوبوں پہ بہت اعتماد کیا کرنا
بھلا چکے ہیں اُسے پھر سے یاد کیا کرنا؟

اسی سبب سے کیا سر سہرؤ نوک سناں
کہ مجرم بیعت ابن زیاد کیا کرنا

وہ بے وفا ہی سہی اُس پہ تہمتیں کیسی
ذرا سی بات پہ اتنا فساد کیا کرنا

کچھ اس لیے بھی میں پُسا ہوا ہوں مقتل میں
کہ بہر مالِ غنیمت جہاد کیا کرنا

مخالفوں سے تو ممکن ہے دوستی اپنی
منافقوں سے مگر اتحاد کیا کرنا

مسافتیں ہی پہن لیں تو منزلوں کے لیے
اب اعتبارِ رُخِ گرد باد کیا کرنا

نگاہ میں جو اُترتا ہے دل سے کیوں اُترے
دل و نگاہ میں پیدا تضاد کیا کرنا

میں اس لیے اُسے اب تک نہ چھو سکا محسن
وہ آئینہ ہے اُسے سنگ زاد کیا کرنا



یہ جینا کیا ہے رسمِ جاں کئی ہے
مری ہر سانس نیزے کی آئی ہے

کبھی سورج سوا نیزے پر اُترے
یہ کیسی برف کی چادر تھی ہے؟

ہوا ہے یا کوئی نگلی بھکارن؟
یہ بیٹی کس دُکھی ماں نے جنی ہے؟

مرا سایا مجھے چھاؤں نہ دے گا
مری اُس سے پُرانی دُشمنی ہے

وہ شہزادی ہے دونوں موسموں کی
بدن کندن دوپٹہ کاسنی ہے

مری آنکھیں دکان ہیں جوہری کی!
مرا ہر اشک میرے کی کئی ہے

زخ گھل بھیگ جائے گا عقینا
کرن بادل کی چادر میں چھنی ہے

یہ راتیں کھلی سڑکیں سب اُس کی
ترا محسن مقدر کا دھنی ہے

میں سوچتا ہوں!

فراق صبحوں کی بجھتی کرنیں!
وصال شاموں کی جلتی شمعیں!!
زوال زرداب خال و خد سے اُٹے زمانے
یہ ہانپتی دھوپ کا پتی چاندنی سے چہرے!
ہیں میرے احساس کا اثاثہ

بہار کے بے کنار موسم میں کھلنے والے
تمام پھولوں سے بھوٹے رنگ
دشتوں میں گھرے
لبوں کے گھلے درپچوں سے بہنے والے حروف
میری نشانیاں ہیں!

تو میرا نام نہ پوچھا کر.....!

تو میرا نام نہ پوچھا کر

| | | | | | |
|-----|------|------|-----|------|-----|
| میں | تیری | ذات | کا | حصہ | ہوں |
| میں | تیری | سوچ | میں | شامل | ہوں |
| میں | تیری | نیند | کا | قصہ | ہوں |
| میں | تیرے | خواب | کا | حاصل | ہوں |

| | | | | | |
|-----|------|------|-----|--------|-----|
| میں | تیری | یاد | کا | محور | ہوں |
| میں | تیری | سانس | کا | جھونکا | ہوں |
| تو | منظر | میں | پس | منظر | ہوں |
| میں | لحہ | ہوں | میں | جذبہ | ہوں |

جذبے کا کوئی نام نہیں

تو میرا نام نہ پوچھا کر!

آئینہ تو اُجلا ہے!

ہم تو کل بھی کہتے تھے
اپنے عکس کی کالک
دھل سکے تو دھو ڈالو!
عکس کی مباحث کو
”برص“ چاٹ لیتا ہے

ہم تو کل بھی کہتے تھے
اپنی ٹیڑھی آنکھوں کے
جرّ جھمے زاویے بدلو!
زاویے جو تر جھمے ہوں
مستقیم راہوں کا
کب سُراغ ملتا ہے؟

آئینے کی عظمت سے
اب حقارتیں کیسی؟
عکس سے گریزاں ہیں
اب بصارتیں کیسی؟

اپنے آپ سے کب تک؟
یوں نظر چراؤ گے
آئینہ جو توڑ دے

خود بھی ٹوٹ جاؤ گے



کبھی جو عہد وفا مری جاں ترے مرے درمیان ٹوٹے
میں چاہتا ہوں کی اس سے پہلے زمیں پہ یہ آسمان ٹوٹے

تری جدائی میں حوصلوں کی شکست دل پر عذاب ٹھہری
کہ جیسے مَنہ زور زلزلوں کی دھمک سے کوئی چٹان ٹوٹے

اُسے یقین تھا کہ اُس کو مرنا ہے پھر بھی خواہش تھی اُس کے دل میں
کہ تیر چلنے سے بیشتر دُستِ دشمنان میں کماں ٹوٹے

سبھی دلیلیں سنبھال کر بھی مرے وکیلو یہ سوچ لینا
وہیں پہ میری شکست ہو گی جہاں بھی میرا بیان ٹوٹے

فنا کے ٹیلے پہ خیمہ جاں ہوا کے جھونکے سے یوں گرا ہے
کہ جیسے بدقسمتی سے بُزدل شکاریوں کی مچان ٹوٹے

وہ سنگ ہے تو گرے بھی دل پر وہ آئندہ ہے تو چہرہ ہی جائے
کہیں تو میرا یقین پکھرے کہیں تو میرا گمان ٹوٹے

اُجاڑ بن کی اداس رُت میں غزل تو محسن نے چھیڑ دی ہے

کے خبر ہے کہ کس کے معصوم دل پہ اب کے یہ تان ٹوٹے؟



تمام شب یونہی دیکھیں گی سوائے در آنکھیں
تجھے گنوا کے نہ سوئیں گی عمر بھر آنکھیں

طلوع صبح سے پہلے ہی بجھ نہ جائیں کہیں!
یہ دشتِ شب میں ستاروں کی ہمسرا آنکھیں

ستم یہ کم تو نہیں دل گرفتگی کے لیے!
میں شہر بھر میں اکیلا ادھر ادھر آنکھیں

شمار اُس کی سخاوت کا کیا کریں کہ وہ شخص
جراغِ بانٹا پھرتا ہے چھین کر آنکھیں

وہ پاس تھا تو زمانے کو دیکھتی ہی نہ تھیں
بچھڑ گیا تو ہوئیں پھر سے در بدر آنکھیں

ابھی کہاں تجھے پہچاننے کی ضد کچے!
ابھی تو خود سے بھی ٹھہری ہیں بے خبر آنکھیں

میں اپنے اٹک بچاؤں کا کس طرح محسن؟

زمانہ سنگ بکف ہے تو شیشہ گر آنکھیں



مرے سوا سر مقتل مقام کس کا ہے
کہو کہ اب لب قاتل پہ نام کس کا ہے

یہ تخت و تاج و قبا سب انھیں مبارک ہوں
مگر یہ نوکِ سناں احترام کس کا ہے

تمھاری بات نہیں تم تو چارہ گر تھے مگر
یہ جشنِ فتح پس قتلِ عام کس کا ہے؟

ہماری لاش پہ ڈھونڈو نہ اُنکلیوں کے نشاں
ہمیں خبر ہے عزیزو! یہ کام کس کا ہے

فنا کے ہانپتے جھونکے ہوا سے پوچھتے ہیں
جبینِ وقت پہ نقشِ دوام کس کا ہے؟

تمھاری بات تو حرفِ غلط تھی مٹ بھی گئی
اُتر گیا جو دلوں میں کلام کس کا ہے

وہ مطمئن تھے بہت قتل کر کے محسن کو!

مگر یہ ذکر وفا صبح و شام کس کا ہے؟



چوٹ گہری لگی، زخم آئے بہت
اب کے یوں تھا کہ ہم مسکرائے بہت

جس نے پردیس میں یاد رکھا مجھے
مجھ کو اُس کا پتہ بھول جائے بہت

ہر نئے عشق کا اپنا معیار تھا
تجربے ہم نے بھی آزمائے بہت

جس میں شب بھر کو سونے کی فرصت ملے
ہم غریبوں کو بس وہ سرائے بہت

اک تری یاد روشن رہی دیر تک
آندھیوں میں دیئے جھلملائے بہت

اک تری دید کے شوق میں رات بھر
ہم سے الجھے درپچوں کے سائے بہت

اجنبی شہر کے ہر نئے موڑ پر --!
کچھ پُرانے مگر یاد آئے بہت

عکس کوئی بھی ٹھہرا نہ محسن کہیں
دائرے پانیوں پر بنائے بہت



خود اپنے دل میں خراشیں اتارنا ہوں گی
ابھی تو جاگ کے راتیں گزارنا ہوں گی

جرے لیے مجھے ہنس ہنس کے بولنا ہوگا
مرے لیے تجھے زلفیں سنوارنا ہوں گی

تری صدا سے تجھی کو تراشنا ہوگا
ہوا کی چاپ سے شکلیں اُبھارنا ہوں گی

ابھی تو تیری طبیعت کو جیتنے کے لیے
دل و نگاہ کی شرطیں بھی ہارنا ہوں گی

ترے وصال کی خواہش کے تیز رنگوں سے
ترے فراق کی صبحیں نکھارنا ہوں گی

یہ شاعری یہ کتابیں یہ آیتیں دل کی
نشانیوں یہ سبھی تجھ پہ دارنا ہوں گی

مجھے اُس سے محبت تھی.....!

مجھے اُس سے محبت تھی
کہ وہ اُس وقت میرے شہر کی بنجرز میں پر
اُپر نیساں کا بدن اوڑھے
گلابی کاسنی موسم کے سارے زاویے پہنے
چھریے سورجوں کی سات رنگوں میں نہائی
آبشاروں کی طرح بہتی، بہکتی، بولتی، بجتی شعاعوں کی سنہری
اُگلیاں تھامے
بقا کے بام سے دوش ہوا پر نقشِ پا کی دائی خوشبو دھرے
دم توڑتے چہروں
بجھی آنکھوں
جلے رستوں
کٹے پیڑوں کی سُوکھی ٹہنیوں کو سُرخرو موسم کی خوشخبری سنانے
کون جانے کس بہانے آ کے اُتر اُتھا کہ جب
ہر سُو اُدا سی اپنے خیمے نصب کر کے وحشیوں کی
بد نما ڈلہن کی صورت ناچتی تھی اور

میرے شہر کی بنجرز میں کے بے نوا باسی
اُداسی کو ابد کی دیو داسی جان کر اپنے لہو کی نذر دینا
کاراؤل جانتے تھے

مانتے تھے

سب زمینوں کی جبینیں داغنے والوں کو ” اُن داتا“
سنہری بالیوں کا بانگین جن کے بدن کندن بناتا
اُن کے دروازوں پہ آوازوں کو دفنانے کی عادت اک
عبادت تھی!

مجھے اس سے محبت تھی

کہ اُس نے بے نوا لوگوں کے لب بستہ ضمیروں
کو جگا کر

مذتوں سے سر جھکا کر رینگنے والوں کو سینہ تان کر
گردن اٹھا کر

صف بہ صف چاروں طرف نظریں گھما کر
سب زمینوں کی جبینیں داغنے والوں کے چمکیلے گریبانوں کے
ٹانگوں میں

خود اپنے جسم کے رستے لہو سے پھوٹی چنگاریاں بھرنے
کی جرات کا ہنر بخشا

سُلگتے کھر درے ہاتھوں کی محنت کو ہنر بخشا

مجھے اُس سے محبت تھی

کہ اُس نے وہم کے جالے میں اُلجھی فاختاؤں کو

چمکتے آسمانوں کی بشارت دی

بھی دھرتی کی شریانوں میں سہے خون کو تازہ حرارت دی

مجھے اُس سے محبت تھی

کہ اُس نے دار کے ماتھے پہ زخمی انگلیوں سے
زندگی کا نام لکھ کر

اپنے ”ہونے“ کا بھرم رکھا
کہ اُس نے عہد کے سارے اندھیرے چیر کر
سچ کے سویرے میں قدم رکھا



ڈھلے گی وحشی جدائیوں کی یہ رات آخر
چلے گی اپنے وصال سورج کی بات آخر

ہماری تشنہ لبی کے تیور یہ کہہ رہے ہیں
ہمارے پاؤں پڑے گی م۔وِج فرات آخر

وہ پھیلتا جا رہا تھا شعلوں میں خط کسی کے
جلا دیئے اُس نے اپنے نازک سے ہات آخر

بکھلا دیا تیرا ریزہ ریزہ خیال میں نے
بکھر گئی تیرے درد کی کائنات آخر

فلکست کھا کر دلیر دہن کی خودکشی سے
پلٹ گئی اپنے اپنے گھر کو برات آخر

مجھے خود اپنی انا کے سونے کی جستجو تھی
گرا دیا میں نے ذات کا سومات آخر

یہ ہر قدم پر جو ٹھوکریں کھا رہا ہے محسن
یہ شخص کھائے گا آپ اپنے سے مات آخر



خالق میری خاطر یہ قربانی دے
میرے شہر کو دل جیسی ویرانی دے

کالی وحشی رات کے حبشی پیکر کو
دودھ نہائی صبحوں کی عریانی دے

سورج ہے تو دھوپ اگا ہر جنگل میں
بادل ہے تو پیاسے پھڑ کو پانی دے

نجر لفظ کو طور سکھا سیلابوں کا
سوکھے ذہن کو دریا کی طغیانی دے

میری سوچ بڑھاپے تک آ پہنچی ہے

مجھ کو پھر سے بچپن کی نادانی دے

جن کے گھر میں درد کی دولت بٹی ہے
مجھ کو ایسے لوگوں کی درباری دے

جن کی تہہ میں مجید اُترتے رہتے ہیں
مجھ کو ایسی آنکھوں کی حیرانی دے

محسن تجھ کو یاد کرے کس ناطے سے؟
جانے والے کوئی خاص نشانی دے



اگرچہ میں اک چٹان سا آدمی رہا ہوں
مگر ترے بعد حوصلہ ہے کہ جی رہا ہوں

وہ ریزہ ریزہ مرے بدن میں اُتر رہا ہے
میں قطرہ قطرہ اُسی کی آنکھوں کو پی رہا ہوں

تری ہتھیلی پہ کس نے لکھا ہے قتل میرا
مجھے تو لگتا ہے میں ترا دوست بھی رہا ہوں

کھلی ہیں آنکھیں مگر بدن ہے تمام پتھر

کوئی بتائے میں مر چکا ہوں کی جی رہا ہوں

کہاں طے گی مثال میری سنگری کی؟
کہ میں گلابوں کے زخم کانتوں سے سی رہا ہوں

نہ پوچھ مجھ سے کہ شہر والوں کا حال کیا تھا
کہ میں تو خود اپنے گھر میں بھی دو گھڑی رہا ہوں

ملا تو بیٹے دنوں کا سچ اُس کی آنکھ میں تھا
وہ آشنا جس سے مدتوں اجنبی رہا ہوں

بھلا دے مجھ کو کہ بے وفائی بجا ہے لیکن
مگنوا نہ مجھ کو کہ میں تری زندگی رہا ہوں

وہ اجنبی بن کے اب طے بھی تو کیا ہے محسن
یہ ناز کم ہے کہ میں بھی اُس کا کبھی رہا ہوں

غم سُم سی رہگور تھی کنارہ ندی کا تھا
پانی میں چاند چاند میں چہرہ کسی کا تھا

اب زندگی سنبھال کے لیتا ہے تیرا نام
یہ دل کی جس کو شوق کبھی خود کشی کا تھا

کچھ ابر بھی تھے بانجھ زمیں سے ڈرے ہوئے
کچھ ذائقہ ہوا میں مری تنگی کا تھا

کہنے کو ڈھونڈتے تھے کبھی اپنے خدوخال
ورنہ مری غزل میں تو سب کچھ اُسی کا تھا

وہ احتیاط جاں تھی کہ بے ربطی خیال
سائے پہ بھی گمان مجھے آدمی کا تھا

مشکل کہاں تھے ترکِ محبت کے مرحلے
اے دل مگر سوال تری زندگی کا تھا

وہ جس کی دوستی ہی متاعِ خلوص تھی
محسن وہ شخص بھی مرا دشمن کبھی کا تھا

ہمارے ڈوبنے والوں کو کون روتا ہے؟
کہ زہر آب پڑی ہیں کچھ اور لاشیں بھی!

مرے لہو کی امانت عدو کا زہر ستم!
مرے بدن کا اتاڑ تری خراشیں بھی!

کہاں تک میں ہرانے دنوں کا عشق لکھوں؟
یہ لوگ اب کوئی تہمت نئے تراشیں بھی!

میں نے اکثر خواب میں دیکھا !.....!

میں نے اکثر خواب میں دیکھا
خوف تراشے کہساروں کی گود میں جیسے
اک پتھر بلی قبر بنی ہے
قبر کی اُجلی پیشانی پر
دُھندلے میلے شیشے کی تختی کے پیچھے
تیرا نام لکھا ہے
تیرا میرا نام کہ جس میں
شیشے پتھر جیسی کوئی بات نہیں ہے
تیری شہرت میں بھی

میری رسوائی کا ہات نہیں ہے

پھر بھی!

سوچو!!

میں نے اکثر خوب میں دیکھا!!!



اب کیا علاج زخمِ دل زار سوچنا؟
گر سوچنا بھی ہے تو سردار سوچنا

جب بھی چمن میں خال و خدِ یار سوچنا
ہر برگِ گل کو ریزہ رخسار سوچنا

دل پر قیاسِ وسعتِ صحرا تراشنا
خود کو رہینِ کوچہ و بازار سوچنا

منظرِ بظرفِ دیدہ بے خواب باندھنا
مطلبِ بقدرِ فکرِ طرحدار سوچنا

دن بھر سخاوت لبِ احباب ڈھونڈنا
شب کو عطاءِ گیسوئے دلدار سوچنا

قطرے میں گونجتا ہو جو دریا کا بانگین
ذرتے کو بھی اٹائے کہسار سوچنا

تجھ سے بچھڑ کے اب کے تو یوں ہے کہ بزم میں
بے سود بولنا کبھی بے کار سوچنا

اے اہل دشت آبلہ پائی کی لذتیں!
اک ہل کو زیر سایہ دیوار سوچنا

محسن لگی نا چوٹ نئی پھر خلوص میں
میں نے کہا نہ تھا کہ مرے یار سوچنا



کب تک تو اُدھچی آواز میں بولے گا؟
تیری خاطر کون دریچہ کھولے گا؟

اپنے آنسو اپنی آنکھ میں رہنے دے!
ریت پہ کب تک ہیریموتی رولے گا؟

آؤ شہر کی روشنیاں ہی دیکھ آئیں!
کون ہماری خالی جیب ٹولے گا؟

لاکھ مرے ہونٹوں پر چُپ کی مُہریں ہوں
میرے اندر کا فنکار تو بولے گا!

دیکھ وہ اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے
اپنا سارا زہر تجھی میں گھولے گا

اے سوداگر چاہت کی جاگیروں کے!
کس میزان میں تو اس جنس کو تولے گا

محسن اُس کی نرم طبیعت کہتی ہے!
پُل دو پُل وہ میرے ساتھ بھی ہولے گا

اُزل سے دستِ بَریدہ اُٹھائے پھرتا ہوں
(نذرِ اقبال)

مجھے خود اپنی خموشی سے کچھ گلا بھی نہیں
بھرے جہاں میں کوئی تیرا ہمنوا بھی نہیں
بہت کہوں بھی کہ زندہ ہے دل مگر اس میں
شعورِ درد و مذاقِ خودی رہا بھی نہیں

تری نگاہ تو سورج کی سجدہ گاہ بنی!
 مری نگاہ مگر خود سے آشنا بھی نہیں
 نئے زمان و مکاں کی نئی فضاؤں میں
 گئی رُتوں کے تصور کا نقشِ پا بھی نہیں
 مجھے خود اپنے ہی اشکوں سے شرم آتی ہے
 یہ کیا کہ دھوپ بھی چمکی ہے میں جلا بھی نہیں

صدائے سخن فیلوں ہو کہ ضربِ اِلا اللہ
 وہ نیند ہے کہ کوی ذہن جاگتا بھی نہیں
 جری اذانِ سحر ہو کہ دل کا نالہ شب
 کسی صدا کی ساعت کا حوصلہ بھی نہیں
 وہ خامشی ہے کہ ڈرتا ہے دل دھڑکنے سے
 وہ تیرگی ہے کہ جگنو کا آسرا بھی نہیں

مرے وطن کے مقصور میں تجھ سے نادم ہوں
 جڑے شعور کے خاکے گنوا دیے میں نے
 مرے لبوں پہ سجایا تھا جن کو تو نے کبھی
 وہ گونجتے ہوئے نغمے بھلا دیے میں نے
 رواں تھا جن میں لہو گم شدہ زمانوں کا
 کئی دنوں سے وہ بازو کٹا دیے میں نے
 ہوائیں جن کی صدا کیلئے ترستی ہیں
 وہ لفظ گوشہ دل میں چھپا دیے میں نے
 تری نوا جنہیں سوزِ گلو سکھاتی تھی
 ہرے شجر سے وہ پنچھی اڑا دیے میں نے

میں عصرِ نو کا وہ ٹوٹا ہوا ستارہ ہوں
 جسے نصیب ہوئی شہرِ جاں میں دربدری
 میں خود مریض ہوں اعطاً تھکے ہوئے ہیں مگر
 مرے بدن پر بھی ہے قبائے چارہ گری
 ازل سے دستِ بڑیدہ اٹھائے پھرتا ہوں
 مگر مجھی سے ہے منسوب رسمِ بخیہ گری
 بدن سے برف کی چادر ہٹا نہیں سکتا
 مگر مجھی سے ہے قائم وقارِ حُعلہ سَری

مرے وطن کے مقور میں تجھ سے نادم ہوں
 کہ عصرِ نو کے تقاضوں میں کھو سکتا
 یہ انتہا ہے مری تیرہ بختیوں کی کہ میں
 خود اپنی مرگِ آنا پر بھی رو نہیں سکتا
 ترے خیال کے گہرے سمندروں کی قسم
 میں اپنا دارغِ جبین تک بھی دھو نہیں سکتا

حیات بھیکتے ہونٹوں کی مسکراہٹ ہے
 جنوں ضمیرِ شر کے سوا کچھ اور نہیں!
 اگر ہے روح سفر میں ازل سے تا بہ ابد
 تو جسمِ گردِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں
 مجھے دعا کا سلیقہ نہ آسکا اب تک
 کہ میں ہلاکِ سفر کے ہوا کچھ اور نہیں
 میں جاں بہ لب ہوں مگر اے مرے مسیحِ نفس!
 ”مرا علاجِ نظر کے سوا کچھ اور نہیں“



وہ دن کتنے پختے تھے جب ساتھی سب بچے
 تھے
 نچی رت بچ بچیتھی
 بچ کے سوچ سمندر میں
 بچے پار اترتے تھے
 یار کھڑے تو کچے تھے
 بچے حرف ہی سیکھے تھے
 ورنہ ہم کب ایسے تھے
 اب تک کیا بچ سوچے تھے
 اُس کے زیور جھوٹے تھے
 دل کے زخم ہی گہرے تھے
 اس کے کپڑے اُبلے تھے
 چاند ستارے کس کے تھے؟
 پھر بھی دریا پیاسے تھے
 خواب مہکتے جاتے تھے
 ہم آوارہ بھرتے تھے
 جس کو بچ نے مار دیا
 اب کب تک بچ بولیں گے؟
 جس کو بچ پہنایا تھا
 چارہ گروں کو کیا کہیے!
 اُس کی سوچ کا ذکر نہیں
 سورج پوچھتا پھرتا ہے
 ساون ٹوٹ کے برساتا تھا
 کس نے زلف بکھیری تھی؟
 جب تک تو نزدیک نہ تھا

محسن سڑکے ہیڑوں سے

بادل کتنے اُنچے تھے



سانس لیتا ہوں آگہی کے لیے
زندگی وقف ہے علی کے لیے

آسماں جھک رہا ہے صدیوں سے
علم کے در پہ بندگی کے لیے!

ہجر کی شام جلنے لگتے ہیں
ماتمی داغ روشنی کے لیے

ہے ہوائے بہشت سرگرداں
کربلا کی ہر اک گلی کے لیے

ساحلوں سے اُلجھ پڑے دریا
ایک پیاسے کی دوستی کے لیے

مسکراہٹ اداس کرتی ہے
میں تو روتا ہوں تازگی کے لیے

رہگوارِ نجف ہی کافی ہے!
ہم فقیروں کی رہبری کے لیے

جو ستم سہ کے چپ رہا محسن
کوئی مجلس پڑھوں اسی کے لیے



پل بھر کو مل کے آجِ شناسائی دے گیا
اک شخص، ایک عمر کی تنہائی دے گیا

آیا تھا شوقِ چارہ گری میں کوئی مگر
کچھ اور دل کے زخم کو گہرائی دے گیا

بھڑا تو دوستی کے اثاثے بھی بٹ گئے
شہرت وہ لے گیا مجھے رسوائی دے گیا

کس کی برہنگی تری پوشاک بن گئی
کس کا لہو تھا جو تجھے رعنائی دے گیا

اب رگن رہا ہوں چاکِ گریباں کی دھجیاں
دیوانگی کا شوق یہ دانائی دے گیا

تیرے بدن کا لمس کہاں یاد تھا مجھے
جھونکا ہوا کا درس پذیرائی دے گیا

کیونکر نہ زندگی سے زیادہ عزیز ہو
محسن وہ زخم بھی تو مرا بھائی دے گیا



زندگی بے قرار بھی تو نہیں
اب ترا انتظار بھی تو نہیں

ترک عہد وفا عذاب سہی
دل مگر شرمسار بھی تو نہیں

کس پہ افشا ہوں وحشتیں اپنی
پیرہن تار تار بھی تو نہیں

سرفرازی پہ ناز کون کرے؟
سرخرو شاخ دار بھی تو نہیں

قافلہ کس طرف گیا ہوگا؟
رہگور میں غبار بھی تو نہیں

راحتیں کس حساب میں لکھیے؟
رنجشوں کا شمار بھی تو نہیں

جانتے ہیں وہ بے وفا ہے مگر
دل پہ اب اختیار بھی تو نہیں

رنگِ عکسِ خزاں بھی کیا لینا؟
سر پہ قرضِ بہار بھی تو نہیں

دل سے رودادِ غم کہوں کیسے
دل مرا رازدار بھی تو نہیں



اک پگلی مرا نام جو لے شرمائے بھی گھبرائے بھی
گلیوں گلیوں مجھ سے ملنے آئے بھی گھبرائے بھی

رات گئے گھر جانے والی غمِ سُم لڑکی راہوں میں
اپنی اُبھی زلفوں کو سلجھائے بھی گھبرائے بھی

کون پھڑک پھر لوٹے گا کیوں آوارہ پھرتے ہو؟
راتوں کو اک چاند مجھے سمجھائے بھی گھبرائے بھی

آنے والی رُت کا کتنا خوف ہے اُس کی آنکھوں میں
جانے والا دُور سے ہاتھ ہلائے بھی گھبرائے بھی

کیا جانے وہ کون ہے محسن جس کی خاطر راتوں کو
تیز ہوا پانی پر نقش بنائے بھی گھبرائے بھی

اے چارہ گرِ امنِ دو عالم
تو کہاں ہے؟

یہ کون سخی ہے کہ روِ دل زدگاں میں
گلنار ستاروں کے گھر بانٹ رہا ہے؟
یہ کون مسافر ہے کہ ہیرِ غم جاں میں
جاگیرِ دل و دیدہ تر بانٹ رہا ہے
یہ مشتری جنسِ وفا کون ہے دیکھو!
اس دور میں جو نقدِ ہنر بانٹ رہا ہے
اے تیرہ نصیبو اسے پوچھو کہ یہ تاجر
سودائے سر و دروِ جگر بانٹ رہا ہے
اے کم نظرو! اس کی پرستش کہ یہ فنکار!
بے دام و درم شمس و قمر بانٹ رہا ہے

یہ کون سنخور ہے کہ قاتل کی گلی میں
 زنجیر کی جھنکار سے بچتا ہے ترانے
 الہام پہ الفاظ کا ملبوس سجا کر
 بھرتا ہے تہی دست خیالوں کے خزانے
 آندھی میں سجائی ہیں چراغوں کی قطاریں
 کہسار پہ تعمیر کیے آئینہ خانے
 آنکھوں میں ستاروں کی طرح عکسِ شب و روز
 مٹھی میں لکیروں کی طرح بند زمانے!
 یہ دل کا کہا مان کے سرور بھی خوش بھی
 تقدیر کے فرمان کو مانے کہ نہ مانے!

یہ کون ہنر ور ہے کہ جس نے سرِ مقل!
 ہر دار کی ٹہنی کو کیا خون سے ٹھہر گئے
 آفاق کی وسعت ہے اسے گوشہ زنداں
 احساس کے پیکر پہ تخیل کی قبا تنگ
 ہر موج مئے شید رگِ جاں کا کفارہ
 ہر قطرہ خوناب کی تابش پہ سحر دنگ
 پلکوں پہ چمکتی ہوئی خاکِ روِ یاراں!
 پابوس کی ٹھوکر پہ فرِ افسرد اورنگ

اس خلوتی خاک نشینانِ وطن نے
 ٹھکرا دیا ملبوسِ زر و اطلس و کنوَاب
 رُوخی ہوئی اک صبح کی تسکین کی خاطر
 تاریکیِ شب سے بھی تراشے کئی مہتاب
 دروازہ زنداں پہ رقم ہے یہ گواہی

آتے ہیں اسے خانہ زنجیر کے آداب
یہ گوشہ نشیں ہو تو صبا سے بھی گریزاں
نکلے جو سفر پر تو سمندر بھی ہیں پایاب

اے صبحِ ازل یہ ترا مجروحِ مؤذن
اے شامِ ابد یہ تری منزل کا نشان ہے
اے مریم ہستی یہ ترا چشمہ آواز!
اے روحِ مسیحا یہ ترا نطقِ رواں ہے
اے جذبہ سقراط ترا صدقِ مکمل!
اے حکمتِ لقمان یہ سرمایہ جاں ہے
گو بارشِ سنگ اس پہ برستی رہی پھر بھی
یہ رونقِ صد انجمنِ شیشہ گراں ہے
سو بار یہ مصلوب ہوا ہے سرِ بازار
پھر بھی سخنِ ہنشتہ بخوں زیرِ زباں ہے
اے نوعِ بشر اس کی جراحت کا مداوا
اے عظمتِ آدمؑ یہ ترا مرثیہ خواں ہے
دم توڑ رہا ہے ترے خوابوں کا پیہر
اے چارہ گرِ آسنِ دو عالم تو کہاں ہے؟



وہ ماہتاب جو ڈوبا ہوا ملال میں تھا

مجھے خبر ہی نہیں ہے میں کس خیال میں تھا

فلکست کھا کے بھی میں سُرخرو سا لگتا ہوں
کہ دوستی کا مزا دمنشوں کی چال میں تھا

خراش تھی میرے رُخ پر کہ وہم آنکھوں میں؟
تمام بھید ترے آئینے کے بال میں تھا

عُروجِ نوکِ سناں جب ہوا نصیب مجھے
فلک پہ کانپتا سورج حدِ زوال میں تھا

میں ٹوٹتے ہوئے پتے سنبھالتا کب تک
کہ زرد زہر تو پیڑوں کی ڈال ڈال میں تھا

جرا خلوص پرکھنے کا وقت ہی نہ ملا
کہ میں اسیر تری نفرتوں کے جال میں تھا

کب اُس نے ٹوٹ کے چاہا تھا یوں مجھے محسن
یہ معجزہ بھی نہاں اب کے ماہ و سال میں تھا

بظاہر لوگ کتنے مہرباں تھے
مگر دُکھ بانٹنے والے کہاں تھے

لیوں پر مسکراہٹ کی دھنک تھی
لہو نچھوڑے خن زیرِ زُباں تھے

جو منزل آشنا تھے وہ مُسافر!
پس خاکِ غبارِ کارواں تھے

میں ایسے شہر کا باسی تھا جس میں
مکیں پھرتے تھے شیشے کے مکاں تھے

جلا جب آشیاں تو ہم نے جانا
کہ تینکے بھی ہوا کے رازداں تھے

کسی نے حال تک پوچھا نہ محسن
ہم اہلِ دل بھی کتنے رائیگاں تھے



زُباں رکھتا ہوں لیکن پُچپ کھڑا ہوں

میں آوازوں کے بن میں گھر گیا ہوں

برے گھر کا درپہ پڑھتا ہے!
میں سارا دن کہاں پھرتا رہا ہوں؟

مجھے میرے سوا سب لوگ سمجھیں
میں اپنے آپ سے کم بولتا ہوں

ستاروں سے حد کی انتہا ہے
میں قبروں پر چراغاں کر رہا ہوں

سنجھل کر اب ہواؤں سے اُلجھنا
میں تجھ سے بیشتر بچنے لگا ہوں

مری قربت سے کیوں خائف ہے دُنیا
سمندر ہوں میں خود میں گونجتا ہوں

مجھے کب تک سیٹے گا وہ محسن؟
میں اندر سے بہت ٹوٹا ہوا ہوں



چہرے پڑھتا، آنکھیں لکھتا رہتا ہوں
میں بھی کیسی باتیں لکھتا رہتا ہوں؟

سارے جسم درختوں جیسے لگتے ہیں
اور ہانہوں کو شائیں لکھتا رہتا ہوں

تجھ کو خط لکھنے کے تیور بھول گئے
آڑی ہر چھی سطریں لکھتا رہتا ہوں

تیرے ہجر میں اور مجھے کیا کرنا ہے؟
تیرے نام کتابیں لکھتا رہتا ہوں

تیری زلف کے سائے دھیان میں رہتے ہیں
میں صُبحوں کو شائیں لکھتا رہتا ہوں

اپنے پیار کی پھول مہکتی راہوں میں
لوگوں کو دیواریں لکھتا رہتا ہوں

تجھ سے بل کر سارے دکھ دُہراؤں گا
ہجر کی ساری باتیں لکھتا رہتا ہوں

سوکھے پھول کتابیں زخمِ جدائی کے

تیری سب سوغاتیں لکھتا رہتا ہوں

اُس کی بھیگی پلکیں ہستی رہتی ہیں
محسن جب تک غزلیں لکھتا رہتا ہوں



خسیں لگتا تھا ہم نے جن دنوں میں اُس کو دیکھا تھا
بہتی موسموں، بھیگی رُتوں میں اُس کو دیکھا تھا

اُسی کے عکس نے آنکھیں خمارِ خواب سے بھر دیں
چمکتے چاند جیسے آئینوں میں اُس کو دیکھا تھا

جسے اب ریت کے کچے گہر دوں سے محبت ہے
سمندر کے سنہرے پانیوں میں اُس کو دیکھا تھا

جو تنہائی کی چادر اوڑھ کر سوتا ہے رستوں میں
کبھی اس شہر کی سب محفلوں میں اُس کو دیکھا تھا

بگولوں کو پہن کر اب جو صحرا میں بھٹکتا ہے
مُحَاب و یاسمن کے جنگلوں میں اُس کو دیکھا تھا

جو اپنے قریبِ دل کی اُداسی سے بہلتا ہے
گھٹاؤں میں گہری غم بستیوں میں اُس کو دیکھا تھا

ضرورت ہے جسے اب دھوپ کا اُجلا کفن محسن
بدن پر برف اوڑھے پرہتوں میں اُس کو دیکھا تھا



اس حبسِ بے خلل کی ادا پر نہ جائیو!
اب گھر کے بام و در بھی سنبھل کر سجاؤ

تو حیرتوں کی زد میں گہری موجِ کمِ شام
میں سیلِ بے کنارِ مرے منہ نہ آئیو!

آنکھوں میں ایک اشک ہے باقی ہوئے شام
یہ آخری دیا ہے اسے مت بجائیو!

ہونا ہیں آسماں سے ”شہابوں“ کی بارشیں
گر ہو سکتے تو گھر کا اندھیرا بجائیو

یا عام کچھ نہ جوں کی حکایتیں!
یا شہر چھوڑ دیجئے صحرا بسائیو!

ہر شخص کب سنبھال سکے گا متاعِ درد؟
ہر شخص کو نہ اپنی کہانی سنائیو!

محسن دیار ہجر میں لازم ہے احتیاط
رستہ کٹھن سہی کہیں ٹھوکر نہ کھائیو



محبوبوں میں اڈیت شاز کتنی تھیں!
پھرتے وقت وہ آنکھیں اداس کتنی تھیں!

فلک سے جن میں اُترتے ہیں قافلے غم کے
مری طرح وہ فہیں اُس کو راس کتنی تھیں

غلاف جن کی لحد پر چڑھائے جاتے ہیں
وہ ہستیاں بھی کبھی بے لباس کتنی تھیں؟

پھرتے کے تجھ سے کسی طور دل بہل نہ سکا

نشانیاں بھی تری میرے پاس کتنی تھیں!

اتر کے دل میں بھی آنکھیں اُداس لوگوں کی
اسیر وہم و رُخس ہراس کتنی تھیں!

وہ صورتیں جو نکھرتی تھیں میرے اٹکوں سے
پھمڑ کے پھر نہ ملیں ناپاس کتنی تھیں

جو اُس کو دیکھتے رہنے میں کٹ گئیں محسن
وہ ساعتیں بھی محیظِ حواس کتنی تھیں



یہ سال بھی اُداس رہا رُخسہ کر گیا
تجھ سے ملے بغیر دسمبر گزر گیا

عُمرِ رواں خزاں کی ہوا سے بھی تیز تھی
ہر لمحہ برگِ زرد کی صورت بکھر گیا

کب سے گمرا ہوا ہوں بگولوں کے درمیاں؟
صحرا بھی میرے گھر کے دروبام پر گیا

دل میں چلتے چلتے وہموں کے بوجھ سے

وہ خوف تھا کہ رات میں سوتے میں ڈر گیا

جو بات معتبر تھی وہ سر سے گزر گئی!
جو حرف سرسری تھا وہ دل میں اتر گیا

ہم عکسِ خونِ دل ہی لٹاتے پھرے مگر
وہ شخصِ آنسوؤں کی دھنک میں نکھر گیا

کیا دشمنی تھی چاند کو گھر کے چراغ سے؟
گھر بُجھ گیا تو چاند ندی میں اتر گیا

محسن یہ رنگِ روپ یہ رونقِ بجا مگر
میں زندہ کیا رہوں کہ میرا جی تو بھر گیا

اس سے پہلے کہ ہم.....!

اس سے پہلے کہ ہم
اپنے اپنے سفر کا ارادہ کریں

اس سے پہلے کہ سورج کی پہلی کرن
شب کی شہِ رگ میں پھیلے ہوئے زہر میں ڈوب کر
دل کی دھڑکن کو ڈسنے لگے

اس سے پہلے کہ آنکھوں پہ ہر سمت سے
ہجر کا کرب کا جل برسنے لگے

اس سے پہلے کہ نیندوں کی دیراں سرائے میں سوئے ہوئے

خواب ڈرنے لگیں
اس سے پہلے کہ ہم
اپنے اپنے اندھیرے کی تنہائیوں میں اترنے لگیں
(فکرِ شام و صحرے گزرنے لگیں)
آؤ اپنے گزشتہ شب و روز کی دھوپ چھاؤں سے
مہکے ہوئے موڑ پر

گر درِ نچ و اُلم سے انی سپیاں
”درِ گزر“ کی دہلی خواہشوں سے بھریں
کھل کے باتیں کریں!!
آخری بار اک دوسرے کے لیے
اپنے دیدہ و دل کے افق پر رقم حرفِ سادہ کریں
آخری بار انکسوں سے دل میں چراغاں
زیادہ کریں

اس سے پہلے کہ ہم
اپنے اپنے سنرکا ارادہ کریں!!

ظلمت و اندک



میر تقی میر



تمام کتب بغیر کسی مالی فائدے کے پی ڈی ایف میں
تبدیل کی جاتی ہیں۔
کتابی مواد کی ذمہ داری مصنف پر ہے۔

سید حسین اسحاق -
ایڈیٹر۔ فیس بک گروپ

03448183736
03145951212



محسن نقوی

طلوع اشک

طلوع اشک

محسن نقوی

محسن طلوع اشک دلیل سحر بھی ہے
شب کٹ گئی چراغ بجھا دینا چاہیے

ترتیب

☆ انتساب
☆ بے وارث لحوں کی مقل میں محسن نقوی

غزلیں ، نظمیں

- 1- تڑ ہوئے شخص میں کبھی خاک پہن کر آئے
- 2- اشک اپنا کہ تمہارا نہیں دیکھا جاتا
- 3- اب اے میرے احساسِ بچوں، کیا مجھے دینا
- 4- تمہارے موسم کو شب و حدِ چمن میں گھلا
- 5- رشتہ و تشنہ لہی وقت سے جوڑا جائے
- 6- رات ہمارا غم شناس، تھادہ مگر وہ تو نہ تھا
- 7- زندگی لوگ جسے مرہم غم جانتے ہیں
- 8- ہم ایسے لوگ بھت ہیں
- 9- مغرور ہی سہی مجھے اچھا بہت لگا
- 10- عجیب خوف مسلط تھا کل حویلی پر
- 11- طلب کو اجر نہ دوں، فکر رہے نہ کروں
- 12- شکل اُس کی تھی دلبروں جیسی
- 13- سالگرہ
- 14- جگنو، گھر، چراغ، اجالے تو دے گیا
- 15- سانسوں کے اس ہنر کو نہ آساں خیال کر
- 16- کچھ تو عہدِ خوں فشانی اور ہے
- 17- تمہیں کس نے کھا تھا
- 18- ابھی کہاں ہے وہ ساعت؟
- 19- خوشبو ہے، دھنک ہے چاندنی ہے
- 20- لگے نہ کیوں خود سے مجھ کو پیارا، کبھی سمندر کبھی ستارہ
- 21- سخنور وی کا جو محسن کبھی ارادہ کرو
- 22- جب ہجر کے شہر میں دھوپ اُتری میں جاگ پڑا تو خواب ہوا

- 23- نظارہ جمال میں شامل ہے آئینہ
- 24- بوائے ہجر میں جو کچھ تھا اب کے خاک ہوا
- 25- آنکھ میں بے کراں ملال کی شام
- 26- اے مری بے سھاگ تھائی
- 27- ہمارے بعد سفیر صبا ہے آخر کون؟
- 28- کب سے تم نے اپنا یا اس طرح کا ہو جانا
- 29- زندگانی کی رَمق مانتے ہیں
- 30- رہرو جادہ بقا بھی نہیں
- 31- اے مرے کم نشاں!
- 32- کبھی یاد آؤ تو اس طرح.....!
- 33- اور دے گی سفر کو طول ہوا
- 34- میں کہاں تیری داستاں سے الگ؟
- 35- ضدوں سمیت کبھی دل کو چھوڑنا ہوگا
- 36- بول ہوا اُس پار زمانے کیسے ہیں
- 37- سو بار اُجڑ کے پھر بسا ہوں
- 38- قبیلے والو!
- 39- قدیر جو ہے جو پندار سمیت
- 40- موسمِ کرب انتظار بھی چھوٹ
- 41- تن پہ اوڑھے ہوئے صدیوں کا دُھواں شامِ فراق
- 42- دیکھ رہیں احتیاطیوں نہ ابھی سنبھل کے چل
- 43- اِس دُھوپ میں یہ فیض بھی اب مرحمت نہ کر
- 44- شامِ افسردہ سے کھدو کہ قریب آجائے
- 45- رات کی زلفیں برہم برہم
- 46- سجا کے سر پہ ستاروں کا تاج رکھتا ہے
- 47- وہ چھوڑ کر جو مل گیا پھر سے
- 48- یہ خوشی کے بکھر جانے کا موسم!
- 49- فنکار ہے تو باتھ پہ سورج سجا کے لا
- 50- دل میں اور چشمِ تر میں کیا کچھ تھا
- 51- میرے کمرے میں اُتر آئی غموشی پھر سے!
- 52- اتنی فرصت نہیں اب اور تَحَن کیا لکھنا؟
- 53- اس کو بچنے سے بچالے اے غمِ یار کی رات
- 54- کبھی غزل میں در آیا کھی فسانہ ہوا
- 55- برا ہونا نہ ہونا.....!

- 56- پاگل لڑکی
- 57- میرے نام سے پھلے
- 58- دُور تک پھیلا ہے صحرائے آجل
- 59- وسعتِ چشمِ تر بھی دیکھیں گے
- 60- راحتِ دل متاعِ جاں ہے تُو
- 61- اب تو یوں دیدہ تر کھلتا ہے
- 62- منصبِ بقدرِ قامتِ کردار چاہیے
- 63- تھک جاؤ گی
- 64- یہ برا شہرِ صحرا صفت!
- 65- جستجو میں تیری پھرتا ہوں نچانے کب سے
- 66- بوا چلی بھی تو خود سے ڈرا دیا ہے مجھے
- 67- ختم نہیں، بچپن کی ضد میں تم سی کتنی لڑکیاں
- 68- کاش ہم کھل کے زندگی کرتے!
- 69- ہستم کو مصلحتِ حسنِ تغافل کو ادا کہنا
- 70- سُن لیا ہم نے.....!
- 71- اتنا خالی تو گھر نہیں ہم ہیں
- 72- تیرے بعد.....!
- 73- بھولے بسرے ہوئے بامِ ودر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟
- 74- نفس کو درد سے حاصلِ فراغ ہونا تھا
- 75- شام ہی شام پیش و پس اور ہوا کا سامنا
- 76- ابھی نہ رُکنا.....!
- 77- حالِ مت پڑ چھ عشق کرنے کا!
- 78- رات بھی ہے سفر بھی جگنو بھی
- 79- دِل نے تنہا جھیلی رات
- 80- عہد نامہ
- 81- نئی طرح سے نبھانے کی دل نے ٹھانی ہے
- 82- کبھی جو چھیڑ گئی یا درفتگاں محسن
- 83- دِل بڑی رہگذر میں کھو بیٹھے
- 84- کیسا علم تھا وہ جذبوں کے رُفُو کا عالم
- 85- درد سے بے نیاز ہونے دے
- 86- وہ لڑکی بھی ایک عجیب پہیلی تھی
- 87- اور کیا ہیں اپنی بزمِ آرائیاں
- 88- کون یاد آتا ہے؟

- 89- ترکِ محبت کر بیٹھے ہم ضیٰ محبت اور بھی ہے
- 90- اب کے سفر میں تشنہ لبی نے کیا تلائیں کیا کیا دیکھا؟
- 91- آنکھ بے منظر طلب نے آرزو ایسی نہ تھی
- 92- تو کیا ہوگا.....!
- 93- دل کہاں کربِ دل آزاری کہاں
- 94- خواب آنکھوں میں چبھو کر دیکھوں
- 95- میں ترے شہر سے گزرا تو.....!
- 96- بکھرتا جسم میری جاں کتاب کیا ہوگا؟
- 97- ختم ہوئے پیغامِ سلام
- 98- ابھی کیا تھیں.....؟
- 99- چمن میں جب بھی صبا کو گلاب پوچھتے ہیں
- 100- کہہ گئی چشمِ ترکی حیرانی
- 101- روشنی جب مرے مکان میں ہو!
- 102- سنا ہے زمیں پر.....!
- 103- سورج کا خوف دل سے بھلا دینا چاہیے
- 104- سفر جاری رکھے (خالد شریف کے لئے)

انتساب!

تو غزل اوڑھ کے نکلے کہ دھنک اوٹ چھپے؟
لوگ جس روپ میں دیکھیں تجھے پہچانتے ہیں

یار تو یار ہیں اغیار بھی اب محفل میں
میں جرا ذکر نہ چھیڑوں تو بُرا مانتے ہیں

کتنے لہجوں کے غلافوں میں چھپاؤں تجھ کو؟
شہر والے برا ”موضوعِ سخن“ جانتے ہیں

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ میں نے پہلا شعر کب کہا تھا۔ (یہ بہت پہلے کی بات ہے) مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے پہلا ”سچ“ کب بولا تھا؟ (یہ بھی شاید بہت پرانا قصہ ہے) پہلا شعر۔ اور پہلا سچ۔ کون یاد رکھتا ہے؟۔ اور اتنی دُور پیچھے مُردہ دیکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ اُدھر کون سی روشنی ہے؟ گھپ اندھیرے کی ریت پر ہانپتے ہوئے چند بے وارث لمحے۔ پچھتاوے کی زد میں جانے کب اور کہاں کھو گئے؟

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ کچھ بھی تو یاد نہیں
”ماضی“ بھی کتنا بخیل ہے۔ کبھی کبھی تو حافظے کی غربت کو نچوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اور پھر اندھے کنوئیں کی طرح کچھ بھی تو نہیں اُگلتا۔ اپنے اندر جھانکنے والوں سے پوری بینائی وصول کرتا ہے بیتے دنوں کے اُس گھپ اندھیرے میں بھی کیا کچھ تھا؟

میرا کچا مکان (جس کی تھمت کی کڑیوں سے میری سانس اُڑی ہوئی تھیں اُس مکان میں جلتا ہوا مٹی کا ”دیا“۔ جس کی پھکی روشنی نے مجھے لفظوں کے باطن میں اُترنے کا حوصلہ بخشا۔ گم ضم گلیوں میں تھیلی ہوئی آوارہ دُھوپ۔ جس نے مجھے اُداس راتوں کے پُر ہول سنائے سے اُلجھنے کا سلیقہ سکھایا۔ مٹی دیواروں پھسلتی ہوئی چاندنی۔ جو رائیگاں ہونے کی بجائے میرے خوابوں کی بے آواز بستی کا اثاثہ بن گئی۔ دُھول میں لپٹی ہوئی بے خوف ہوا جو میرے مسلسل سفر کی اکیلی گواہی بن کر مجھے دلا سہ دیتی رہی۔ ناہموار آنگن میں ناچتی لڑ سے جھلستے چہروں کی مشقت جس نے مجھے محرومیوں سے سمجھوتے کا انداز مستعار دیا۔ خشک ہونٹوں پر جمی ہوئی مسکراہٹ۔ جس نے مصائب و آلام کی بارش میں مجھے زندہ رہنے کا اعتماد عطا کیا۔ سہمی جھسکی۔ گوئی دو پہریں۔ بہری شامیں اور اندھی راتیں۔ کتنی کہانیوں

کو بچتے بچتے راکھ ہو گئیں۔ اور ان کہانیوں کا کوئی ایک ریزہ بھی میرے پاس نہیں ہے۔ میرا سب کچھ میرے ماضی کے پاس گروی ہے۔

اس ”سب کچھ“ میں میرا ہنستا کھلتا پہیلیاں بوجھتا اور شرارتیں سوچتا بچپن بھی شامل ہے جسے اُس کے کھلونوں سمیت میرے ماضی نے میری دسترس سے دُور دفنا کر۔ اُس کے نقوش گھر چ ڈالے ہیں۔

ماضی کو کون سمجھائے کہ بچپن تو ہوتا ہی یاد کرنے کے لیے ہے۔ مگر میرا بچپن؟ کسی دیوار کی اوٹ چلتے دیکھتے تندور سے باہر جھانکتے شعلوں سے اُڑتی چنگاریوں کی طرح۔ جیسے فضا میں بکھر کر کہیں بجھ گیا ہے۔ دُور بہت دُور فضا میں تحلیل ہوتے ہوئے دُھویں کے اُس پار کتنی شفیق آنکھیں کتنے صبح چہروں سے مٹھوتی ہوئی دُعاؤں کی گہرا اور کتنی نیک رُوحوں کے قرب کی پاکیزہ خوشبو آج بھی میرے تپتے تپکتے دل کی لودیتی رگوں میں بر فیلے لمس کی شبنم اندیلیتی محسوس ہوتی ہے۔

اور اب کیا کیجئے۔ کہ اب تو آتے جاتے موسموں کا سہاؤ صرف سوچوں کے بہاؤ پر منحصر ہے معصوم جذبوں کا بھولپن اب فقط شکستہ قلم کے شہ رگ سے ٹپکتے ہوئے لہو کے بے ترتیب قطروں میں کبھی کبھی اپنا دُھندلا سا عکس دیکھ لیتا ہے۔ اور رائیگاں جا گئی آنکھیں صرف تنہائی کی لوریوں سے بہل کر سو جاتی ہیں یا کہیں کھو جاتی ہیں۔

گہرا مچاتی سانسوں کے اس جاں گداز اور آبلہ نواز سفر میں کیا کیا لوگ اپنا اپنا روگ دل میں لیے دُھول اُڑاتے سناٹے کا رِزق ہوئے۔ کیسی کیسی رنگ رچاتی محفلیں اپنے توانا ہنگاموں سمیت پلک جھپکتے آنکھ سے اوجھل ہو گئیں۔ کیا کیا گندن چہرے اب اپنی پہچان کا حوالہ مجھ سے طلب کرتے ہیں۔

جیسے میں ان دنوں بے وارث لحوں کے مقتل سے گذر رہا ہوں۔ لحوں کا مقتل جس میں شام غریباں آہستہ آہستہ اتر رہی ہے۔

لحوں کے اس مقتل میں میری مسافت ختم ہوتی ہے نہ شام غریباں کا دُھواں سرد پڑتا ہے۔ میرے پاؤں میں آبلے بندھے ہوئے ہیں۔ جسم بارش سنگ ملامت سے داغ داغ اور ہونٹ مسلسل مصروف گفتگو۔ مگر کس سے؟ شاید رفتگاں کا راستہ بتاتی ہوئی دُھول سے یا اپنے تعاقب میں آنے والے اُن رہروؤں کی آہٹوں سے؟ جو سفر کے اگلے موڑ پر مسلط سناٹے سے بے خبر ہیں۔ سناٹا۔ جو کبھی کبھی دل والوں کی بستی پر شجوں کی بستی پر شجوں مار کر ساری سوچیں تمام جذبے اور کچے خواب تک نگل لیتا ہے۔

میرا قبیلہ میرے گرب سے نا آشنا ہے۔ میرے ساتھ جن ہجر والوں نے سفر آغاز کیا تھا وہ یا تو راستے کی گرد اوڑھ کر سو چکے ہیں یا مجھ سے اوجھل اپنی اپنی خندقیں کھودنے میں مصروف ہیں۔ اور میں کل کی طرح آج بھی ”اکیلا“ ہوں۔

میرے ارد گرد خراشوں سے اُٹے ہوئے کچھ اجنبی چہروں کے کٹے پھٹے خد و خال ہیں۔ بھوک سے نڈھال بے نطق و لب اُدھوری سوچوں کے پنجر۔ ریزہ ریزہ خوابوں کی چھبٹی ہوئی کرچیاں۔ محرومیوں کے بوجھ تلے رنگتی خواہشوں کی ٹیڑھی میڑھی قطاریں۔ دم توڑتی خستوں کی بے ترتیب ہچکیاں۔ پابزیدہ حسرتیں۔ سربزائوا ہے۔ اور بدن زریہ اندیشے۔ ایسے اجاز سفر میں کون میرے دُکھ بانٹنے کو میرے

ساتھ چلے۔؟ یہاں تو ہوا کے سہمے ہوئے جھونکے بھی دبے پاؤں اترتے اور چپ چاپ گزرتے ہیں۔ یہاں کون میرے مجروح جذبوں پر دلاسوں کے ”پھائے“ رکھے؟ گلس میں اتنا حوصلہ کہ میری روداد سننے؟ کوئی نہیں۔ سوائے میری سخت جان تنہائی کے۔ جو میری خالی ہتھیلیوں پر قسمت کی لکیر کی طرح ثبت ہے۔ میرے رتجیوں کی غمگسار اور میری تھکن سے چڑا آنکھوں میں نیند کی طرح بھر گئی ہے۔

سنگلاخ تنہائی کے اس بنجر بن میں دہکتے مہکتے جذبوں کے گلاب اُگنا اور انہیں بے ربط آنسوؤں سے شاداب رکھنا میرا منصب بھی ہے اور میرا فن بھی۔ بس اسی دھن میں سکوت کے ہولناک صحرا میں لمحہ سوچوں کی بستیاں بسا کر اُن میں لفظوں کے رنگ رنگ چراغ روشن کرتا ہوں جانے کب سے جانے کب تک؟

ہوا مجھ سے برہم سناٹا میرے تعاقب میں حوادث مجھ سے دست و گریباں، صُبحیں مجھ سے گریزاں اور شامیں، میری آنکھوں پر اندھیرا ”باندھنے“ کے لیے مضطرب۔ مگر میں (مسافت نصیب، سفر مزاج)۔ ”گزشتہ“ کی راکھ پر ”آئینہ“ کی دیوار اٹھا کر اُس کی منڈیر پر اپنی آنکھیں جلا رہا ہوں تاکہ میرے بعد آنے والوں کی تھکن لمحہ بھر کو سستاسکے۔ میں۔ تلخیاں بانٹتی اور تنہائیاں چھڑکتی ہوئی زندگی سے قطرہ قطرہ ”سچ“ کشید کرتا اور پھر اس روشن ”سچ“ کی دہکتی ہوئی پیشانی سے بھونتی شعاعوں کے ریشم سے بنے ہوئے خیالوں کی ردِ اوپر ”شاعری“ کاڑھتا ہوں۔

شعر کہنا میرے لیے نہ تو فارغ وقت کا مشغلہ ہے اور نہ ہی ”خود نمائی“ کے شوق کی تکمیل کا ذریعہ۔ بلکہ اپنے جذبات و محسوسات کے اظہار کے لیے مجھے ”شاعری“ سے بہتر اور موثر پیرایہ ملتا ہی نہیں۔ میرے لاشعور کی تہ میں بکھرے ہوئے تجرے اور مشاہدے حرف حرف اور نقطہ نقطہ شعور کی پلکوں سے حواس کے آئینہ خانہ میں اترتے اور ”شعر“ کی صورت میں بکھرتے چلے جاتے ہیں۔ اور پھر کبھی میرا قلم اور کبھی موجِ صدا کا ”زیر و بم“ انہیں امانت کے طور پر بصارتوں، بصیرتوں اور سماعتوں تک پہنچاتا ہے کیا جانے کب سے میری فکار انگلیاں کائنات کے خدوخال کو ذات کے شیشے میں سمیٹنے کا فرض ادا کر رہی ہیں۔ اور میرا ”خونچکاں خامہ“ اپنے عہد کے انسان کا کرب کرید کر اُس میں پوشیدہ خواہشوں اور حسرتوں کو کاغذی پیرہن پر سجانے میں مصروف ہے؟ مجھے نہیں معلوم کہ فن کے صحرا میں اب تک میں نے کتنا سفر طے کیا ہے؟ میں پیچھے مڑ کر دیکھنے کا عادی نہیں ہوں۔ (جیسے پلٹ کر دیکھنے سے میں ”پتھر“ ہو جاؤں گا)۔

میں قدم قدم نئی جہت کی تلاش میں سرگرداں ہوں (ورنہ کی بجائے) کہ ایک ہی سمت میں ایک ہی انداز سے چلتے رہنے کی یکسانیت اور ایک جیسی رفتار نہ صرف سفر کی کشش کو چاٹ لیتی ہے بلکہ حصولِ منزل کا اعتماد بھی چکنا چور ہو کر رہ جاتا ہے۔

میرے سفر کی ڈور کا دوسرا سر امیری سانس سے بندھا ہوا ہے میں لمحہ بھر کو رُک گیا تو یہ ڈور ٹوٹ جائے گی۔

کسی بھی حساس اور سنجیدہ فنکار کے لیے مشکل ترین مرحلہ اُس کے اپنے عہد کے تقاضوں کا ادراک اور ان تقاضوں کے مطابق موضوع کا انتخاب ہوا کرتا ہے۔ جو فنکار اپنے عہد سے بے خبر رہ کر تخلیق کی مشقت کرتا ہے وہ خود کلامی کی بھول بھلیوں میں بھٹک کر یا

تو رجعت پسندی کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے یا تشکیک کی زد میں ابہام کا شکار ہو کر فکری انتشار کے برزخ کی ”بے سستی“ میں اپنا آپ گنوا بیٹھتا ہے۔ میرے نزدیک یہ باتیں کرنا اس لیے بھی ضروری ہیں کہ

عصری جبر، سماجی ٹھٹھن، سیاسی جس اور طبقاتی تضاد کی ذلزل میں دھنسے ہوئے جس معاشرے میں مجھے جذبوں کے اظہار کا اذن ملا ہے وہ بذات خود تشکیک و ابہام اور سکوت و تحیر کی سیاہ چادر اوڑھ کر سانس روکے ہوئے زندگی کی ساعتیں گن رہا ہے۔ عدل و انصاف کے مقابلے میں ظلم اپنے پر پھیلائے دم توڑتے انسان کی ہچکیاں نفل رہا ہے۔ رستے قتل بن گئے ہیں چوراہوں سے بازو داگ رہا ہے، بازاروں میں درندگی برہنہ رقص رچا رہی ہے، ”سچ“ سرعام مصلوب اور جھوٹ بر ملا مسند آراء ہے مجرم رواج بن گیا ہے۔ غارت گری روایت میں شامل ہو رہی ہے، دہشت گردی سے شہر سبے ہوئے، وحشت صحراؤں پر مسلط، لہو کے رشتے کچے دھاگوں کی طرح ٹوٹ رہے ہیں۔

یوں لگتا ہے جیسے ظلم و ستم کی سیاہ رات نے سورج کو چھا ڈالا ہے۔ دکھ درد اور کرب کی اس مسلسل رات، بے یقینی اور مایوسی کی دھول سے اُٹی ہوئی رات میں میری شاعری ”طلوع اشک“ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

”طلوع اشک“ کی شاعری اپنے عہد میں بڑھتی ہوئی نفرتوں کے خلاف انسانی سانسوں کے ریشم سے بنے ہوئے اُن نازک جذبوں اور دائمی رشتوں کا ایک دھیمسا احتجاج ہے جن کی پہچان کا واحد حوالہ محبت ہے۔

”محبت“ جو کدورتوں کی آگ میں جلتے تھلےسے جنگلوں کے اُس پار زیتون کی وہ شاخ ہے جس کی خوشبو کا دوسرا نام ”امن“ ہے۔

”طلوع اشک“ میں نہ تو آپ کو عملی جدوجہد سے محروم کوئی ”دعویٰ“ نظر آئے گا۔ اور نہ ہی بے مقصد ”ہنگامہ آرائی“۔

کیونکہ اپنے چاروں طرف بکھرے ہوئے ظلم، پھیلی ہوئی نفرت اور افراتفری کے باوجود میں ابھی تک انسانی رشتوں کی اہمیت، رُوح کی گہرائیوں میں پھیلتے پھوٹتے جذبوں کی توانائی، دائمی امن کی عالمگیر کشش، ”سچ“ کی تحمیدی اور ادراک و آگہی پر ”محبت“ کے تسلط سے نہ تو مایوس ہوا ہوں اور نہ ہی منحرف۔

مجھے یقین ہے کہ جب تک کائنات میں انسان کا وجود باقی ہے۔ محبت اپنے توانا جذبوں کی صداقت سمیت باقی رہے گی۔ میں نے محبت کو اپنے احساس، ادراک اور آگہی کی اساس بنایا ہے۔ اسے دھوپ دھوپ سمیٹا ہے اور پھر اپنے ”اشعار“ میں رنگ رنگ بکھیرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی سب کچھ میرا فن بھی ہے اور متاع فن بھی۔

جہاں تک اپنے فن کے قد و قامت کی ”بے محل“ نمود و نمائش کا تعلق ہے میں ہمیشہ اس سے اجتناب کرتا ہوں، نہ ہی ”خود ستائی“ کی بوسیدہ قبا اوڑھ کر ”دوسروں“ کو اپنی طرف متوجہ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔

آخر ”سستی شہرت“ کے لیے اپنی قیمتی ”آنا“ کو چھلنی کرنے کی ضرورت کیا اور شوق کیوں؟ کہ دنیا میں جو ہے اُسے اپنے ”اثبات“ کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں اور جو

نہیں“ ہے اُس کے ”ہونے“ پر اصرار بے معنی۔ خیر یہ الگ بحث ہے۔
مجھے اپنے تخلیقی سفر کے آغاز سے اب تک کیسے کیسے صبر آزما مراحل سے گزرتا
پڑا؟ کس جان لیوا کرب کی شدت میں سانس لینا پڑا؟ کیسی کیسی چوٹ کھا کر مسکراتا پڑا؟ یہ
کہانی دہرانے کا وقت ہے نہ فرصت۔ (پھر سہی)

ابھی آپ جلدی میں ہیں۔ اور مجھے بھی اپنا سفر جاری رکھنا ہے۔ میری
آنکھیں اندھیروں کا تسلط قبول کرنے سے انکاری ہیں۔ میں اندھی رات کے جبر کے خلاف
کسی ایک کرن کسی ایک چنگاری کسی ایک آنسو کی طلب میں لحو کا مقتل جھیل رہا ہوں۔ اور
اپنے گرد بکھری ہوئی دست و پاؤں دیدہ خواہشوں کی پُرسش میں مصروف بھی۔ اندھی رات کے
مستسل جبر کے خلاف کوئی جگنو، کرن، چنگاری یا کوئی ایک آنسو مجھے کچھ دیر اور جینے کا حوصلہ
دے سکتا ہے۔ میں کچھ اور جاگ سکتا ہوں کہ مسلسل جاگتے رہنے کا اعزاز یہ کسی زندہ،
روشن اور دیکھتے ہوئے سورج کی صورت میں نہ سہی بلکہ روشنی کی علامت کے طور پر ہی میری
آنکھوں کو صدیوں تک کے لیے اُجلے خوابوں کی دھنک میں مست اور مگن رکھ سکتا ہے۔ اگر
آپ اندھی رات کے جبر کے خلاف میرے ساتھ محبت اور امن کی روشنی بن سکتے ہیں تو اپنی
آنکھیں میرے لفظوں میں اُنڈیل دیں کہ یہی میرے لیے روشنی کا استعارہ بن جائیں۔ ورنہ
میری تنہائی میرے بغیر اُداس ہوگی۔

محسن نقوی

جمعرات ۲۸ مئی ۱۹۹۲ء لاہور



ثر ہوئے خوں میں کبھی خاک پہن کر آئے
ہم ہمیشہ نئی پوشاک پہن کر آئے

اک عجب رنگ سے نکلا وہ سیرِ راہ کہ لوگ
جسم پر دیدہ بے باک پہن کر آئے

ہم نے صدیوں کی ہتھیلی پر رکھی ہیں آنکھیں!
کوئی لمحہ ترا ادراک پہن کر آئے!!

سانحہ کون سا گزرا ہے صبا سے پوچھو
چند جھونکے خس و خاشاک پہن کر آئے

اشک شہرِ شبِ غم اپنی دُعا ہے کہ کبھی
مثلِ خورشید تو افلاک پہن کر آئے

زخم کو ضد تھی میسائی سے اب کے ورنہ
حرفِ مرہم کئی چالاک پہن کر آئے

آج ملنا تھا اُسے زخم چھپا کر محسن
ہم مگر جامہ صد چاک پہن کر آئے



اشک اپنا کہ تمہارا نہیں دیکھا جاتا
ابر کی زد میں ستارا نہیں دیکھا جاتا

اپنی شہ رگ کا لبو شن میں رواں ہے جب تک
زیرِ خنجر کوئی پیارا نہیں دیکھا جاتا

موج در موج اُبھنے کی بڑا بے معنی!
ڈوبنا ہو تو سہارا نہیں دیکھا جاتا

تیرے چہرے کی کشش تھی کہ پلٹ کر دیکھا
ورنہ سورج تو دوبارہ نہیں دیکھا جاتا

آگ کی ضد پہ نہ جا پھر سے بھڑک سکتی ہے
راکھ کی تہہ میں شرارہ نہیں دیکھا جاتا

زخم آنکھوں کے بھی سہتے تھے کبھی دل والے
اب تو ابرو کا اشارہ نہیں دیکھا جاتا

کیا قیامت ہے کہ دل جس کا نگر ہے محسن
دل پہ اُس کا بھی اجارہ نہیں دیکھا جاتا



اب اے مرے احساسِ بکوں کیا مجھے دینا؟
دریا اُسے بخشا ہے تو صحرا مجھے دینا

تم اپنا مَکاں جب کرو تقسیم تو ابرو!
کرتی ہوئی دیا کا سایہ مجھے دینا!

جب وقت کی مَر جھائی ہوئی شاخ سنبھالو
اس شاخ سے ٹوٹا ہوا لمحہ مجھے دینا

تم میرا بدن اوڑھ کے پھرتے رہو - لیکن
ممکن ہو تو اک دن مرا چہرہ مجھے دینا

پھٹو جائے ہوا جس سے تو خوشبو تری آئے
جاتے ہوئے اک زخم تو ایسا مجھے دینا

شب بھر کی مسافت ہے گواہی کی طلبگار
اے صبح سفر اپنا ستارہ مجھے دینا

اک درد کا میلہ کہ لگا ہے دل و جاں میں
اک رُوح کی آواز کہ ”رستہ مجھے دینا“

اک تازہ غزل اذنِ سخن مانگ رہی ہے
تم اپنا مہکتا ہوا لہجہ مجھے دینا!

وہ مجھ سے کہیں بڑھ کے مصیبت میں تھا محسن
رہ رہ کے مگر اُس کا دِلّاسہ مجھے دینا



نُماؤں موسمِ خوشبو حدِ چمن میں کھلا
بری غزل کا خزانہ ترے بدن میں کھلا

تم اُس کا حُسن کبھی اُس کی بزم میں دیکھو
کہ ماہتابِ سدا شب کے پیرہن میں کھلا

عجب نشہ تھا مگر اُس کی بخششِ لب میں
کہ یوں تو ہم سے بھی کیا کیا نہ وہ سخن میں کھلا

نہ پوچھ پہلی ملاقات میں مزاج اُس کا
وہ رنگِ رنگ میں سمٹا، کرنِ کرن میں کھلا

بدن کی چاپُ بگہ کی زباں بھی ہوتی ہے
یہ بھید ہم پہ مگر اُس کی انجمن میں کھلا

کہ جیسے اُبر ہوا کی گرہ سے گھل جائے
سفر کی شامِ برا مہرباں تھکن میں کھلا

کہوں میں کس سے نشانی تھی کس مسجا کی؟

وہ ایک زخم کہ محسن¹⁴ مرے کفن میں کھلا



رشتہ تشنہ لہی وقت سے جوڑا جائے
لمحے لمحے کی رگب جاں کو نچوڑا جائے

آنکھ تو جب ہے سفر کا کہ برے مسافر
اپنے سائے کو بھی رستے میں نہ چھوڑا جائے

دل تجھے بھولنا چاہے بھی تو مشکل یہ ہے
کس طرح سانس کی زنجیر کو توڑا جائے؟

شہر یاراں نہ سہی دشت و بیاباں ہی سہی
سبل دشت کو کسی سمت تو موڑا جائے

منصب شوق سے ابھی ہے سناں کی خواہش
سر کو سب در جاناں پہ نہ پھوڑا جائے

وہ پکھلتا ہے کہاں ایک غزل محسن
ایک تیشے سے تو گہسار نہ توڑا جائے



رات ہمارا غم شناس تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا
دل زدگاں کے آس پاس تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا

سنگدل و برہنہ تن بانجھ رتوں کی بھیر میں
ایک خیال خوش لباس تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا

صاحبِ حرفِ التماس تھے وہ مگر وہ ہم نہ تھے
واقفِ کربِ التماس تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا

شہر کی ساری ہتھتیں جس کو نہ رام کر سکیں
خوف کی رت میں بے ہراس تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا

شوق کی رہگزار میں حاصلِ شام جستجو!
ایک یقیں تھا قیاس تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا

مخفلِ دوستاں میں بھی روشنیوں کے درمیاں!
صرف برے لیے اُداس تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا

محسن بے نوا کے بعد ماتمیانِ شہر میں!
بے سرو برگ و بے حواس تھا وہ مگر وہ تو نہ تھا



زندگی، لوگ جسے مہمِ غم جانتے ہیں
جس طرح ہم نے گزاری ہے وہ ہم جانتے ہیں

درد کچھ اور عطا کر کے ترے دردِ آواز
یہ سہاوت ترے معیار سے کم جانتے ہیں

نہرِ بے نہ چلے آئے ہیں کہ پتھر برسوں
ہم ترے شہر کا آئینہ کرم جانتے ہیں!!

شدتِ غم کا یہ عالم ہے شبِ بہر کہ ہم
بر ستارے کو ترا دیدہ غم جانتے ہیں!

ہم کہ کھلتے تھے کبھی ضبطِ جنوں کی رت میں
حرفِ شیریں کو بھی اب قطرہٴ سم جانتے ہیں

ہم ایسے لوگ بہت ہیں۔۔۔

یہ راکھ راکھ رُتیں اپنی رات کی قسمت
تم اپنی نیند بچاؤ تم اپنے خواب چُکو
بکھرتی ڈوبتی بنفوں پہ دھیان کیا دینا
تم اپنے دل میں دھڑکتے ہوئے حروف سنو

تمہارے شہر کی گلیوں میں سَبل رنگ بغیر
تمہارے نقشِ قدم پھول پھول کھلتے رہیں
وہ رگزر جہاں تم لمحہ بھر ٹھہر کے چلو
وہاں پہ اُبر جھکیں آسمان ملتے رہیں

نہیں ضرور کہ ہر اجنبی کی بات سُنو!
ہر اک صدا پہ دھڑکنا بھی دل کا فرض نہیں
سکوتِ حلقہ زنجیرِ در بھی کیوں ٹوٹے؟
صبا کا ساتھ نبھانا جنوں پہ قرض نہیں!

ہم ایسے لوگ بہت ہیں جو سوچتے ہی نہیں
کہ عمر کیسے کٹی کس کیساتھ بیت گئی؟
ہماری تشنہ لبی کا مزاج کیا جانے؟
کہ فصلِ بخشش موجِ فرات بیت گئی!
یہ ایک پل تھا جسے تم نے نوج ڈالا ہے
وہ اک صدی تھی جو بے التفات بیت گئی
ہماری آنکھ لہو ہے تمہیں خبر ہوگی
چراغِ خود سے بجھا ہے کہ رات بیت گئی؟



مغرور ہی سہی مجھے لہتا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا

رُوٹھا ہوا تھا ہنس تو پڑا مجھ کو دیکھ کر
مجھ کو تو اس قدر بھی دلاسا بہت لگا

صحرا میں جی رہا تھا جو دریا بنی کے ساتھ
دیکھا جو غور سے تو وہ پیاسا بہت لگا

لپٹا ہوا ہو گھر میں جیسے خزاں کا چاند
میلے لباس میں بھی وہ پیارا بہت لگا

ریشم پہن کے بھی میری قیمت نہ بڑھ سکی
کھار بھی اُس کے بسم پہ مہنگا بہت لگا

محسن جب آئینے پہ مری سانس ختم گئی
مجھ کو خود اپنا عکس بھی دھندلا بہت لگا



عجیب خوف مسلط تھا کل کویلی پر
ہوا چراغ جلاتی رہی ہتھیلی پر

نئے گا کون مگر احتجاج خوشبو کا؟
کہ سانپ رہر چمڑترا رہا جنہیلی پر

شب فراق میری آنکھ کو تھکن سے بچا
کہ نیند وار نہ کر دے تیری سہیلی پر

وہ بے وفا تھا تو پھر اتنا مہرباں کیوں تھا؟
بچھڑ کے اُس سے میں سوچوں اسی سہیلی پر

جلا نہ گھر کا اندھیرا چراغ سے محسن
ستم نہ کر مری جاں اپنے یار بیلی پر



طلب کو اجر نہ دوں فکر رہگذر نہ کروں!
سفر میں اب کے ہوا کو بھی ہمسفر نہ کروں

اُبھرتے ڈوبتے سورج سے توڑ لوں رشتہ
میں شام اوڑھ کے سو جاؤں اور سحر نہ کروں

اب اس سے بڑھ کے بھلا کیا ہو احتیاط وفا
میں تیرے شہر سے گذروں تجھے خبر نہ کروں!

یہ میرے درد کی دولت مری متاع فراق
ان آنسوؤں کی وضاحت میں عمر بھر نہ کروں!

اجاڑ شب کی خلش بن کے ”بن“ میں کھو جاؤں
میں چاندنی کی طرح خود کو ذرہ بدر نہ کروں!

وہ ایک پل کو دکھائی تو دے کہیں محسن
میں جاں گنوا کے بھی اُس پل کو مختصر نہ کروں!



شکل اُس کی تھی دلبروں جیسی
خو تھی لیکن سنگروں جیسی

اُس کے لب تھے سکوت کے دریا
اُس کی آنکھیں سنخوروں جیسی

میری پروازِ جاں میں حائل ہے
سانس ٹوٹے ہوئے پروں جیسی

دل کی بستی میں رونقیں ہیں مگر
چند اُجڑے ہوئے گھروں جیسی

کون دیکھے گا اب صلیبوں پر
صورتیں وہ پیبروں جیسی!

میری دنیا کے بادشاہوں کی
عادتیں ہیں گداگروں جیسی

رُخ پہ صحرا ہیں پیاس کے محسن
دل میں لہریں سمندروں جیسی

سالگرہ

زندگی -- تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا
جلتی بجھتی ہوئی شمعیں میں مہ و سال مرے
ڈھلتا سورج مرے ماضی کی لحد کا کتبہ
ریگ صحرا کی لکیریں ہیں خد و خال مرے

چاند میرے تن مجروح پہ سنگِ اعزاز
دھوپ چھاؤں مرے صد چاکِ لبادے کا خراج
سب ستارے مری پوشاک کے پیوندِ نحیف
میرے آنسو میرا ورثہ مری آنکھوں کا مزاج

میرا چہرہ مرے مقتول ہنر کی تاریخ
میری آنکھیں مری دکھتی ہوئی راتوں کے چراغ
میرے ہونٹوں پہ مری پیاس کے فوجوں کا ہجوم
میرے سینے پہ درخشاں مری توہین کے داغ

آج کی شام کہ ہر سال اسی شام کے ساتھ
میری اکھڑی ہوئی سانسوں میں گرہ لگتی ہے
آسمان وقت کے آنچل کی دھنک بٹتا ہے
ساری دھرتی ٹن غریاں کی زرہ لگتی ہے

آج کی شام کہ ہر سال مرے زخمِ نواز
مسکرائے ہوئے کچھ پھول عطا کرتے ہیں
کچھ مسیحا مری خاطر مرا دل رکھنے کو
خط میں جینے کی دُعا بھیج دیا کرتے ہیں

سالہا سال گزرنے پہ بھی اے دل زدگاں
آج کی شام مناتے ہوئے ڈر لگتا ہے
مسکراتے ہوئے چہروں کے بھنور ہیں لیکن
آخری شمع جلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے!

دل دھڑکتا ہے کہ جلتی ہوئی شمعوں کا دھواں
شعلہ کرب میں تحلیل نہ ہو جائے کہیں
جی لرزتا ہے کہ منظر کے ادھورے پن کی
آج کی شام سے تکمیل نہ ہو جائے کہیں!

آؤ کچھ دیر کو ہم زخمِ شکاری کر لیں
اور کچھ دیر میں ہر شمع پکھل جائے گی
آج کی بزم میں کھو جائیں کہیں سو جائیں
آج کی شام بھی کچھ دیر میں ڈھل جائے گی

جلتی بجھتی ہوئی شمعوں کا بھروسا کیا ہے؟
زندگی تیز بہت تیز ہوا کا جھونکا



جگنو 'گھر' چراغ اُجالے تو دے گیا
وہ خود کو ڈھونڈنے کے حوالے تو دے گیا

اب اس سے بڑھ کے کیا ہو وراثت فقیر کی
بچوں کی اپنی بھیک کے پیالے تو دے گیا

اب میری سوچ سائے کی صورت ہے اُس کے گرد
میں بچھ کے اپنے چاند کو ہالے تو دے گیا

شاید کہ فصلِ سنگ زنی کچھ قریب ہے
وہ کھیلنے کو برف کے گالے تو دے گیا

اہلِ طلب پہ اُس کے لیے فرض ہے دُعا
خیرات میں وہ چند نوالے تو دے گیا

محسن اُسے قبا کی ضرورت نہ تھی مگر
دُنیا کو روز و شب کے دوٹالے تو دے گیا



سائنسوں کے اس بنز کو نہ تیراں خیال کر
زمرہ ہوا سائنسوں کو میں صدیوں میں بہال کر

مالی نے آج کتنی دعائیں وصول کیں
کچھ پھول اک فقیر کی جھولی میں ڈال کر

کل یوم ہجر زرد زمانوں کا یوم ہے
شب بھر نہ جاگ مفت میں آنکھیں نہ لال کر

اے گردِ بادِ لوٹ کے آنا ہے پھر مجھے
رکھنا برے سفر کی اذیت سنبھال کر

محراب میں دیے کی طرح زندگی گزار
منہ زور آنکھوں میں نہ خود کو نڈھال کر

شاید کسی نے بخلِ زمیں پر کیا ہے طنز
گہرے سمندروں سے جزیرے نکال کر

یہ تقدیر جاں کہ اس کا لٹانا تو سہل ہے
گر بن پڑے تو اس سے بھی مشکل سوال کر

محسن برہنہ سر چلی آئی ہے شامِ غم!
غربت نہ دیکھ اس پہ بتاروں کی شال کر



کچھ تو عہدِ خوں فشانے اور ہے!
کچھ بری آنکھوں نے ٹھانی اور ہے!

وسعتِ صحرائے عالم سے ادھر
دشتِ غم کی بیکرانی اور ہے

یا ادھوری ہے گواہی عشق کی
یا پھر اُس کی بدگمانی اور ہے

یوں بھند ہے آنکھ رونے پر ابھی
جیسے اس دریا میں پانی اور ہے
شعلہ خورشید محشر کی قسم
اُس کا معیار جوانی - اور ہے!
اک وہ خود ہے جھپٹے کی چاندنی!
اک دوپٹہ اُس پہ دھانی اور ہے!!
سب زمیں دیکھی ہیں اس دل نے مگر
اب کے موسم میں گرانی اور ہے
ڈوب جانے دو ستارا صبح کا
اُس کے آنے کی نشانی اور ہے
داستاں ہے اور آنکھوں میں مگر
دل میں پوشیدہ کہانی اور ہے!!
عشق میں محسن کہاں کا جیتنا؟
ہارنے میں کامرانی اور ہے!!

تمہیں کس نے کہا تھا؟

تمہیں کس نے کہا تھا؟
دوپہر کے گرم سورج کی طرف دیکھو
اور اتنی دیر تک دیکھو!
کہ بیانی پکھل جائے!!

تمہیں کس نے کہا تھا؟
آسمان سے ٹوٹی اندھی الجھتی بجلیوں سے
دوستی کرلو

اور اتنی دوستی کرلو
کہ گھر کا گھر ہی جل جائے!!

تمہیں کس نے کہا تھا؟
ایک انجانے سفر میں
اجنبی رہو کے ہمرہ دور تک جاؤ
اور اتنی دور تک جاؤ!
کہ وہ رستہ بدل جائے!

ابھی کہاں ہے وہ ساعت؟

ابھی کہاں ہے وہ ساعت
کہ ہم دریدہ بدن
سیہ لباس کے پرزے
سپرِ خاک کریں
جگر کے داغ اُجالیں لبو کے چھینٹوں سے
قبائے ضبطِ جدائی کو
خود سے چاک کریں
ابھی کہاں ہے وہ لمحہ
کہ جس کو اہلِ نظر
طلوعِ موسمِ گلرنگ کی نوید کہیں!
ابھی کہاں ہے وہ ساعت
کہ جس کو ”عید“ کہیں!!



خوشبو ہے دھنک ہے چاندنی ہے
وہ اچھے دنوں کی شاعری ہے

بھیکے ہوئے پھول حرف اُس کے
رم جھم کی زباں میں بولتی ہے

ہاتوں میں تھکن ہے شام جیسی
لہجے میں سحر کی تازگی ہے

یہ اُس کی صدا پھل کا بھوپن ہے!
یا شمعِ سخن کی رسی ہے؟

چہرے میں یہ شفق حیا کا گھل روپ ہے
دریا میں سی گھل گھل ہے

آنکھوں میں گلاب کھل رہے ہیں
کیا جانے وہ کب سے جاگتی ہے؟

برسا ہے خمار چاندنی کا!
یا اُس کی جبینِ زمک اُٹھی ہے؟

کیا جانے وہ کیسے مُسکرائی؟
ہیرے سے کرن سی چھن پڑی ہے!

چہرے پہ بکھر کے زلف اُس کی
سُورج سے خراج مانگتی ہے

وہ مجھِ خرام یوں ہے -- جیسے

اک شاخ ہوا سے کھیلتی ہے

پل بھر کو سرک گیا جو آنچل
کلیوں کی طرح بٹ گئی ہے

پروا ہی نہیں اُسے کسی کی
اپنے سے وہ کتنی اجنبی ہے!

آئینہ ہی دیکھتا ہے اُس کو
آئینہ کہاں وہ دیکھتی ہے؟

وہ غنچہ ذہن ”سکوت زادی“
کھلنے پہ بھی کم ہی بولتی ہے

میں اُس کے بغیر کچھ نہ سوچوں
شاید وہ یہ بات سوچتی ہے

میں اُس کی انا کا ہانکپن ہوں
وہ میری غزل کی دلکشی ہے

میں گرم دنوں کی لڑکا موسم
وہ سرد راتوں کی سادگی ہے

اے خلوتیانِ مہمہ اپنی آگہی جہیناں!
وہ آپ ہی اپنی آگہی ہے!

اے مشتریانِ حُسنِ قیمتی عالم
وہ دونوں جہاں سے قیمتی ہے

میں اُس کی رفاقتوں پہ نازاں
محسن وہ غروبِ دوستی ہے

سو بار میں اُس سے کھو گیا ہوں
ہستی ہوئی پھر سے مل گئی ہے

27
محسن یہ نہ کھل سکے گا مجھ پہ
وہ فن ہے کہ فن کی زندگی ہے!



لگے نہ کیوں خود سے مجھ کو پیارا، کبھی سمندر کبھی ستارہ
مری مسافت کا استعارہ کبھی سمندر کبھی ستارہ
تری مری قربتوں کا موسم بکھر کے سمٹ کے بکھرے
اسی لیے آنکھ میں اتارا -- کبھی سمندر کبھی ستارہ
نیا نیا عشق کرنے والو ہمیں سے اس کا زیاں بھی پوچھو
بساط ہستی پہ ہم نے ہارا کبھی سمندر کبھی ستارہ
ترے لیے جاگنے کو مہکیں کبھی (گلستاں) کبھی چراغاں
مرے لیے خواب کا اشارہ -- کبھی سمندر کبھی ستارہ
وہ کہکشاں زاد و سِلِ نکبت ہمارے ہمراہ چل پڑا تھا!
کہاں تھا ورنہ ہمیں گوارا -- کبھی سمندر کبھی ستارہ؟
مرے بھٹکنے پہ جانِ محسن یہ طنر کیسا کہ اس جہاں میں
ہوئے ہیں بے سمت و بے کنارہ -- کبھی سمندر کبھی ستارہ



سخنوری کی بخشش جو محسن کبھی ارادہ کرو
کسی کی بخشش لب سے بھی استفادہ کرو

اب اپنی تشنہ لہی سے کرو کشید لبؤ
غروبِ ابر کرم اور بے آبادہ کرو

عدو کی تنگ دلی کو جو مات دینا ہے
بدن کے زخم نہ دیکھو جہیں کشادہ کرو

جو دیکھنا ہو تمہیں اپنے خال و خد کی کشش
تو زیب تن کسی رُت میں قبائے سادہ کرو

لکھا ہے کس نے لبؤ سے یہ ریت پر محسن
ستم کرو تو برے صبر سے زیادہ کرو



ہجر کے شہر میں دھوپ اُتریٰ میں جاگ پڑا تو خواب ہوا
بری سوچ خزاں کی شاخ بنیٰ ترا چہرہ اور گلاب ہوا

برفیلی رُت کی تیز ہوا کیوں جھیل میں کنکر پھینک گئی؟
اک آنکھ کی نیند حرام ہوئیٰ اک چاند کا عکس خراب ہوا

ترے ہجر میں ذہن پگھلتا تھا ترے قرب میں آنکھیں جلتی ہیں
تجھے کھونا ایک قیامت تھا -- ترا ملنا اور عذاب ہوا۔۔۔!

بھرے شہر میں ایک ہی چہرہ تھا جسے آج بھی گلیاں ڈھونڈتی ہیں
کسی صبح اُسی کی دھوپ کھلیٰ کسی رات وہی مہتاب ہوا

بڑی عمر کے بعد ان آنکھوں میں کوئی ابر اُترا تری یادوں کا
مرے دل کی زمیں آباد ہوئی مرے غم کا گھر شاداب ہوا

کبھی وصل میں محسن دل ٹوٹا کبھی ہجر کی رُت نے لاج رکھی
کسی جسم میں آنکھیں کھو بیٹھے کوئی چہرہ کھلی کتاب ہوا



نظارۂ جمال میں شامل ہے آئینہ
دیکھے نہ کیوں کہ دید کے قابل ہے آئینہ

اے شامِ قرب اُس کو نظر چھو تو لے مگر
مشکل یہ ہے کہ راہ میں حائل ہے آئینہ

پھر اہل دل کو ہے جری بخشش کا نظار
پھر تیرے خد و خال کا سائل ہے آئینہ

اک دن تو بن سنور کے بری سانس میں اُتر
اس ریت ریت سانس کا حاصل ہے آئینہ

اک میں کہ تجھ کو دیکھنا چاہوں فلک تلک
اک تو کہ تیری دید کی منزل ہے آئینہ

پلکوں سے کر کشید شاعروں کے ذائقے
دریائے رنگ و نور کا ساحل ہے آئینہ

محسن میں کچھ تو آپ ہی نکلے ہوا مگر
کچھ میری خواہشات کا قاتل ہے آئینہ



ہوائے ہجر میں جو کچھ تھا اب کے خاک ہوا
کہ پیرہن تو گیا تھا بدن بھی چاک ہوا

اب اُس سے ترک تعلق کروں تو مر جاؤں

بدن سے رُوح کا اِس درجہ اشتراک ہوا

یہی کہ سب کی کمائیں ہمیں پہ ٹوٹی ہیں!
چلو حسابِ صفِ دوستاں تو پاک ہوا

پوچھ اپنی ظُرف پھر سے لوٹنے کا عمل!
کہ میں پہاڑ تھا، سمٹا تو مُشّتِ خاک ہوا

وہ بے سبب یونہی رُوٹھا ہے لمحہ بھر کے لیے
یہ سانحہ نہ سہی پھر کبھی کریناک ہوا

اُسی کے قُرب نے تقسیم کر دیا آخر!
وہ جس کا ہجر مجھے وجہِ انہماک ہوا

شدید وار نہ دشمنِ دلیر تھا محسن
میں اپنی بے خبری سے مگر ہلاک ہوا



آنکھ میں بے کراں ملال کی شام
دیکھنا، عشق کے زوال کی شام

میری قسمت ہے تیرے ہجر کا دن
میری حسرت تیرے وصال کی شام

دہکی دہکی ترے جمال کی صُبح
مہکی مہکی مرے خیال کی شام

روپ صدیوں کی دوپہر چکی محیط
”اورھنی“ ہے کہ ماہِ وصال چکی شام

پھر وہی دَر وہی صدا محسن!

پھر وہی میں وہی سوال کی شام

اے مری بے سہاگ تنہائی

اس سے پہلے کہ سوچ کا گردن
شام غم کے اجاڑ صحرا میں!
جل بجے بجھ کے راکھ ہو جائے
اس سے پہلے کہ چاہتوں کی یقیں
واہموں کے بھنور میں کھو جائے

اس سے پہلے کہ چاند کا جھومر!
درد کی جھیل میں اتر جائے!
اور خواہش کی چاندنی کا غبار
وقت کی آنکھ میں بکھر جائے

اس سے پہلے کہ اپنے دل کی رگیں
ایک اک کر کے ٹوٹی جائیں
اور طنائیں گلاب خوابوں کی
اپنے ہاتھوں سے چھوٹی جائیں

اس سے پہلے کہ گھیر لے مجھ کو
ہر طرف سے جلوہ رُسوائی
قربتوں کے نشاں مٹا ڈالے
ہجر کے زلزلوں کی انگڑائی

اے مری بے سہاگ تنہائی!
مجھ سے پڑسہ لے اپنے پیاروں کا
بجھتے اشکوں کے اُن ستاروں کا
جو ہر اک اجنبی کے رستے میں!

نور کی چادریں بچھاتے تھے
جو کسی صبح زاد کی دھن میں
رات بھر روشنی لاتے تھے!

اے مری بے سہاگ تنہائی!
آمرے پاس مجھ سے پڑس لے
اُن گلابوں کا اُن سحابوں کا
جس کی رت میں جو برستے تھے
جن کے پل بھر کے لمس کی خاطر
موسموں کے بدن ترستے تھے

اے مری بے سہاگ تنہائی!
اس سے پہلے کہ سانس تھک جائے
شوق ڈھونڈے نئی گزر گاہیں
اس سے پہلے کہ بے نشان ٹھہریں
حسرت قرب کی سبھی راہیں
میری گردن میں ڈال دے باہیں!

بُجو مرے کون تجھ کو چاہے گا؟
میں بھی تیری طرح اکیلا ہوں!
آنکھ میں نشی کا صحرا ہے!
دل میں پاتال کی سی گہرائی!
اور کیا ہو رہو شناسائی؟
اے مری بے سہاگ تنہائی!



ہمارے بعد سفیر صبا ہے آخر کون؟
تلاش منزلِ جاناں میں ہے مسافر کون؟

ربینِ خلوتِ شبِ چاندنی سے پوچھ کبھی
کہ شہر شہر بھٹکتا ہے تیری خاطر کون؟

ہمیں عزیز تھی مقتل کی آبرو -- ورنہ
بھرے جہاں میں ہے اپنے لہو کا تاجر کون؟

ہمیں نے شیخ کا پندارِ خود سری توڑا
وگرنہ اُس کی نظر میں نہیں تھا کافر کون؟

سخنوری ہمیں وجہ شرف نہیں محسن
مگر ہمارے سوا شہر میں ہے شاعر کون؟



کب سے تم نے اپنایا اس طرح کا ہو جانا!
شب کو جاگتے رہنا دن میں تھک کے سو جانا

شہر میں تو مجھ جیسی بے شمار آنکھیں ہیں
تم بھی خیر سے جاؤ تم نہ اُن میں کھو جانا

عدل کی کٹہرے میں جرم بول پڑتا ہے
داغ داغ دامن سے کچھ لہو تو دھو جانا

زہر اُگلنے سانپوں کی پھنکار تلے؟
ویرانوں میں دفن خزانے کیسے ہیں؟

جن کی چاک قمیصیں تیرے ہاتھ لگیں
خاک پہنتے وہ دیوانے کیسے ہیں؟

جن کے جھرمٹ میں شمعیں دم توڑ گئیں
وہ پیارے پاگل پر دانے کیسے ہیں؟

محسن ہم تو خیر خبر سے درِ گذرے
اپنے گھر کے لوگ نجانے کیسے ہیں؟



سو بار اجڑ کے پھر بسا ہوں
جنگل ہوں مگر ہرا بھرا ہوں

ہر شخص میں ڈھونڈتا ہوں خود کو
شاید میں کسی میں کھو گیا ہوں۔۔!

اب تیرا وصال۔۔۔ رائیگاں ہے
میں کب کا اداس ہو چکا ہوں

اندھا ہوں پکڑ لے ہاتھ میرا!
اے ہجر کی شب میں بے عصا ہوں

خوش ہو اے بلندیوں کی خواہش
میں نوکِ سناں پہ ج گیا ہوں

دریا کو شکست دی ہے میں نے
مشکیزے میں پیاس بھر رہا ہوں

کرتا ہے قبول کون مجھ کو۔۔۔؟
کتنے ہوئے ہاتھ کی دعا ہوں

جج یہ ہے کہ اجنبی ہوں خود سے
کہنے کو میں سب سے آشنا ہوں

الجھا ہوں یہ سوچ کر ہوا سے

میں شہر کا آخری دیا ہوں!
 دن بھر کی تپش میں کون بھلے!
 میں شب کو بدن پہ اوڑھتا ہوں
 محسن مجھے خود پہ نقشِ ناز کیا؟
 میں یوں بھی مثالِ نقشِ پا ہوں

قبیلے والو!

قبیلے والو!
 تمہاری آنکھوں میں جب بھی آفتاب اترے
 تو دیکھ لینا!
 تمہاری بستی کی کچی پگڈنڈیوں کو
 پتھر نکل چکے ہیں
 تمہارے پتھر پال
 سنگ بستہ حویلیوں میں بدل چکے ہیں
 تمہارے اُجلے مکان
 آہن مزاج زنداں میں ڈھل چکے ہیں
 تمہارے کھلیاں
 تیل پی کر اُگل رہے ہیں دھوئیں کی فصلیں!
 جہاں پہاڑ گتے تھے پھول کھلتے تھیں نکلوں کی رتیں ہمیشہ
 وہاں پہ بارودنا چتا ہے لہو کی برسات ہو رہی ہے
 سحر کی چادر بچھا کے منحوس رات
 بچے پہاڑی رات سو رہی ہے!!

قبیلے والو!
 تمہاری مہماں نوازیوں کی کہانیاں اب
 فقط کتابوں میں رہ گئی ہیں!
 محبتوں کے تمام جذبے
 گہن لگے چاند کی طرح ماند پڑ چکے ہیں
 تھکے ہوئے ہر دلوں کی آنکھوں میں

نیند کا نور بانٹتے پڑ جھڑ چکے ہیں
 رُتوں کے میلے اُجڑ چکے ہیں!!
 کسی کی بارات میں ستارے
 نہ مرنے والوں کے سوگ میں
 آنکھ نم --- کسی کی!
 دل دھڑکتے ہیں آہنوں پر
 نہ انتظارِ وصالِ جاناں میں
 جاگتی ہیں اُداس آنکھیں
 نہ اضطرابِ شکستِ بیاں
 نہ موسمِ چاکِ جیبِ وداہاں!
 کسی درتے پہ اب ٹھہرتی نہیں ہے
 موجِ صبا کی دستک!
 کوئی جلاتا نہیں اندھیروں کی صف میں
 اپنی انا کی مشعل
 کسی کے ماتھے پہ اب ابھرتی نہیں ہے
 اُجلے دنوں، نئے موسموں کی
 رخشندہ تر نگارش!
 قدم قدم سج گئے ہیں مقل
 قدم قدم ہے لہو کی بارش!!
 تمہارے رشتوں کی ---
 آپ سر سے لکھی ہوئی مستقل عبارت
 تمہاری تنہائیوں کی دیمک نے چاٹ لی ہے!
 قبیلے والو!
 تمہاری بستی کے اُس طرف
 شہد کی ندی سے پڑے
 بہت دُور --- دودھ کی نہر کے کناروں پہ
 ”موت“ منڈلا کے اپنے سوداگروں کے خیمے لگا رہی ہے!
 قبیلے والو!
 مجھے نہ جھٹلاؤ ---
 میں نے بے دست و پا ہوا سے یہی سنا ہے
 کہ آنے والا ہر ایک موسمِ قضا کا موسم
 کہ آنے والی ہر ایک ساعت
 فنا پہ لب ہے
 کہ آنے والا ہر ایک لمحہ
 اُجل بہ پا ہے

مجھے نہ جھٹلاؤ۔۔۔

اب کے تازہ عذاب اترے تو دیکھ لینا
قبیلے والو!
تمھاری آنکھوں میں جب کبھی آفتاب اترے
تو دیکھ لینا



قدرِ جوہر ہے جو پندار سمیت
مجھ کو پرکھو مرے معیار سمیت

روزِ مانگیں یہ دعا --- خانہ بدوش
گھر نہ اُجڑیں درودیوار سمیت

کتنی بخر ہوئی فصلِ آواز ---!
شہر چپ چاپ ہے بازار سمیت

کاش لوگوں کی طرح سُوئے پنجن
ہم بھی جائیں کبھی دلدار سمیت

کون کرتا قد و قامت کا حساب؟
اک قیامت تھا وہ رفتار سمیت

بُجھ جائیں کہیں آنکھیں میری
یاد آ، مشعلِ رخسار سمیت

خاک اُڑاتی ہوئی صدیوں سے ادھر
قافلے گم ہوئے سالار سمیت

جن کی بیت سے ہراساں لشکر!!
بے نشان اب ہیں وہ تلوار سمیت

خط کشیدہ رہی جرأت جن کی!
سرکشیدہ ہیں وہی دار سمیت
ہوس درہم و دینار کی خیر
لوگ پکنے لگے کردار سمیت
میں کہ محسن ہوں شہید ناموس
دفن کرنا مجھے ---- دستار سمیت!!



موسم کرب انتظار بھی جھوٹ
دل نہ مانے تو وصل یار بھی جھوٹ
جھوٹ ہے سب خزاں کا خمیازہ
عکس رنگِ رُخ بہار بھی جھوٹ
موت تیری طلب بھی لغزش لب
زندگی تیرا اعتبار بھی جھوٹ
وسعتِ داستانِ شوق غلط
کوششِ حرفِ اختصار بھی جھوٹ
خلقتِ فرمانِ شہرِ شہر مصلحت
ورنہ فرمانِ شہر یار بھی جھوٹ
نارسائیِ چشمی کو راستے مشکل!
کور چشمی کو کوہِ سار بھی جھوٹ
دور سے پیاس کو سرابِ چناب
اہل صحرا کو آہِ بشار بھی جھوٹ

دسترس کا ظلم ہے ورنہ
ساعتِ جبر و اختیار بھی ٹھوٹ

پیرہن خونِ دل میں تر کر لو
ورنہ دامانِ تار تار بھی ٹھوٹ

صرف اُس کا سفر ہے سچ محسن ---!
میری رہ بھی مرا غبار بھی ٹھوٹ



شْن پہ اوڑھے ہوئے صدیوں کا دُھواں شامِ فراق
دل میں اُتری ہے عجب سوختہ جاں شامِ فراق

خواب کی راکھ سمیٹے گی، نیکھر جائے گی!
صورتِ شعلہ خورشیدِ رُخاں شامِ فراق

باعثِ رونقِ اربابِ جنوں --- ویرانی!
حاصلِ وحشتِ آشفقہ سراں شامِ فراق

تیرے میرے سبھی اقرار وہیں نیکھرے تھے
سر جھکائے ہوئے بیٹھی ہے جہاں شامِ فراق

اپنے ماتھے پہ سجائے تیرے زُخار کا چاند!
اتنی خوش بخت و فلک ناز کہاں شامِ فراق؟

ڈھلتے ڈھلتے بھی ستاروں کا لہو مانگتی ہے
میری بجھتی ہوئی آنکھوں میں رواں شامِ فراق

اب تو ملبوسِ بدلِ کاکل بے ربطِ سنوار!

بجھ گئیں شہر کی سب روشنیاں، شامِ فراق
کتنی صدیوں کی تھکن اس نے سمیٹی محسن
یہ الگ بات کہ اب تک ہے جواں شامِ فراق



دیکھ رہیں احتیاطِ یوں نہ ابھی سنبھل کے چل
صورتِ موجِ تند خو، ست بدل بدل کے چل
قریہ جاں کے اُس طرف روشنیوں کی بھیڑ ہے
آج حدودِ ذات سے چار قدم نکل کے چل
دشتِ انا میں ہے تجھے تیرگیوں کا سامنا!
ذہن سے برف چھیل دے دھوپ بدن پہ نل کے چل
موجِ ہوا سے کر کشید اور سفر کا حوصلہ
راہ کے خار خار کو پھول سمجھ مسل کے چل
موسمِ بے قبا ٹھہر وقتِ وداعِ شوق ہے
اوڑھ لے راتِ ہجر کی درد کی لے میں ڈھل کے چل
نکتیہ رازِ دلنشیں کون زماں کہاں زمیں؟
تو بھی تو بے کنار ہو تہہ سے کبھی اُبل کے چل
جاگ بھی محسنِ حزیں، زندگیوں کا بھید پا
سانس کی ہر سراط پر ساتھ سدا اجل کے چل



اس دھوپ میں یہ فیض بھی اب مرمت نہ کر

مجھ پہ گزرتے اُبر کے سائے کی چھت نہ کر

اس دل کو فتح کر کے گزر جا --- کہ خیر ہو
آباد اس زمیں پہ کوئی سلطنت نہ کر

غُربت میں ٹوٹنے کا اندر مت بٹکانا مجھے
میں سنگ راہ ہوں مجھے شیشہ صفت نہ کر

اوقات بھول جاؤں گا اتنی اڑان سے
رہنے دے اب تو مجھ کو فلک مرتبت نہ کر

ناپیں گے کل مرے قد و قامت سے تجھ کو لوگ
اب اتنی بے دلی سے تو میری بُنت نہ کر

اب دکھ تیرے اپنے منائیں کھڑا ہوں میں
میں نے کہا نہ تھا کہ میری تربیت نہ کر

محسن تو آبروئے قلم کا امین ہے
سوداگرانِ فن کی کبھی منقبت نہ کر

شامِ افسردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے

پھر سے کجلائی ہوئی شامِ شبِ افسردہ!
اپنے ہاتھوں میں لیے گل شدہ شمعوں کی قطار
اپنے دامن کو سمیٹے ہوئے صدیوں کا غبار
اپنی پلکوں پہ لیے خاکِ زہِ لیل و نہار
میرے اُجڑے ہوئے آنگن میں اُتر آئی ہے

بال بکھرائے ہوئے شامِ شبِ افسردہ!
تن پہ اوڑھے ہوئے بے ربط خیالوں کا دھواں
زرد آنکھوں میں سمیٹے ہوئے فریاد و نغاں

مثل مجروح لباً صورتِ آشفته سراں
مانگتے آئی ہے مدفون مہ و سال کی یاد
جن کی تقدیر نہ شہرت تھی نہ رسوائی ہے

آج کی بات نہیں آج سے پہلے بھی یونہی
آتے جاتے ہوئے لحوں کے بکھرتے پُزے
جب ہوا بُرد ہوئے دل پہ قیامت ٹوٹی
آنکھ میں ٹوٹ کے چبھتے رہے اک عمر کے خواب
شامِ افسردہ کو دینا پڑا لحوں کا حساب
اپنا حاصل تو وہی روز کی تنہائی ہے!

آج کچھ اور ہی عالم ہے پس قریۂ جاں
آج کچھ اور ہی منظر ہے سرِ سطحِ زماں
آج محرابِ دل و جاں میں کوئی عکس نہیں
حدِ امکاں پہ سراپوں کا سفر ختم ہوا
ازکراں تاپہ گراں زرد خلاؤں کا گماں
آج خاکسترِ اُمید کی تہِ بخ بست
ہمبرِ افسوس کی ہر ایک روشِ ویراں ہے
ٹوٹے خواب نہ مدفون مہ و سال کی یاد
دل میں روشن کوئی چہرہ نہ خدوخال کی یاد!

دشتِ امکاں میں بس اک نقشِ فنا لہرائے
بجھتی جاتی ہے رگِ جاں میں لہو کی گردش
آنکھ میں پھیلے جاتے ہیں قضا کے سائے
شامِ افسردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے

اپنے اشکوں کی مدارات رہے یا نہ رہے
لب پہ پھر حرفِ مناجات رہے یا نہ رہے
آج کے بعد ملاقات رہے یا نہ رہے

ختم ہونے کو ہے تکرارِ لبِ افسردہ
اس سے پہلے کہ ڈھلے شامِ شبِ افسردہ
شامِ افسردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے



رات کی زلفیں برہم برہم درو کی نو ہے مدھم مدھم
میرے قفسے گلیوں گلیوں تیرا چرچا عالم عالم
یا قوتی ہونٹوں پر چمکیں اُس کی آنکھیں نیلم نیلم
چہرہ لال گلاب کا موسم بھیگی پللیں شبنم شبنم
ایک جزا ہے جنت جنت ایک خطا ہے آدم آدم
ایک لبو کے رنگ میں غلطاں مقل مقل پرچم پرچم
ایک عذاب ہے بستی بستی ایک صدا ہے ماتم ماتم
ساری لاشیں نکلے نکلے ساری آنکھیں پرہم پرہم
ہجر کے لمحے زخمی زخمی اُس کی یادیں مرہم مرہم
داد طلب اعجاز عصمت عیسیٰ عیسیٰ مریم مریم
محسن ہم اخبار میں گم ہیں
صفحہ صفحہ ---- کالم کالم



سجا کے سر پہ ستاروں کا تاج رکھتا ہے!
زمین پہ بھی وہ فلک کا مزاج رکھتا ہے
سنور نے والے سدا آئینے کو ڈھونڈتے ہیں
پچھڑ کے بھی وہ مری احتیاج رکھتا ہے؟
ہم اُس کے حُسن کو تنغیر کر کے دیکھیں گے!
جیں پہ کون شمن کا خراج رکھتا ہے

ترے بغیر یہاں کون زیرِ سایہ لب
جراتِ دل و جاں کا علاج رکھتا ہے؟

خفا سہی وہ سخاوت سرشت جب بھی ملے!
بھرم انا کا محبت کی لاج رکھتا ہے

مبا خرام خزاں پیرہن بہار بدن --!
وہ موسموں کا عجب امتزاج رکھتا ہے

پڑا کے آنکھ سے کچھ خواب رکھ لیے محسن
کسان جیسے بچا کر اناج رکھتا ہے



وہ بچھڑ کر جو بل گیا پھر سے
گل اندیشہ کھل گیا پھر سے!

اے زمینِ جلوسِ لالہ رُخاں!
کچھ خبر لے کہ دل گیا پھر سے

لے اڑی پھر ہوا زمین سے اشک
رشتہ آب و گل گیا پھر سے

ہجر کی زد میں پھر بدن اپنا
اک مگان تھا کہ بل گیا پھر سے

شکریہ اے ہوئے ضبطِ جنوں!
پیرہن جاں کا بل گیا پھر سے

پھر سے ہم اس پتیل گئے محسن
اُس کے چہرے کا ”پتیل“ گیا پھر سے



یہ خوشبو کے بکھر جانے کا موسم!
یہی موسم ہے مر جانے کا موسم!!

وداع دست و داماں کی گھڑی ہے
کہ لوٹ آیا ہے گھر جانے کا موسم

کہنو لمحے کھلی آنکھوں سے شب کے
یہ ہے سوتے میں ڈر جانے کا موسم

کئی اُبھی رُتوں کے بعد آیا --!
تری زلفیں سنور جانے کا موسم

سفر تھا کون جانے کس گھر میں؟
وہ بھول آیا بکھر جانے کا موسم

زمین کی پیاس کو کب راس آیا؟
چڑھے دریا اتر جانے کا موسم

وہی ہم ہیں وہی مقتل کی دھج ہے
وہی جاں سے گزر جانے کا موسم

وہی اُس کے سفر کا تیز لمحہ!
وہی دل کے ٹھہر جانے کا موسم

یہاں زیرِ زمیں بنے کی خواہش
وہاں گہسار پر جانے کا موسم

وہ بستی چاند سے چہرے وہ آنکھیں!
یہ موسم ہے ادھر جانے کا موسم!

قیامت کو ہے چھوڑ کر
دل سادہ جانے کا
محسن موسم



فن کار ہے تو ہاتھ پہ سورج سجا کے لا
بجھتا ہوا دیا نہ مقابل ہوا کے لا

دریا کا انتقام ڈبو دے نہ گھر ترا؟
ساحل سے روز روز نہ کنکر اٹھا کے لا

اب اختتام کو ہے سخی حرف التماس
کچھ ہے تو اب وہ سامنے دستِ دعا کے لا

پیاں وفا کے باندھ مگر سوچ سوچ کر
اس ابتدا میں یوں نہ سخن ابتدا کے لا

آرایشِ جراحتِ یاراں کی بزم ہے
جو زخمِ دل میں ہیں سخی تن پر سجا کے لا

تھوڑی سی اور موج میں آئے ہوئے گل
تھوڑی سی اُس کے جسم کی خوشبو پڑا کے لا

گر سوچنا ہیں اہل مشیت کے حوصلے
میداں سے گھر میں ایک قومیت اٹھا کے لا

محسن اب اُس کا نام ہے سب کی زبان پر
کس نے کہا کہ اُس کو غزل میں سجا کے لا



دل میں اور چشمِ تر میں کیا کچھ تھا
تجھ سے پہلے نظر میں کیا کچھ تھا

وہ جو لٹ کر ہوئے ہیں شہرِ بدر
اُن سے پوچھو کہ گھر میں کیا کچھ تھا؟

خیر گزری کہ سج گئے مقتل!
ورنہ سودا تو سر میں کیا کچھ تھا؟

دھول اڑنے لگی تو یاد آیا
کل تک اس رہگزر میں کیا کچھ تھا؟

دیکھ اب کے سفر میں کچھ بھی نہیں
سوچ اگلے سفر میں کیا کچھ تھا؟

دُھلِ حُسنی دُھوپِ بُجھ گیا سوزِ
سایہٴ بام و در میں کیا کچھ تھا؟

پوچھ اپنی اُداس آنکھوں سے!
میرے دل کے کھنڈر میں کیا کچھ تھا؟

کچھ تو بول اے ستارہٴ آخر!
شب کے پچھلے پہر میں کیا کچھ تھا؟

جو ترے سنج لب سے پھوٹی تھی
اُس نشیلی سحر میں کیا کچھ تھا

تیرے نزدیک بے بُنر میں کیا کچھ تھا
ورنہ اپنے بُنر میں کیا کچھ تھا

تو نے بھیجی تھی جو بدستِ صبا!

کیا کہیں اُس خبر میں کیا کچھ تھا؟
 ہم نے مانگی تھی جو بوقتِ وداع!
 اُس دُعا کے اثر میں کیا کچھ تھا؟
 جب تجھے چھو لیا تو کیوں سوچیں؟
 حُسنِ لعل و گُہر میں کیا کچھ تھا؟
 عشرتِ کوزہ ابرِ گر پُ میں نہ کیا کچھ تھا؟
 محسن!

میرے کمرے میں اتر آئی
 خموشی پھر سے!

میرے کمرے میں اتر آئی خموشی پھر سے
 سایہِ شامِ غریباں کی طرح
 شورشِ دیدہ گریاں کی طرح
 موسمِ گنجِ بیاباں کی طرح
 کتنا بے لطف ہے یادوں کا ہجوم
 جیسے ہونٹوں کی فضا بخستہ
 جیسے لفظوں کو گہن لگ جائے
 جیسے روٹھے ہوئے رستوں کے مسافر چپ چاپ
 جیسے مرقد کے سرہانے کوئی خاموش چراغ
 جیسے سنان سے مقتل کی صلیب!
 جیسے بجلائی ہوئی شب کا نصیب!
 میرے کمرے میں اتر آئی خموشی
 پھر سے!

پھر سے زخموں کی قطاریں جاگیں!
 اوّلِ شامِ چراغاں کی طرح!
 ہر نئے زخم نے پھر یاد دلایا مجھ کو
 اسی کمرے میں کبھی

مغل احباب کے ساتھ
گنگناتے ہوئے لمحوں کے شجر پھلتے تھے
رقص کرتے ہوئے جذبوں کے دہکتے لمحے
قریہ جاں میں لبہ کی صورت
شمع وعدہ کی طرح جلتے تھے!
سانس لیتی تھی فضا میں خوشبو
آنکھ میں ”گلبنِ مرجاں“ کی طرح
سانس کے ساتھ گہر ڈھلتے تھے!
آج کیا کہیے کہ ایسا کیوں ہے؟

شام چپ چاپ
فضا بستا
دل مراد دل کہ سمندر کی طرح زندہ تھا
تیرے ہوتے ہوئے تنہا کیوں ہے؟
تو کہ خود چشمہ آواز بھی ہے
میری محرم مری ہمارا بھی ہے!
تیرے ہوتے ہوئے ہر سمت اداسی کیسی؟
شام چپ چاپ
فضا بستا
دل کے ہمراہ بدن ٹوٹ رہا ہو جیسے!
روح سے رشتہ جاں چھوٹ رہا ہو جیسے!!

اے کہ تو چشمہ آواز بھی ہے
حاصلِ نعمت کی ساز بھی ہے!
لب کشا ہو کہ میر شام فگار
اس سے پہلے کہ شکستہ دل میں
بدگمانی کی کوئی تیز کرن چھ جائے
اس سے پہلے کہ چراغ وعدہ
یک بیک بجھ جائے!
لب کشا ہو کہ فضا میں پھر سے
جلتے لفظوں کے دہکتے جگنو
خیر جائیں تو سکوتِ شب عریاں ٹوٹے
پھر کوئی بندگِ ریاں ٹوٹے!
لب کشا ہو کہ مری ٹس ٹس میں
زہر بھر دے نہ کہیں
وقت کی زخم فروشی پھر سے

لب کشا ہو کہ مجھے ڈس لے گی
خود فراموشی پھر سے
میرے کمرے میں اتر آئی
خوشی پھر سے !!



اتنی فرصت نہیں اب اور خن کیا لکھنا؟
بس یہ اندازِ غزل اُس کا سراپا لکھنا

اُس کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے دریا بڑھنا
دل کو سیلاب کے موسم میں بھی پیاسا لکھنا

بزمِ خورشید رُخاں میں وہ الگ سب سے الگ
حلقہ گلِ بدناں میں اُسے یکتا --- لکھنا

اُس کی زلفوں میں اندھیروں کو پکھرنے دینا
اُس کے چہرے کو مگر چاند کا ٹکڑا لکھنا

اُس کے اُبرو کو ہلالِ شب وعدہ کہنا
اُس کے رُخسار کی سُرخی کو شفق سا لکھنا

اُس کے ماتھے پہ سجانا کئی صُبحوں کے ورق
اُس کی جھکتی ہوئی پلکوں پہ فسانہ لکھنا

اُس کی آہٹ سے چُرا لینا چمکتی کلیاں
اُس کے قامت پہ قیامت کا قصیدہ لکھنا

گھولنا دھوپ میں خود اُس کے بدن کی چاندی
اُس کے سائے کو قسم کھا کے سنہرا لکھنا

صبح کی پہلی بخشش اُس کے تبسم کی زکوٰۃ
شام کو دلدار کا دریا لکھنا

اُس کے ملبوس کو رنگوں کے سمندر جیسا
اُس کے آنچل کو سمندر کا کنارہ لکھنا

زندگی مرحمتِ جنبش لب کا اقرار
اُس کی ہر سانس کو اعجازِ مسحا لکھنا

اُس کی باتوں کو تلاوت کی طرح دُہرانا
اُس کے ملنے کو بھی الہام کا لمحہ لکھنا

شب کو انگڑائی سے جب اُس کا بدن ٹوٹتا ہے
اوج پر اپنے مقدر کا ستارا لکھنا

وہ اگر خواب میں بلیقے کی صورت اُترے
خواب کو خواب نہیں، مُلکِ سبّا کا لکھنا

دیکھ لینا کبھی اغیار کی محفل میں مگر
دل کی باتوں پہ نہ جانا اُسے ”اپنا“ لکھنا

ذکرِ مقتل کا جو کرنا ہو تو محسنِ پیارے
اپنے قاتل کو بہر طور ”مسحا“ لکھنا



اِس کو بُجھنے سے بچا لے اے غمِ یاراں کی رات!
آخری آنسو یہ کربِ رائیگاں کی کائنات!!

ایک ہی جذبے کے پہلو کیا خوشی کیا رنجِ ذات
ایک ہی جانب رواں ہیں کیا جنازہ کیا برات

انہی سوچیں حوشتوں کے ساتھ مصروف سفر
جس طرح مریج ہوا کی زد میں سراپہ کائنات

چاند نے موجوں کی تہہ میں چھپ کے دیکھی رات بھر
ایک پرچھائیں رواں بہتی ندی کے ساتھ ساتھ

آگہی کا زر نہ ہاتھ آیا نہ اجر عاشقی!
میں نے کتنی بار توڑا ہے بدن کا سومات

مر گیا نام تو تیرے کو ہی میراث میرا!
میرے بوسیرہ قلم قرضے مرضِ ٹوٹی دوات

میں تو محسن بڑھ چلا تھا حد سے اُس کے شوق میں
دل نے سمجھایا کہ لازم ہے ذرا سی احتیاط



کبھی غزل میں در آیا کبھی فسانہ ہوا
وہ جس سے اپنا تعارف بھی غائبانہ ہوا

عجب ہے اُس سے جدائی کے بعد کا لمحہ
کہ جیسے ترک تعلق کو اک زمانہ ہوا

دُعائے نیم شبی حد ختم کو پہنچی!
یہ اور بات کہ بابِ قبولِ وا نہ ہوا

یہی بہت ہے گواہی مری رفاقت کی
کہ میرا سایہ تری دھوپ سے جدا نہ ہوا

ڈھلی ہے رات چلو اپنے گھر کو ہو آئیں
کہ لوٹ آئیں گئے دروازہ گر کھلا نہ ہوا

ستم جہاں کا، تغافل ترا، عدو کا کرم
ہوا ہے جو بھی مرے ساتھ مُتصفانہ ہوا

بلا ہے اپنی ہی پلکوں کی جھالروں سے ادھر
وہ حرف بن کے زباں سے کبھی ادا نہ ہوا

شعورِ حُسن اُسے کب تھا اِس طرح محسن
مزاج اپنی غزل کا ہی عاشقانہ ہوا

مرا ہونا نہ ہونا۔۔۔۔۔!

مرا ہونا نہ ہونا منحصر ہے
ایک نقطے پر

وہ اک ”نقطہ“

جو دو حرفوں کو آپس میں ملا کر

”لفظ“ کی تشکیل کرتا ہے

وہ اک نقطہ سمٹ جائے تو

”ہونے“ کا ہر اک امکان

”نہ ہونے“ تک کا سارا فاصلہ

بل بھر میں طے کر لے!

وہی نقطہ پکھر جائے

تو ہر اک شے

”نہ ہونے“ کے قفس کی تیلیوں کو توڑ کر رکھ دے

”وہ اک نقطہ“ مری آنکھوں میں اکثر

روشنی کے سات رنگوں کو اُگاتا ہے!

مرے ادراک میں شبنم کی صورت

یا ستارے کی طرح لوحِ یقیں پر جگمگاتا ہے

وہی نقطہ مجھے تشکیک کے جنگل میں

جگنو بن کے منزل کی طرف رستہ دکھاتا ہے

مجھے اکثر بتاتا ہے

مرا ”ہونا“ ”نہ ہونے“ کا عمل ٹھہرا

مگر میرے ”نہ ہونے“ سے
 مرے ”ہونے“ کی بھی تکمیل ہوتی ہے!
 وہ ایک نقطہ کہاں ہے؟
 کون ہے؟
 کس کے لبوں میں چھپ کے ہر اثبات کو
 انکار میں تبدیل کرتا ہے
 جو دو حرفوں کو آپس میں ملا کر لفظ کی تشکیل کرتا ہے
 یہ نکتہ بھی اُسی نقطے میں مضمر ہے
 وہ ایک نقطہ کہ اب تک جس کے ہونے کا میں ہوں نہیں
 وہ افشا ہو۔۔۔ تو میں سمجھوں
 کہ ”ہوں“ بھی یا ”نہیں ہوں“ نہیں؟

پاگل لڑکی

ایک دن ایک پاگل لڑکی نے
 اپنے گھر کی اوپچی چھت سے
 اپنے سارے خواب اتارے
 خواہش کے ٹکڑوں کو جوڑا
 گیلے کپڑے
 تیز ہوا کے ہاتھ سے چھینے
 کالے حرفوں والے کاغذ
 پرس میں رکھنے
 پیلے چاند کی پھکی چھاؤں
 اپنی جی آنکھوں اندر
 آپ سیٹے
 رشتوں کی سنجیریں توڑ کے
 گھر سے نکلی!

شہر کی ساری روشنیوں نے
 اُس کی آنکھیں
 رنگ برنگی دیواروں پر
 چسپاں کر دیں
 جاگتی سوتی آنکھوں والی اُس لڑکی نے

مُرد کر دیکھا
گھر جانے کے سارے رستے
اُس سے ادجھل۔۔
آنکھیں بوجھل!!
اب وہ اپنے آپ کو جیسے ڈھونڈ رہی ہے
ہر جانب انجانے سائے
اُس سے آنکھیں مانگ رہے ہیں
اور وہ ہر اک موڑ پہ رُک کر
اپنے آپ سے پوچھ رہی ہے
اپنے گھر کا پہلا رستہ!!
وہ کتنی پاگل لڑکی تھی۔۔۔۔۔!
اور وہ تم ہو!!

میرے نام سے پہلے

اَب کے اُس کی آنکھوں میں
بے سبب اُداسی۔۔۔ تھی!
اَب کے اُس کے چہرے پر
دُکھ تھا۔۔۔ بے حواسی تھی!

اَب کے یوں بولا۔۔۔ مجھ سے
یوں غزل سنی۔۔۔ جیسے
میں بھی ناشناسا ہوں
وہ بھی۔۔۔ اجنبی جیسے

زرد خال و خد اُس کے
سوگوار دامن۔۔۔ تھا
اَب کے اُس کے لہجے میں
کتنا کھر درا سن تھا۔۔۔!

وہ کہ عمر بھر جس نے
شہر بھر کے لوگوں میں
مجھ کو ہم خن --- جانا
دل سے آشنا --- لکھا
خود سے مہرباں سمجھا
مجھ کو ” وڑبا “ لکھا

اب کے سادہ کاغذ پر
سُرخ روشنائی سے
اُس نے تلخ لہجے میں
میرے نام سے پہلے!
صرف ” بے وفا “ لکھا



دور تک پھیلا ہے صحرائے اجل
اے شب ہجراں مرے ہمراہ چل

سانس کا ریشم ٹھلس جانے کو ہے ---
ڈھل کہیں اے دو پہر کی دھوپ ڈھل!

روح کے زخمی پرندے اب نہ سوچ
گھل گیا زنداں کا دروازہ نکل!

ٹل گئی ہر اک قیامت ٹل گئی
ہم رہے اپنے اصولوں میں اٹل!!

دَم تو لے اے دردِ ہجر دوستان
ہم بھی سولیں تو بھی اب کروٹ بدل

اور بھی کچھ شمعیں شاید جل بھیں
اور بھی کچھ اے دلِ ناداں چل

راکھ ہو جائے نہ دل کی شعلگی
اس قدر پتھر نہ بن جاناں پکھل

ہانپنے کو ہیں ہوا کی وحشتیں
اے چراغِ رہگذر کچھ اور جل!!

یوں لگا وہ نیند سے جاگا ہوا
جیسے پچھلی رات کو تازہ غزل

آنسوؤں میں اُس کے چہرے کی دک
پانیوں میں جس طرح کھلتا کنول

اُس کی منزل سامنے ہے جی نہ ہارا!
اے مرے دل اے مرے ساتھی سنبھل

کچھ بتاتا ہی نہیں غم کا سبب
بس یونہی غم سم ہے محسن آج کل



وسعتِ چشم تر بھی دیکھیں گے
ہم تجھے بھول کر بھی دیکھیں گے

زخم پر ثبت کر نہ لب اپنے
زخم کو چارہ گر بھی دیکھیں گے!!

بجر کی شب سے حوصلے اپنے
بچ گئے تو سحر بھی دیکھیں گے

رات ہونے دو لوگ سونے دو!
چاند کو در بدر بھی دیکھیں گے

اک دعا دل سے پھپھ کے مانگی تھی
اُس دعا کا اثر بھی دیکھیں گے!!

اک پُرانا سفر تو ختم ہوا
اک نئی رہگذر بھی دیکھیں گے

گن تو لینے دو بے کفن لاشیں!
بے صدا بام و در بھی دیکھیں گے

چھینر کر دل کی راکھ کو محسن
اب کے رقصِ شرر بھی دیکھیں گے



راحتِ دل متاعِ جاں ہے تو
اے غمِ دوست جاوداں ہے تو

آنسوؤں پر بھی تیرا سایا ہے
دھوپ کے سر پہ سائباں ہے تو

دل تری دسترس میں کیوں نہ رہے
اس زمیں پر تو آسماں ہے تو

شامِ شہرِ اُداس کے والی
اے برے مہرباں کہاں ہے تو؟

سایہِ ایہِ رائیگاں ہوں میں
موجہِ بحرِ بیکراں ہے تو

میں تہی دست و گردِ پیراہن
لعل و لماس کی دُکاں ہے تو

لحہ بھرِ بل کے رُوشنئے والے
زندگی بھر کی داستاں ہے تو

کُفر و ایماں کے فاصلوں کی قُسم
اے متاعِ یقینِ گُماں ہے تو

تیرا اقرار ہے --- نفی میری
میرے اثبات کا جہاں ہے تو

اے مرے لفظ لفظ کا مفہوم!
نطقِ بے حرف و بے زباں ہے تو

جو مقدر سنوار دیتے ہیں!
اُن ستاروں کی کھکشاں ہے تو

بے نشاں بے نشاں خیامِ مرے
کاروں کارواں - رواں ہے تو

اے گرہیاں نہ ہو سُہر و ہوا
دل کی گشتی کا بادباں ہے تو

جلتے رہنا چراغِ آخرِ شب
اپنے محسن کا رازداں ہے تو

اب تو یوں دیدہ تر کھلتا ہے
جیسے زنداں کا در کھلتا ہے

کس نے پایا ہے دینے کا سراغ؟
کب کوئی اہل ہنر کھلتا ہے

خاک اُرانے کو چلی آئی --- ہوا!
اپنا سامان سفر کھلتا ہے

کھل گیا اُس کی محبت کا بھرم
جیسے چوفاں میں بھنور کھلتا ہے

قفسِ جاں سے بعد ناز نکل
کیوں سمیٹے ہوئے پے کھلتا ہے

کچھ خبر دل کی بھی اربابِ بخوں!
مدتوں بعد یہ گھر کھلتا ہے

بندشیں پوچھ نہ ہم پر اُس کی
لحہ بھر کو بھی اگر کھلتا ہے

دل کو دے گا وہ رفاقت کی تپش
راکھ سے جیسے شرر کھلتا ہے

پھول سے موجِ صبا کہتی تھی
جاگ بازارِ سحر کھلتا ہے

تھام کھول دُعا کو محسن
دامنِ حرفِ اثر کھلتا ہے



منصب بقدرِ قامتِ کردار چاہیے
کتنے ہوئے سروں کو بھی دستار چاہیے

اک بیج بے کفن کو ضرورت ہے آئینہ گر
اک شام بے رزا کو عزا دار چاہیے

سازج نے سر پہ تان لیا شب کا راز
اب دھوپ کو بھی سایہ ناز چاہیے

ہیرے نہ ہوں تو آئنا سجا لو دکان میں
سودا کروں کو سربئی بازار چاہیے!

ایسا نہ ہو کہ برفِ ضمیروں کو چاٹ لے
بخ بستی کو شعلہ پندار چاہیے

اذنِ سفر بلا ہے تو حدِ نظر غلط!
پروازِ آسمان کے ابھی اُس پار چاہیے

خوشبو کی جھانجھریں ہیں ہواؤں کے پاؤں میں
شاید سکوتِ دشت کو جھنکار چاہیے

ہے مدعی کی فکر نہ مجرم سے واسطہ
منصف کو صرف اپنا طرفدار چاہیے

شورشِ لبو کی ہو کہ ہو محسنِ اذانِ شوق
غوغا کوئی تو آج سردار چاہیے

تھک جاؤ گی

پاگل آنکھوں والی لڑکی!
 اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو۔۔۔
 تھک جاؤ گی!!
 کانچ سے نازک خواب تمہارے
 ٹوٹ گئے تو
 پچھتاؤ گی!!
 سوچ کا سارا اُجلا کندن
 ضبط کی راکھ میں گھل جائے گا
 کچے پکے رشتوں کی خوشبو کا ریشم
 کھل جائے گا۔۔!

تم کیا جانو؟
 خواب سفر کی دھوپ کے تیشے
 خواب ادھوری رات کا دوزخ
 خواب خیالوں کا پچھتاوا
 خوابوں کی منزل رسوائی!
 خوابوں کا حاصل تنہائی!!
 تم کیا جانو؟
 مہنگے خواب خریدنا ہوں تو
 آنکھیں پینا پڑتی ہیں۔۔۔ یا
 رشتے بھولنا پڑتے ہیں

اندیشوں کی ریت نہ پاؤ
 پیاس کی اوٹ سراپ نہ دیکھو
 اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو۔۔۔!!
 تھک جاؤ گی!!

یہ مرا شہر صحرا صفت!

اجنبی! دیکھنا یہ وہی شہر ہے
یہ مرا شہر صحرا صفت دشتِ نو
جس کے رستوں کی مٹی مری آبرو
جس کی گلیاں لکیریں مرے بخت کی
جس کے ذرے مہ و مہر سے قیمتی!

یہ وہی شہر ہے --- اجنبی! دیکھنا!
جس کی چاہت کی تقریر میں عمر بھر
میری آوارگی کے فسانے بنے!
جس کی خاطر مرے ہم سخن ہمسفر
بے سبب تہمتوں کے نشانے بنے!
جس کی بخشش کی تاثیر کے ذائقے
میری تشہیر کو تازیانے بنے!
میری دیوانگی نے تراشا جنہیں
وہ یہ پوش لمحے زمانے بنے!

اجنبی! دیکھنا یہ وہی شہر ہے
جس کی جلتی ہوئی دوپہر میں سدا
خواب بنتی رہی نوجوانی مری!
جس کے ہر موڑ پر راکھ کے ڈھیر میں
دفن ہوتی رہی ہر کہانی مری

جس کی پڑہول راتوں کی محراب میں
میری غزلوں کے خورشید جلتے رہے
جس کی بخ بستہ صبحوں کے اصرار پر
میرے آنسو شراروں میں ڈھلتے رہے

یہ وہی شہر ہے جس کے بازار میں
بارہا میرا پندار بیچا --- گیا!
موسمِ قحط کو ٹالنے کے لیے!
میرے دامن کا ہر تار بیچا گیا

اجنبی! دیکھنا ---- دیکھنا! اجنبی!
اپنے صحرا صفت شہر میں آج پھر
میں دریدہ بدن میں بریدہ قبا

دردِ ریزہ ریزہ خواہشوں کی کئی انگلیاں
ریزہ ریزہ مہ و سال کے ذائقے
پانچے پانچے دل کی شوریگی
عمر بھر کی کمانی ہوئی ٹھہرتیں
لحہ لحہ سلگتی ہوئی زندگی
ناچتی تہتوں کی کھلی وحشتیں
لب پہ مجروح لفظوں کی چبھتی تھکن
تن پہ یاقت زخموں کے تمنے لیے
سر جھکائے ہوئے راکھ کے ڈھیر پر
سوچتا ہوں کہ ہاں یہ وہی شہر ہے
جس سے منسوب ہے میرا نام و نسب
میرا فن میری تخلیق میرا ادب
شورش چشمِ نم --- نوحہ زیر لب
سب اسی شہر صحرا صفت کے لیے

میں مگر آج اس شہر کی بھیڑ میں
صورتِ موج صحرا اکیلا بہت!
میرے چہرے پہ کوئی گواہی نہیں
کچھ بھی حاصل ہوا جو تباہی نہیں

یوں بھی ہے کل جہاں میں تھا مسندِ نشیں
اُس جگہ خیمہ زن اب نئے لوگ ہیں
خود سے آباد کر قریہ شب مجھے
کوئی پہچانتا ہی نہیں اب مجھے!!

دل میں ٹھہرتی ہوئی درد کی لہر ہے
میرے سچ کا صلہ ساغرِ زہر ہے
سانس لینا یہاں جبر ہے قہر ہے
اجنبی دیکھنا یہ وہی شہر ہے
یہ وہی شہر ہے۔۔۔۔۔!

جستجو میں تری پھرتا ہوں نبھانے کب سے؟
آبلہ پا ہیں مرے ساتھ زمانے - کب سے!

میں کہ قسمت کی لکیریں بھی پڑھا کرتا تھا
کوئی آیا ہی نہیں ہاتھ دکھانے کب سے

نعمتیں ہیں نہ عذابوں کا تسلسل اب تو!
مجھ سے رُخ پھیر لیا میرے خدانے کب سے

جاں چھڑکتے تھے کبھی خود سے غزالاں جن پر
بھول بیٹھے ہیں شکاری وہ نشانے کب سے

وہ تو جنگل سے ہواؤں کو پُرا لاتا تھا
اُس نے سیکھے ہیں دیے گھر میں جلانے کب سے؟

شہر میں پرورشِ رسم جنوں کون کرے؟
یوں بھی جنگل میں ہیں یاروں کے ٹھکانے کب سے؟

آنکھ رونے کو ترستی ہے تو دل زخموں کو
کوئی آیا نہیں احسان جتانے کب سے

جن کے صدقے میں بسا کرتے تھے اُجڑے ہوئے لوگ
لٹ گئے ہیں سر صحرا وہ گھرانے کب سے

لوگ بے خوف گریباں کو گھلا رکھتے ہیں
تیر چھوڑا ہی نہیں دستِ قضا نے کب سے

جانے کب ٹوٹ کے برے گی ملامت کی گھٹا؟
سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں دوانے کب سے

جن کو آتا تھا کبھی حشر جگانا محسن
بختِ خفتہ کو نہ آئے وہ جگانے کب سے!



ہوا چلی بھی تو خود سے ڈرا دیا ہے مجھے
چراغِ شامِ سفر نے بجھا دیا ہے مجھے

مرے بدن میں پڑی جب بھی زلزلے کی دراڑ
مرے کماں نے بہت آسرا دیا ہے مجھے

میں دھوپ دھوپ مسافت میں جس کے ساتھ رہا
ذرا سی چھاؤں میں اُس نے بھلا دیا ہے مجھے

نئے دنوں کے لیے نیند نوچنا -- کیسا؟
گئے دنوں کی رفاقت نے کیا دیا ہے مجھے؟

وہ تیری یاد کہ انگلی پکڑ کے چلتی تھی
اُسی نے راہ میں آخر گنوا دیا ہے مجھے

بجھا تھا زہر میں ہر تارِ پیرہن اپنا
مری قبا نے دریدہ بدن کیا دیا ہے مجھے

حصارِ دیدہ تر میں سمٹ گئے منظر
تھکاوٹوں نے عجب حوصلہ دیا دیا ہے مجھے

نُچرتے جاتے ہیں سب خواب اپنی پلکوں سے
یہ کس نے جاگتے رہنا سکھا دیا ہے مجھے

میں روشنی کی علامت نہ فصلِ نخل کا سفیر

سحر کی شاخ پہ کس نے سجا دیا ہے مجھے
 مرے دیا پرستش میں آساں تھا وہ شخص
 اُسی نے اپنی نظر سے گرا دیا دیا ہے مجھے
 اُجاڑ دن تھا وہ محسن نہ ذکرِ شامِ فراق
 ہنسی خوشی و نہی اُس نے رُلا دیا دیا ہے مجھے



تم نہیں بچپن کی ضد میں تم سی کتنی لڑکیاں
 اب پرانے دامنوں پر کاڑھتی ہیں تبتلیاں
 دل میں تنہائی کا سناتا عذابِ حشر ہے
 رات بھر بجتی ہیں میرے گھر کی ساری کھڑکیاں
 میں شکستہ آئینوں کے شہر میں پھرتا رہا
 ہاتھ میں تیرا پتہ پاؤں میں جھپتی کرجیاں
 اُس کی جرأت پھانک لی تھی بھجئے رزق نے
 سہہ گیا وہ آتے جاتے گاہکوں کی جھڑکیاں
 دُوبنے والوں کی آوازیں خلا میں کھو گئیں
 لوگ چُختے ہی رہے ساحل سے تازہ سپیاں
 ہجر کے سارے فسانے سب بہانے سچ مگر
 کچھ مسائل اور بھی تھے اُس کے میرے درمیاں
 روشنی مانگی تھی سننے ہیں بزرگوں نے کبھی
 ڈھونڈتی ہیں بستیوں کو اب بھی اندھی بجلیاں
 اب لٹے لاشوں جلے خیموں کا پڑسہ کس کو دیں؟

رہ گئیں صحرا میں بچوں کی اُدھوری ہچکیاں

ہم گریبانوں سے جائیں گے تو کیا محسن مرے
دوستوں کے ہاتھ تو رہ جائیں گی کچھ دھجیاں



کاش ہم کھل کے زندگی کرتے!
عمر گزری ہے خودکشی کرتے!!

بجلیاں اس طرف نہیں آئیں
ورنہ ہم گھر میں روشنی کرتے

کون دشمن تری طرح کا تھا؟
اور ہم کس سے دوستی کرتے؟

بجھ گئے کتنے چاند سے چہرے
دل کے صحرا میں چاندنی کرتے

عشق اجرت طلب نہ تھا ورنہ
ہم ترے در پہ نوکری کرتے

اس تمنا میں ہو گئے رُسوا
ہم بھی جی بھر کے عاشقی کرتے

محسن اُس کا نہ کھل سکا محسن
تھک گئے لوگ شاعری کرتے



ہستم کو مصلحت؛ حُسنِ تقافل کو ادا کہنا
اُسے اب اور کیا لکھنا؟ اُسے اب اور کیا کہنا؟

یہ رسمِ شہرِ ناہنساں ہمارے دَم سے قائم ہے
کہ ہر اک اجنبی کو مُسکرا کر آشنا کہنا

جلوسِ ولفکاراں میں نہ کرنا بات تک لیکن
ہجومِ گلِ عذاراں میں اُسے سب سے جدا کہنا

سفر میں یوں خُمارِ تشنگی آنکھوں میں بھر لینا
چمکتی ریت کو دریا، بگولے کو گھٹا کہنا

ہزاروں حادثے تجھ پر قیامت بن کے ٹوٹے ہیں
تو اس پر بھی سلامت ہے، دل خوش فہم کیا کہنا!

دل بے مدعا کو بے طلب جینے کی عادت ہے
مجھے لہجا نہیں لگتا دُعا کو لہجا کہنا!

مرے محسن یہ آدابِ مسافت سیکھنا ہوں گے
بھٹکتے جگنوؤں کو بھی سفر کا آسرا کہنا

سُن لیا ہم نے.....!

| | | | | | |
|------|-----|--------|-------|-------|-------|
| سُن | لپا | ہم | نے | فیصلہ | تیرا |
| اور | سُن | کُرا | اُداس | ہو | بیٹھے |
| ذہن | چُپ | چاپ | آنکھ | خالی | ہے |
| جیسے | ہم | کائنات | کھو | | بیٹھے |

دُھندلے دُھندلے سے منظروں میں مگر
چھیرتی ہیں تجلیاں --- تیری
بھولی بری ہوئی رُتوں سے ادھر
یاد آئیں --- تسلیاں --- تیری!

دل یہ کہتا ہے --- ضبط لازم ہے
ہجر کے دن کی دُھوپ ڈھلنے تک
اعتراف شکست کیا کرنا ----!
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک

دل یہ کہتا ہے --- حوصلہ رکھنا
سنگ رستے سے ہٹ بھی سکتے ہیں
اس سے پہلے کہ آنکھ بجھ جائے!
جائے والے پلٹ بھی سکتے ہیں۔!

اب چراغاں کریں ہم اشکوں سے
مناظر بجھے بجھے --- دیکھیں؟
اک طرف تو ہے اک طرف دل ہے
دل کی مانیں -- کہ اب تجھے دیکھیں؟

خود سے بھی کشمکش سی جاری ہے
راہ میں تیرا غم بھی --- حائل ہے
چاک در چاک ہے قبائے حواس!
بے رفو سوچ، رُوح گھائل ہے

تجھ کو پایا تو چاک سی لیں گے
غم بھی اُمرت سمجھ کے پی لیں گے!
ورنہ یوں ہے کہ دامنِ دل میں!
چند سانس ہیں مگر گن کے جی لیں گے!

اتنا خالی تو گھر نہیں! ہم ہیں!
 ہم نہیں ہیں گھر نہیں! ہم ہیں!!
 چشمِ دشمن کے خوف سے پوچھو
 نوکِ نیزہ پہ سر نہیں! ہم ہیں
 شامِ تنہائی غم نہ کر کہ ترا
 کوئی بھی ہمسفر نہیں! ہم ہیں
 چاند سے کہہ دو بے دھڑک اترے
 گھر میں دیوار و در نہیں! ہم ہیں
 وہ جو سب سے ہیں بے خبر تم ہو
 جن کو اپنی خبر نہیں! ہم ہیں
 کیوں جلاتے ہو گھر جھونپڑی
 اس میں لعل و نہیں! ہم ہیں اپنی؟
 ہم ہیں ہم زادِ رات کے محسن
 جن کی قسمت سحر نہیں! ہم ہیں

کوئی پیغام نہ دلدار نوا تیرے بعد
خاک اُڑائی ہوئی گزری ہے صبا تیرے بعد

لب پہ اک حرفِ طلب تھا نہ رہا تیرے بعد
دل میں تاثیر کی خواہش نہ دعا تیرے بعد

عکس و آئینہ میں اب ربط ہو کیا تیرے بعد
ہم تو پھرتے ہیں خود اپنے سے خفا تیرے بعد

دھوپِ عارض کی نہ زلفوں کی گھٹا تیرے بعد
ہجر کی رُت ہے کہ حبس کی فضا تیرے بعد

لیے پھرتی ہے سرِ کلوئے بقا تیرے بعد
پرچمِ تارِ گریباں کو ہوا تیرے بعد

پیرہن اپنا سلامت نہ قبا تیرے بعد
بس وہی ہم وہی صحرا کی ردا تیرے بعد

نکبت و نئے ہے یہ دستِ قضا تیرے بعد
شاخِ جاں پر کوئی غنچہ نہ کھلا تیرے بعد

دل نہ مہتاب سے الجھا نہ جلا تیرے بعد
ایک جگنو تھا کہ چپ چاپ بجھا تیرے بعد

کون رنگوں کے بھنور کیسی حنا تیرے بعد؟
اپنا خوں اپنی ہتھیلی پہ سجا تیرے بعد

درد سینے میں ہوا نوحہ سرا تیرے بعد
دل کی دھڑکن ہے کہ ماتم کی صدا تیرے بعد

ایک ہم ہیں کہ ہیں بے برگ و نوا تیرے بعد
ورنہ آباد ہے سب خلقِ خدا تیرے بعد

ایک قیامت کی خراشیں ترے چہرے پہ سجیں
ایک محشر مرے اندر سے اٹھا تیرے بعد

تجھ سے بچھڑا ہوں تو مَر جھا کے ہوا بُرد ہوا
کون دیتا مجھے کھلنے کی دُعا تیرے بعد؟

اے فلک نازِ مری خاک نشانی تیری
میں نے مٹی پہ ترا نام لکھا تیرے بعد

تو کہہ سمٹا تو رگِ جاں کی حدوں میں سمٹا
میں کہہ بکھرا تو سمٹا نہ گیا تیرے بعد

ملنے والے کئی مفہوم پہن کر آئے ---!
کوئی چہرہ بھی نہ آنکھوں نے پڑھا تیرے بعد

بچتے جاتے ہیں خدوخالِ مناظرِ آفاق!
پھیلتا جاتا ہے خواہش کا خلا تیرے بعد

یہ الگ بات کہ افشا نہ ہوا تو ورنہ
میں نے کتنا تجھے محسوس کیا تیرے بعد

میری دُکھتی ہوئی آنکھوں سے گواہی لینا
میں نے سوچا تجھے اپنے سے سوا تیرے بعد

سہ لیا دل نے ترے بعد ملامت کا عذاب
ورنہ چھپتی ہے رگِ جاں میں ہوا تیرے بعد

جانِ محسن مرا حاصل یہی مُہم سطریں!
شعر کہنے کا ہنر بھول گیا تیرے بعد



بھولے برے ہوئے بامِ دور کے لیے خواب کیا دیکھنا؟
بے کراں دشت میں اپنے گھر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

چل پڑے ہو تو اب آنکھ پر ٹوٹتے آبلے باندھ لو
راہ میں ختمِ شامِ سفر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

جس کے بعد اپنی راتوں کی ہریالیاں بانجھ بنجر بنیں
ایسی کم یاب تنہا سحر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

ضبط کا زہر تھا، ہنس کے پینا پڑا، پی چکے جی چکے!
چند لمحوں کو اب چارہ گر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

رات پھر دل میں پچھتا ہو ایک پل کہہ گیا آنکھ سے
رائیگاں آس پر عمر بھر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟

جن کو محسنِ قفس میں دہکتی ہوئی زندگی راس ہے
اُن پرندوں کو اب بال و پر کے لیے خواب کیا دیکھنا؟



نفس کو درد سے حاصل فراغ ہونا تھا
اہلتی نے تھی، شکستہ ایام ہونا تھا

جہاں جہاں سے گزرنا تھا تیری خوشبو کو
روشن روشن کو ہواں باغ باغ ہونا تھا

مے تھے شامِ سفر میں تو پھر بوقتِ فراق
تجھے ہوا مجھے آخر چراغ ہونا تھا

دہاں تو رسم تھی خنجر کو صاف رکھنے کی
مری قبا کو دہاں داغ داغ ہونا تھا

وہ اشکِ شامِ غریباں میں بجھ گیا جس کو
خطِ مسافتِ شب کا سراغ ہونا تھا

تمھاری سوچ بھی آخر بہک گئی محسن
تسہیں تو شہر میں روشن دماغ ہونا تھا



شام ہی شام پیش و پس اور ہوا کا سامنا
ایک چراغ کسم نفس --- اور ہوا کا سامنا

وقت ملے تو پوچھنا دل زدگانِ شوق سے
موسمِ گوشتِ نفس اور ہوا کا سامنا

دائرۂ حواس میں ایک قبا کی سلوٹیں
دل پہ جنوں کی دسترس --- اور ہوا کا سامنا

پچھلے برس تو بچ گئے --- اور ہوا تھی سامنے
کرنا پڑے گا اس برس --- اور ہوا کا سامنا

ہمسفر دُعا کرو کاش ہمیں نصیب ہو
رات کی رانیوں کا رس اور ہوا کا سامنا

آنکھ میں قحطِ آب سے دیکھ دیے بجھے ہوئے
دل نے کہا کہ یار بس؟ اور ہوا کا سامنا

ابھی نہ رُکنا!-----!

میں معترف ہوں

کہ تم نے اپنے قلم سے
پتھر کی صورتوں کے بدن کی
شکلیں درست کی ہیں!

کہ تم نے پلکوں سے
ریزہ ریزہ بکھرتی میندوں
کو چن کے لفظوں میں گھولنے کا
ہنر تراشا

کہ تم نے مدفون روز و شب کے
کواڑ کھولے اور اُن کے پیچھے
نکچے چراغوں کی سربریدہ لوؤں کو
اپنے لہو سے روشن کیا تو
ذروں کی آنچ پر پھر حوط چہرے
پکھل گئی آواز بن گئے ہیں!!

میں معترف ہوں کہ
تم نے تنگی کلی کے بے خواب پہریداروں کی
آستیں میں چھپی ہوئی زہر سے بھری سازشوں کو
باہر نکال کر

بے خبر ہواؤں کو تازہ خبروں کا نور بخشا۔۔۔!

میں معترف ہوں
تمہاری آنکھوں میں بولتے سچ کا معترف ہوں
میں معترف ہوں
تمہارے پاؤں میں جاگتے آبلوں کی حدت کا معترف ہوں
مگر میری جاں!

ابھی قلم کو نہ تھکنے دینا
کہ زندگی کے بہت سے زخموں کو
("حرفِ مرہم" کی جستجو ہے)

ابھی نہ رُکنا

کہ ہر مسافت تمہارے اپنے ہنر کا زیور ہے
آبرو ہے!

ابھی بگولوں میں گہر کے بے دست و پا نہ ہونا
کہ سچ کے اس بے کنار صحرا میں

تم اکیلے نہیں ہو
میں بھی تمہارے ہمراہ چل رہا ہوں!

(تیا ساجد کے لیے)



حال مت پوچھ عشق کرے کا!
عمر جینے کی شوق مرنے کا!!

وہ محبت کی احتیاط کے دن!
ہائے موسم وہ خود سے ڈرنے کا

اب اُسے آئینے سے نفرت ہے!
کل جسے شوق تھا سنورنے کا

خودکشی کو بھی رائیگاں نہ سمجھ
کام یہ بھی ہے کر گزرنے کا

عمر بھر کے عذاب سے مشکل!
ایک لمحہ سوال کرنے کا!!

خون رونا بھی اک ہنر ٹھہرا!
بانجھ موسم میں رنگ بھرنے کا

ٹوٹے دل کو شوق سے محسن
صورتِ برگ گل بکھرنے کا!!



رات بھی ہے سفر بھی جگنو بھی
دو قدم چل پڑے اگر تُو بھی!!

78
کچھ تو تاریک تھی فراق کی رات
اور کچھ کھل گئے وہ گیسو بھی!

قفلِ موجِ رواں مگر نہ کھلا
پیاں بیٹھی رہی لبِ جو بھی

ایک ہی پل میں مجھ سے بچھڑے ہیں
موسمِ گل بھی تیری خوشبو بھی!!

اُس پہ کیسی غزل کہیں؟ کہ وہ شخص
سنگدل بھی ہے آئینہِ رو بھی

اولِ اول وہ زوٹھ کر جو ملا
آنکھ میں بولتے تھے آنسو بھی

شب کا دریا نہ طے ہوا محسن
شل ہوئے اپنے دست و بازو بھی



دل نے تنہا جھیلی رات
ہجر کی رات اکیلی رات

دن والے کب بوجھ سکے؟
مشکلِ شام پہیلی رات

ایک سفر کی تشریحیں!
چاند چکوز چنبیلی رات!!

دن اپنے ہر درد کا دوست
اُس کی ایک سہیلی رات

اک سُنانِ نگرِ ہر سانس
اک ویرانِ حویلی رات

اُس کا روپ تھا ”باڑ“ کی دھوپ
میری سرِّ ہتھیلی رات

اُس کی آنکھ سے چھلکی شام
اُس کی زلف سے کھیلی رات

محسن کے انجام کے نام
ہجر کی نئی نویلی رات

عہد نامہ

غلط کہا ہے کسی نے تم سے
کہ جنگ ہوگی!
زمین کے سینے پہ بے تحاشہ لبو بنے گا
لبو بنے گا۔۔۔ بھڑکتے آج بونے گا
لبو جو میزانِ آرزو ہے
لبو جو ہاتلِ واہنِ مریم کی آبرو ہے
لبو جو ابنِ علی کے سایہ چشمِ وَاُبرو میں سُرخرو ہے
مجاورانِ شبِ ہلاکت کی سازشوں کے مقابلے میں
جو روشنی ہے، تپش، تمازت، طلب، نمو ہے
لبو امانت ہے آگہی کی
لبو ضمانت ہے زندگی کی
لبو بنے گا تو مسکراتی ہوئی زمیں پر
نہ پھول مہکیں گے چاہتوں کے
نہ رقصِ خوشبو نہ موسموں کی تیز کوئی
نہ زندگی کا نشان رہے گا
(فقط آجل کا دُھواں رہے گا)
غلط کہا ہے کسی نے تم سے
کہ جنگ ہوگی!

سمندروں سے اُنھیں گے شعلے
زمین کے سینے پہ موت ناچے گی
کھیت کھلیاں راکھ ہو جائیں گے جھلس کر
فضا میں بارود بھانک لے گا
----- بشر کی سانسیں!
یہ ہنستے ہنستے گھروں کے آنگن
----- بنیں گے مدفن!!
ہزار ہا بے گناہ ماؤں کی چھاتیوں سے
لیٹ کے سوئے، گلی محلّوں میں کھیلتے
بے نیاز بچوں کے -----
جن کی آنکھوں میں کوئی سازش نہ جرم کوئی

تمہیں خبر ہے کہ جنگ ہوگی تو اس کے شعلے
زمین کی ہریا لیاں --- نکلنے کے بعد میں بھی
----- نہ سرد ہوں گے
تمہیں خبر ہے کہ جنگ ہوگی
تو آنے والے کئی برس
بانجھ موسموں کی طرح کٹیں گے
تمام آبادشہر --- سنسان وادیوں کی طرح ہٹیں گے
قضا کے آسیب اپنے جبروں میں پیس دیں گے
تمام لاشیں، تمام ڈھانچے، تمام ہنجر
نہ فاختائیں رہیں گی باقی
نہ شاہراہوں پہ روشنی کا جلوس ہوگا
لہو کے رشتے، نہ عکس تہذیب آدمیت
نہ ارتباط خلوص ہوگا ---
تمہیں خبر ہے کہ جنگ ہوگی تو اس کے شعلے
تمام جذبوں کو چاٹ لیں گے
نہ زندگی کا نشان رہے گا
فقط اجل کا دھواں رہے گا

تمہیں خبر ہے تو بے خبر بن کے سوچتے کیا ہو؟
دیکھتے کیا ہو؟

آؤ اپنے لہو سے لکھیں وہ عہد نامہ
جو عزمِ مخرب رکھنے والوں کے عہد ناموں سے معتبر ہو
وہ عہد نامہ کی جس کے لفظوں میں

مسکراتے حسین بچو کی دکاشی ہو
 نحیف ماؤں کی سادگی ہو
 ضعیف محنت کشوں کے ہاتھوں سے
 لہلہاتے جوان کھیتوں کی زندگی ہو
 اٹھو کہ لکھیں وہ عہد نامہ
 جو امن کی فاختہ کے نغموں سے گونجتا ہو
 لکھو کہ

خوشبوئے امن بارود کی ہلاکت سے معتبر ہے
 لکھو کہ ہنستی ہوئی سحر شب کی تیرگی سے عظیم تر ہے
 لکھو کہ دھرتی اجاڑنے والے مجرموں کا حساب ہوگا
 لکھو کہ بارود کا دھواں خود بشر پہ اپنا عذاب ہوگا۔۔۔
 ”تم اپنی خواہش کی بھٹیوں میں جلاؤ خود کو
 مگر ہمیں امن کی خنک چھاؤں میں
 دُعاؤں میں سانس لینے دو۔۔۔ زندگی بھر
 کہ جنگ ہوگی تو دیکھ لینا
 کہ زندگی کی سحر نہ ہوگی
 کسی کو اپنی خبر نہ ہوگی!



نئی طرح سے نبھانے کی دل نے ٹھانی ہے
 وگرنہ اُس سے محبت بہت پرانی ہے

خدا وہ دن نہ دکھائے کہ میں کسی سے سُنوں
 کہ تو نے بھی غم دنیا سے ہار مانی ہے

زمین پہ رہ کے ستارے شکار کرتے ہیں
 مزاج اہل محبت کا آسانی ہے.....!!

ہمیں عزیز ہو کیونکر نہ شام غم کہ یہی
 بچھڑنے والے تیری آخری نشانی ہے

اُتر پڑے ہو تو دریا سے پوچھنا کیسا؟
 کہ ساحلوں سے ادھر کتنا تیز پانی ہے
 بہت دنوں میں تیری یاد اوڑھ کر اُتری
 یہ شام کتنی سنہری ہے کیا سُہانی ہے!
 میں کتنی دیر اُسے سوچتا رہوں محسن
 کہ جیسے اُس کا بدن بھی کوئی کہانی ہے



کبھی جو چھیڑ گئی یادِ رفتگاں محسن
 پکھر گئی ہیں نگاہیں کہاں کہاں محسن
 ہوا نے راکھ اُڑائی تو دل کو یاد آیا
 کہ جل بجھیں مرے خوابوں کی بستیاں محسن
 کچھ ایسے گھر بھی ملے جن میں گھونگھٹوں کے عوض
 ہوئی ہیں دفن دوپٹوں میں لڑکیاں محسن
 کھنڈر ہے عہدِ گزشتہ نہ چھو نہ چھیڑ اے
 کھلیں تو بند نہ ہوں اس کی کھڑکیاں محسن
 بُجھا ہے کون ستارہ کہ اپنی آنکھ کے ساتھ
 ہوئے ہیں سارے مناظر دھواں دھواں محسن
 نہیں کہ اُس نے گوائے ہیں ماہ و سال اپنے
 تمام عمر کئی یوں بھی رائیگاں محسن
 ملا تو اور بھی تقسیم کر گیا مجھ کو
 سینٹا تجھیں جسے میری کرچیاں محسن

کہیں سے اُس نے بھی توڑا ہے خود سے ربط وفا
کہیں سے بھول گیا میں بھی داستان محسن



دل تری رہگور میں کھو بیٹھے
اک ستارہ سفر میں کھو بیٹھے

شوق پرداز و جستجوئے سفر
خواہش بال و پر میں کھو بیٹھے

حسنِ حرفِ دعا میں فقیر ترے
مقتِ چارہ گر میں کھو بیٹھے

ہم بھی کیا چاند سے حسنِ چہرے
گردِ شام و سحر میں کھو بیٹھے

بادِ باں جب ہوا کے ہاتھ لگا
کشتیاں ہم بھنور میں کھو بیٹھے

گھر بنانے کی آرزو ہم لوگ
حسرتِ بام و در میں کھو بیٹھے

بولتے شہر بنتے یاروں کے!
دل کے اندھے کھنڈر میں کھو بیٹھے

یادِ اک دل میں غم ہوئی محسن
عکسِ اک چشمِ تر میں کھو بیٹھے

کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفو کا عالم

کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفو کا عالم
ریزہ ریزہ مری سوچیں وہ غزل جیسی تھی
کیسا موسم تھا وہ سانسوں کی نمو کا موسم
جھیل جیسی مری چاہت وہ کنول جیسی تھی

رات آنگن میں اُترتی تھی مگر یوں جیسے
اُس کی آنکھوں میں دہکتا ہوا کاجل پھیلے
صبح خوابوں میں نکھرتی تھی مہک کر جیسے
اُس کے سینے سے پھسلتا ہوا آنجل پھیلے

دل دھڑکتا تھا کہ جیسے کسی پگڈنڈی پر
اُس کی پازیب سے ٹوٹا ہوا گھنگھرو بولے
چونک اُٹھتی تھی ساعت کہ سفر میں جیسے
اُس کے سائے کی زباں میں کوئی جگنو بولے

اُس کی زلفیں مری تسکیں کے بھنور بنتی تھیں
جیسے کھلتے ہوئے ریشم سے ہوا چھو جائے
اُس کی پلکیں مرے اشکوں کے گھر چنتی تھیں
باب تاثیر سے جس طرح دُعا پھو جائے

اُس کی آواز جگاتی تھی مقدر میرا
جیسے معبد میں سورے کا گجر بجاتا ہے
جیسے برسات کی رم جھم سے دھنک ٹوٹی ہے
یا رحیل سر آغاز سفر بجاتا ہے!
اُس کے چہرے کی تمازت سے پکھلتے تھے حروف
جیسے گھسار پہ کرونوں کے قبیلے اُتریں!
جیسے کھل جائے خیالوں میں حنا کا موسم
جیسے خوشبو کی طرح رنگ نیشے اُتریں

اُس کے قامت پہ جو سوچا تو سرِ شام وصال
دوڑ افکار پہ جذبوں کا سفر یاد آیا

وہ کہ مہتاب کی صورت تھی نگاہوں سے بلند
میں سمندر تھا مجھے مدد جزر یاد آیا

نازِ نکبت کی اکائی تھی مگر محفل میں
اپنے ملبوس کے رنگوں میں وہ بٹ جاتی تھی
یوں تو قسمت کا ستارہ تھی مگر آخر شب
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں سمٹ جاتی تھی

اُس سے بچھڑا ہوں تو آنکھوں کا مقدر ٹھہرا
دل کے پاتال میں بے بستی لہو کا عالم
اپنی تنہائی کی پرچھائیں میں لپٹا ہوا جسم
جیسے ٹوٹے ہوئے شیشوں میں سیو کا عالم
اپنے سائے کی رفاقت پہ بھی کانپ اٹھتا ہوں
شہر کے شہر پہ چھایا ہے وہ بو کا عالم
کیسا عالم تھا وہ جذبوں کے رفو کا عالم؟



درد سے بے نیاز ہونے دے
اے شبِ ہجر کچھ تو سونے دے!

رخصت اے جس شام ضبطِ جٹوں
رونے والوں کو کھل کے رونے دے

آج اک سرخرو سے ملنا ہے!
آج آنکھیں لہو سے دھونے دے

کاش کوئی ہمیں بھی اشک اپنے
سانس کے تار میں پرونے دے

فصلِ بے بستی میں جینا ہے
پانیوں میں شرارِ بونے دے

کچھ تو سوچ اپنے حال پر محسن
خود کو یوں رائیگاں نہ ہونے دے

☆

وہ لڑکی بھی ایک عجیب سیلی تھی
پیاسے ہونٹ تھے آنکھ سمندر جیسی تھی

سورج اُس کو دیکھ کے پیلا پڑتا تھا
وہ سرما کی دھوپ میں ڈھل کر نکلی تھی

اُس کو اپنے سائے سے ڈر لگتا تھا
سورج کے صحرا میں وہ تنہا ہرنی تھی

آتے جاتے موسم اُس کو ڈتے تھے
ہنٹے ہنٹے پلکوں سے رو پڑتی تھی

آدھی رات گنوا دیتی تھی چپ رہ کر
آدھی رات کے چاند سے باتیں کرتی تھی

دُور سے اُجڑے مندر جیسا گھر اُس کا
وہ اپنے گھر میں اکلوتی دیوی تھی!

موم سے نازک جسم سحر کو ڈکھتا تھا
دیئے جلا کر شب بھر آپ کچھلتی تھی!

تیز ہوا کو روک کے اپنے آنچل پر
سوکھے پھول اکٹھے کرتی پھرتی تھی

سب پر ظاہر کر دیتی تھی بھید اپنا
سب سے اک تصویر چھپائے رکھتی تھی

کل شب چکنا چور تھا دل اُس کا
یا پھر پہلی بار وہ کھل کر روئی تھی

محسن کیا جانے کیوں دھوپ سے بے پروا
وہ اپنے گھر کی دہلیز پہ بیٹھی تھی؟



اور کیا ہیں اپنی بزم آرائیاں
مل کے بیٹھے بانٹ لیں تنہائیاں

حاصلِ خوشبو فزاں کی بانجھ رُت
شہرتوں کی انتہا --- رُسوائیاں

قرب کا موسم بھی کیا موسم تھا جب
ناپتے تھے روح کی گہرائیاں!

ہجر کے لمحے بھی کیا لمحے ہیں اب
بجھتی جاتی ہیں تیری پرچھائیاں!

کون سی دہن کا اجڑا ہے سہاگ؟
رو پڑی ہیں بے سبب شہنائیاں

یاد آئیں بچنے کی سب ضدیں
جس طرح روٹھی ہوئی ہمسائیاں

اُس کی میری خواہشوں کا اتفاق
جیسے آپس میں ملیں ماں جائیاں

اُس کے خال و خد کی تشبیہیں نہ پوچھ
رنگِ رم جھم روشنیِ رعنائیاں

پوچھ مت محسن اندھیرے ہجر کے
چاند سی کیا صورتیں گہنایاں!!

کون یاد آتا ہے؟

جب تری کلائی میں
چوڑیاں کھکتی ہیں
جب شررِ پلکوں کی
پانکلیں چھکتی ہیں

جب فضا کا سناٹا
خود سے گنگنا تا ہے
کون یاد آتا ہے؟

جب تری نگاہوں میں
دونوں وقت ملتے ہیں
جب طلب کی راہوں میں
کھل کے پھول کھلتے ہیں

جب خیال کا بچھی
خوف سرسراتا ہے
کون یاد آتا ہے؟

اجنبی سی آہٹ پر
جب بھی دل دھڑک جائے
جب بھی گنگنو خود سے
حلق میں انک جائے

دل میں چور سا کوئی
جب بھی مسکراتا ہے
کون یاد آتا ہے؟

جب بھی گھپ اندھیرے میں

بجلیاں چمکتی ہیں
جب بجے کواڑوں پر
آندھیاں لپکتی ہیں

جب رگوں میں انجانا
خوف سرسراتا ہے
کون یاد آتا ہے؟

خواہشوں کی بستی میں
واہموں کے میلے ہیں
بے کراں اُداسی میں
ہم سبھی اکیلے ہیں

خود سے دل دھڑکتا ہے
خود سے ڈوب جاتا ہے
کون یاد آتا ہے؟
کون یاد آتا ہے؟



ترکِ محبت کر بیٹھے ہم ضبطِ محبت اور بھی ہے
ایک قیامت بیت چکی ہے ایک قیامت اور بھی ہے

ہم نے اُسی کے درد سے اپنے سانس کا رشتہ جوڑ لیا
دردِ شہر میں زندہ رہنے کی اک صورت اور بھی ہے

ڈوبتا سورج دیکھ کے خوش ہو رہنا کس کو راس آیا
دن کا دکھ سہہ جانے والی رات کی وحشت اور بھی ہے

صرف رتوں کے ساتھ بدلتے رہنے پر موقوف نہیں
اُس میں بچوں جیسی ضد کرنے کی عادت اور بھی ہے

صدیوں بعد اُسے پھر دیکھا دل نے پھر محسوس کیا
اور بھی گہری چوٹ لگی ہے درد میں شدت اور بھی ہے

میری بھیکتی پلکوں پر جب اُس نے دونوں ہاتھ رکھے
پھر یہ مجید کھلا ان اشکوں کی کچھ قیمت اور بھی ہے

اُس کو گنا کر محسن اُس کے درد کا قرض چکانا ہے
ایک اذیت ماند پڑی ہے ایک اذیت اور بھی ہے!



اَب کے سفر میں تشنہ لہی نے کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا؟
صحراؤں کی پیاس بجھاتے دریاؤں کو پیاسا دیکھا

شاید وہ بھی سرد رُتوں کے چاند سی قسمت لایا ہوگا
شہر کی بھڑ میں اکثر جس کو ہم نے تنہا تنہا دیکھا

چارہ گروں کی قید سے چھوٹے تعبیریں سب راکھ ہوئی ہیں
اب کے دل میں درد وہ اُترا اب کے خواب ہی ایسا دیکھا

رات بہت بھٹکے ہم لے کر آنکھوں کے خالی مشکیزے
رات فرات پہ پھر دشمن کے لشکریوں کا چہرا دیکھا

درد کا تاجر بانٹ رہا تھا گلیوں میں مجروح تبسم
دل کی چوٹ کوئی کیا جانے زخم تو آنکھ میں گہرا دیکھا

جس کے لیے بدنام ہوئے ہم آپ تو اُس سے مل کر آئے
آپ نے اُس کو کیسا پایا --- آپ نے اُس کو کیسا دیکھا؟

کیسا شخص تھا درد رُتوں کی بھیڑ میں جب بھی سامنے آیا
اُس کو دھوپ سا کھلتا پایا اُس کو پھول سی کھلتا دیکھا

اَبر کی چادر تان کے جھیل میں ساتوں رنگ رچانے اُترا
موجہ آب کی تہہ میں جانے چاند نے کس کا چہرہ دیکھا

تیرے بعد ہمارے حال کی ہر رُت آپ گواہی دے گی
ہر موسم نے اپنی آنکھ میں ایک ہی درد کا سایا دیکھا

محسن بند کواڑ کے پیچھے ڈھونڈ رہی ہے سہمی شمعیں
جیسے عمر کے بعد ہوا نے میرے گھر کا رستہ دیکھا



آنکھ بے منظر طلب بے آرزو ایسی نہ تھی
تجھ سے پہلے فصلِ خواہش بے نمو ایسی نہ تھی

جس بھی آتا تھا، مڑجاتی تھیں کلیاں بھی مگر
شہر کی آب و ہوا بے رنگ و بو ایسی نہ تھی

اب تو ہر رستے سے بوجھوں تیری آہٹ کا سراغ
شوق تھا ملنے کا لیکن جستجو ایسی نہ تھی

یا میں تیرے خال و خد میں اس قدر کھویا نہ تھا
یا تری تصویر پہلے ہو بہو ایسی نہ تھی

اب کے در آئی قفس میں فصلِ گل ورنہ کبھی
خشکی دامن کی محتاج رفو ایسی نہ تھی

گلننِ یاقوت میں رقصِ شرر کیا دیکھتے؟
اُس کے لب، جیسے وہ لب تھے گفتگو ایسی نہ تھی!

اب کے محسن کیا کہیں کیا ہو مالِ سیرِ گل؟
خواہشِ آوارگی دل میں ”کھو“ ایسی نہ تھی

تو کیا ہوگا۔۔۔۔۔؟

تو کیا ہوگا؟

یہی ہوگا کہ تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گی
جیسے رنگ سے خوشبو

بدن سے ڈور سانسوں کی!

گرفتِ شام سے۔۔۔ ناراض سورج کی کرن
اک دم بچھڑ جائے!

کہ جیسے رات کے پچھلے پہر

خوابیدہ گلیوں

نیم خوابیدہ گھروں میں زلزلہ آئے

تو اک بستی اُجڑ جائے!

کہ جیسے دھوپ کے صحرا میں

تشنہ لب، بھٹکتے بھولتے بے گھر پرندوں

سخت جاں پیڑوں، بگولوں کے بھنور میں

اپنی چھاؤں بانٹا بادل۔۔۔ پھڑ جائے!

تو کیا ہوگا؟

یہی ہوگا کہ۔۔۔ میں تم سے جدا ہو کر

کہیں تقسیم ہو جاؤں گا

لمحوں میں بکھر جاؤں گا

تنہائی کے اندھے غار کی تہہ میں اتر جاؤں گا

تم سے روٹھ کر۔۔۔ خود سے خفا ہو کر۔۔۔!!

تو کیا ہوگا؟

یہی ہوگا۔۔۔

نہ کوئی زلزلہ آئے گا

کوئی آنکھ نم ہوگی نہ سناٹا

بچھے گا شہر کی گلیوں میں

زلفیں کھول کر روئے گی تنہائی

نہ شہر دل و نگاراں میں

کوئی محشر بپا ہوگا۔۔۔!

تو کیا ہوگا۔۔۔؟

تمہارے ساتھ

اپنے رنگ ہوں گے!

روشنی ہوگی۔۔۔!!

ستارے بانٹتے خوابوں کا
اپنا سلسلہ ہوگا۔۔۔!

تو کیا ہوگا۔۔۔؟
مگر سوچو کسی تنہا سفر میں
جب مری آواز کے بے ربط رشتوں سے
تمہارا سامنا ہوگا۔۔۔!
تو کیا ہوگا؟



دل کہاں کربِ دل آزاری کہاں؟
زلزلوں کی زد میں ہے کچا مکاں!

لحمہ بھر کے ہجر نے پھیلا دیا۔۔۔!
اک زمانہ تیرے میرے درمیاں

ناچتی ہے دھوپ سی آنکھوں میں جب
بارشوں میں بھیکتی ہیں لڑکیاں!

کل اُسے دیکھا نئے لمبوس ہیں۔۔۔!
جیسے رنگوں کے بھنور میں کہکشاں

بادِ اباں جب سے ہوا کی زد میں ہیں
ساحلوں سے خوف کھائیں کشتیاں

جنگلوں کے پیڑ ہیں سہمے ہوئے
جگنوؤں کو دھونڈتی ہیں بجلیاں

نیند کیا ٹوٹی کہ دل مُرجھا گیا!
اُڑ گئیں خوابوں کی ساری تتلیاں

سوچنا محسن سفر کے شور میں
گھر کا سناٹا تھا کتنا مہرباں!



خواب آنکھوں میں چھو کر دیکھوں
کاش میں بھی کبھی سو کر دیکھوں

شاید ابھرے تری تصویر کہیں!
میں تری یاد میں رو کر دیکھوں

ایسی خواہش میں مٹا جاتا ہوں
تیرے پاؤں تری ٹھوکر دیکھوں

اشک ہیں وہم کی شبنم کہ لہو؟
اپنی پلکیں تو بھگو کر دیکھوں

کیسا لگتا ہے پھنر کر مانا ---؟
میں اچانک تجھے کھو کر دیکھوں؟

اب کہاں اپنے گریباں کی بہار؟
تار میں زخم پرو کر دیکھوں

میرے ہونے سے نہ ہونا بہتر
تو جو چاہئے ترا ہو کر دیکھوں؟

روح کی گرد سے پہلے محسن!
داغ دامن کو تو دھو کر دیکھوں

میں تیرے شہر سے گذرا تو۔۔۔۔۔!

میں تیرے شہر سے گذرا تو کچھ عجب سا لگا!
 ہر ایک موڑ پہ ناکام حسرتوں کا ہجوم
 ہر ایک راہ میں مقروض خواہشوں کی قطار
 ہر اک قدم پہ شکستہ ندامتوں کے مزار
 ہر ایک آنکھ میں مرگ تعلقات کا سوگ
 ہر اک روش پہ رواں جتھوئے رزق میں لوگ
 تمام لوگ وہی لوگ تھے کہ جن سے کبھی
 نظر پڑا کے گزرتا تھا میں ہوا کی طرح
 تمام سائے مری آنکھ میں بکھرتے رہے
 کسی قریب کی بستی کے آشنا کی طرح
 میں تیرے شہر سے گذرا تو کچھ عجب سا لگا
 کہ جیسے شہر وہی ہے وہی نہیں ہے مگر
 کوئی ٹھگی کوئی منظر کسی روش کا مزاج
 جہین خاک میں پیوست ہیں فراق کے داغ
 فضائے زرد کے سائے میں احتیاط کے ساتھ
 اجاڑ بام پہ جلتا ہوا۔۔۔ اُداس چراغ
 ہوا سے پوچھ رہا تھا۔۔۔ اک اجنبی کی طرح
 مرے سفر کا سبب تیرے ہمسفر کا سراغ!

ہر اک سوال مجھے کتنا بے سبب سا لگا
 میں تیرے شہر سے گذرا تو کچھ عجب سا لگا



بکھرتا جسم مری جاں کتاب کیا ہوگا؟
 تمہارے نام سے اب امتساب کیا ہوگا؟

تم اپنی نیند بھرے شہر میں تلاش کرو!
جو آنکھ راکھ ہوئی اُس میں خواب کیا ہوگا؟

وہ میری نیندیں اپنے بدن پہ کیوں اوڑھے
مرے گناہ کا اُس کو ثواب کیا ہوگا؟

ہوا میں اُس کی مسافت زمیں پہ میرا سفر
وہ شہسوار برا ہمارا ہمرکاب کیا ہوگا؟

اُسے گنوا کے میں اب کس کے خدوخال پڑھوں
اب اُس سے بڑھ کے مرا انتخاب کیا ہوگا؟

ملے گا ڈوبنے والوں کو اجڑ جو بھی ملے!
سمندروں کا مگر احتساب کیا ہوگا؟

ہمارے بعد ہمیں یاد کیوں کرے گا کوئی؟
ہوا کا نقش سرِ سطح آب کیا ہوگا؟

بکھرتے ٹوٹتے محسن کو اور کیا کہنا
خراب اور وہ خانہ خراب کیا ہوگا؟



ختم ہوئے پیغام سلام
اُس کے ہجر کے نام سلام!

لحہ بے انجام --- دُعا!
دیدہ بے آرام --- سلام

ماند پڑا ہر یاد کا چاند
اے گردِ ایام --- سلام

تیری مرضی دیکھ نہ دیکھ
رگیروں کا کام سلام

کہنا غزلوں کو مکتوب
لکھنا اُس کے نام -- سلام

جاگ مری صبح اعزاز
کرنے آئی شام سلام

لٹے شہر عذاب بخیر!
بجھتے کوچہ و بام سلام!!

خوابش تسکینِ عمر دراز
حسرتِ درد انجام سلام

محسن اُس کے طورِ اخیر
نازِ اندازِ خرام سلام

ابھی کیا کہیں۔۔۔۔۔؟

ابھی کیا کہیں۔۔ ابھی کیا سنیں؟
کہ سرِ فصیلِ سکوت جاں
کفِ روز و شب پہ شرر نما
وہ جو حرفِ چراغ تھا
اُسے کس ہوا نے بجھا دیا؟

کبھی لبِ بلیں گے تو پوچھنا!

سرِ شبیرِ عہدِ وصالِ دل
وہ جو نکجوں کا ہجوم تھا

اُسے دستِ موجِ فراق نے
تہہ خاک کب سے ملا دیا؟

کبھی گل کھلیں گے تو پوچھنا!

ابھی کیا کہیں -- ابھی کیا سنیں؟
پونہی خواہشوں کے فشار میں
کبھی بے سبب -- کبھی بے خلل
کہاں کون کس سے بچھڑ گیا؟
کہے کس نے کیسے گنوا دیا؟

کبھی پھر ملیں گے تو پوچھنا!



چمن میں جب بھی صبا کو گلاب پوچھتے ہیں
تمھاری آنکھ کا احوالِ خواب پوچھتے ہیں

کہاں کہاں ہوئے روشن ہمارے بعد چراغ؟
ستارے دیدہ تر سے حساب پوچھتے ہیں

وہ تشنہ لب بھی عجب ہیں جو موجِ صحرا سے
سُراغِ حُسنِ مزاجِ سراب پوچھتے ہیں

کہاں بسی ہیں وہ یادیں اُجاڑنا ہے جنھیں؟
دلوں کی بانجھ زمیں سے عذاب پوچھتے ہیں

برس پڑیں تری آنکھیں تو پھر یہ مجید کھلا
سوال خود سے بھی اپنا جواب پوچھتے ہیں

ہوا کی ہمسفری سے اب اور کیا حاصل؟
بس اپنے شہر کو خانہ خراب پوچھتے ہیں

جو بے نیاز ہیں خود اپنے حُسن سے محسن
کہاں وہ مجھ سے برا انتخاب پوچھتے ہیں؟



کہہ گئی چشمِ تر کی حیرانی
مجھ سے نفرت نہ کر کہ ٹھہری ہے
وسعتِ عقل پر نہ حیراں ہو!
ہنستی بستیِ خدائی کے خالق!
چاندنی کے اُجاڑ صحرا میں
مؤجزن دل میں ہے خیالِ ترا
زندگی ہے فرات کا پانی
تیرا بلبوس۔ میری غریانی
دامنِ عقل میں ہے نادانی
دیکھ اُجڑے گھروں کی ویرانی!
رقص کرتی ہے رات کی رانی
جیسے دریا کہ تہہ میں طغیانی
بادشاہت سے قیمتی تحسن
بارگاہِ علی کی درباری!



روشنی جب میرے مکان میں ہو!
کیوں اندھیرا کسی کے دھیان میں ہو؟
اُس کی رفتار کا مزاج نہ پوچھ
جیسے تازہ غزل اُڑان میں ہو!
خُبس میں کشتیاں لرزتی ہیں!
کوئی سازش نہ بادبان میں ہو؟
موت کی آہٹوں سے کون ڈرے
زندگی جب تری امان میں ہو!
کیوں نہ پہنچے سپہِ لباس زمیں
چاند جب دُفن آسمان میں ہو
یوں تری یادِ دل میں ہے جیسے
تیر ٹوٹی ہوئی کمان میں ہو!

تم یقین ہو سوچے مگر نہ غمان کیلئے محسن؟
تم یقین ہو سوچے مگر نہ غمان کیلئے محسن؟

سنا ہے زمیں پر.....!

سنا ہے
زمیں پر وہی لوگ ملتے ہیں۔۔۔ جن کو
بکھی آسمانوں کے اُس پار
روحوں کے میلے میں
اک دوسرے کی محبت ملی ہو۔۔۔!
مگر تم۔۔۔
کہ میرے لیے نفرتوں کے اندھیرے میں
ہنستی ہوئی روشنی ہو
لبو میں رچی!
رگوں میں بسی ہو!!
ہمیشہ سکوتِ شبِ غم میں آوازِ جاں بن کے
چاروں طرف گونجتی ہو!
اگر آسمانوں کے اُس پار
روحوں کے میلے میں بھی مل چکی ہو!
تو پھر اس زمیں پر
مری چاہتوں کے کھلے موسموں سے گریزاں
مری دھوپ چھاؤں سے
کیوں اجنبی ہو؟

کتابوں میں لکھی ہوئی۔۔۔
اور کانوں سنی۔۔۔
ساری باتیں غلط ہیں۔۔۔؟
کہ تم ”دوسری“ ہو۔۔۔؟؟



سُورج کا خوف دل سے بھلا دینا چاہیے
اب اپنا سر سناں پہ سجا دینا چاہیے

یارو اسی کے دم سے ہیں مقتل کی رونقیں
قاتل کو زندگی کی دُعا دینا چاہیے

صحرا سجا رہا ہے بگولوں کا اک جلوس
سائے کو راستے میں بچھا دینا چاہیے

شب نگوں نہ مار دے کہیں لشکر ہواؤں کا
شاخوں سے پنچھیوں کو اڑا دینا چاہیے

یہ کیا کہ دوسروں کو سنائیں حدیثِ غم
اک روز خود کو ہنس کے رُلا دینا چاہیے

کرنوں کی بھیک مانگتی پھرتی ہے خلقِ شہر
اب وقت ہے کہ گھر کو خلا دینا چاہیے

محسن طلوعِ اشک دلیلِ سحر بھی ہے
شب کٹ گئی چراغِ بجا دینا چاہیے

سفر جاری رکھو اپنا
(خالد شریف کے لیے ایک ادھوری نظم)

یہ شیشے کے غلافوں میں دھڑکتی سوچتی آنکھیں
نجانے کتنے پُر اُسرار دریاؤں کی گہرائی میں

بکھرے موتیوں کی آب سے نم ہیں
 پہاڑوں سے اترتی گہر میں لپٹا ہوا
 یہ سانولا چہرہ!
 نجانے کتنی گجلائی ہوئی صبحوں کے سینے میں
 مچلتی خواہشوں کا آئینہ بن کر
 دمکتا ہے!
 یہ چہرہ گرب کے موسم کی بجھتی دو پہر میں بھی
 چمکتا ہے!!
 یہ لب یہ تشنگی کی موج میں بھیکے ہوئے
 ”مرجاں“

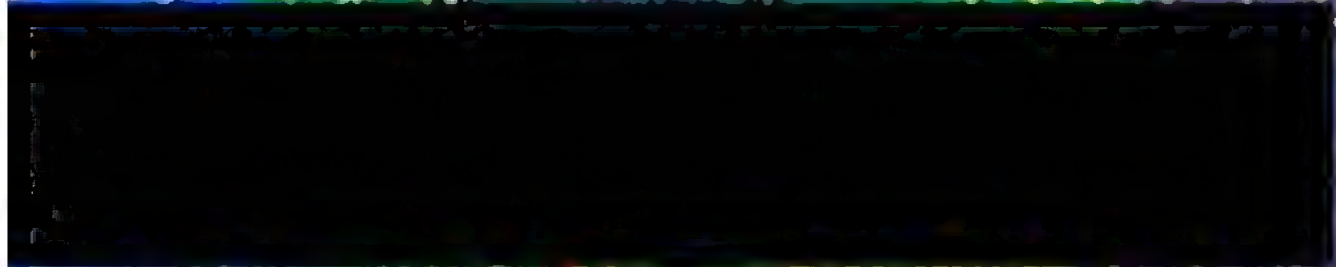
شعاعِ حرفِ جن سے پھونتی ہے سرخرو ہو کر!
 یہ لب جب شعلہ آواز کی حدت میں چپ کر مسکراتے ہیں
 تو نادیدہ سراپوں کی جبین پر
 بے طلب کتنے ستارے جھلملاتے ہیں
 یہ لب جب مسکراتے ہیں
 تو پل بھر کو سکوتِ گنبدِ احساس
 خود سے گونج اٹھتا ہے!!

یہ پیکر!
 یہ حوادث کے مقابل بھی کشیدہ قامت و خوش پیر ہن پیکر
 کہ جیسے بارشوں کے رنگ برساتی ہوئی رُت میں
 خرامِ ابر پر قوسِ قزح نے
 اپنی انگڑائی چھڑک دی ہو!

کوئی آواز!
 جب تنہا مسافت میں برے ہمراہ چلتی ہے
 کوئی پرچھائیں
 جب میری بھی آنکھوں میں چھپتے اشک چنتی ہے
 تو لمحہ بھر کو رک کر سوچتا ہوں نہیں
 کہ اس تنہا مسافت میں
 کسی صحرا میں سائے بانٹتے اشجار کی خوشبو ہے
 یا تم ہو۔۔۔؟

یہ تم ہو یا تمنا کے سفر میں
 حوصلوں کا استعارہ ہے؟
 یہ تم ہو یا طلب کی رہگذر میں
 گم ستارہ ہے؟

ہوا تم سے اُبھرتی ہے
 کہ تم اپنی ہتھیلی پر مشقت کا ”دیا“ بجھنے نہیں دیتے!
 حریفانِ قلم۔۔۔ نالاں
 کہ تم اُن کی کسی سازش پہ کیوں برہم نہیں ہوتے؟
 ادب کے تاجرانِ حرص پیشہ سر بہ زانو ہیں
 کہ تم اہل ہنر کے ریزہ ریزہ خواب
 اپنی جاگتی پلکوں سے چُن کر
 سانس کے ریشم میں
 کیوں اتنی مشقت سے پروتے ہو
 مگر جاناں تمہیں کیا؟
 تم سفر جاری رکھو اپنا
 سفر میں سنگباری سے لہو ہونا
 جگر کے زخم سے رستے لہو سے آبلے دھونا۔۔۔
 ازل سے ہم غریبانِ سفر کی اراکِ روایت ہے!
 تمہیں کیا تم سفر جاری رکھو اپنا۔۔۔!
 تمہاری آبلہ پائی کا عنوان ”نارسائی“ ہے
 تمہیں آتا ہے
 دشمن کے لیے وقف دُعا رہنا
 اندھیروں سے اُلجھنا۔۔۔ سنگباری کی رُتوں میں ”بے قبا“ رہنا
 تمہیں آتا ہے۔۔۔ یوں بھی زخم کھا کر مُسکرا دینا
 تمہیں آتا ہے
 گر دروز و شب سے ”ماورا“ رہنا





تمام کتب بغیر کسی مالی فائدے کے پی ڈی ایف میں
تبدیل کی جاتی ہیں۔
کتابی مواد کی ذمہ داری مصنف پر ہے۔

سید حسین اسحاق -
ایڈیٹر۔ فیس بک گروپ

03448183736
03145951212



عذاب دید

یہ سنس نے ہم سے لہو کا خراج پھر مانگا؟
ابھی تو سوائے تھے قتل کو سرخرو کر کے!

ترتیب

- ☆ انتساب
☆ امرتیل کی چھاؤں میں

غزلیں ، نظمیں

- 1- تعزیرِ اہتمام چمن کون دے گیا
- 2- اک موجہ صہبائے بکوں تیز بہت ہے
- 3- روضا میں اذیت شناسیاں نہ گئیں
- 4- انا پہ چوٹ پڑے بھی تو کون دیکھتا ہے؟
- 5- دل کوئوں سیلِ غم ہجر بہالے جائے
- 6- میرے لیے کون سوچتا ہے؟
- 7- دل دکھتا ہے
- 8- رُوٹھا تو ہمبر خواب کو غارت بھی کر گیا
- 9- رہیں خوف نہ وقف ہر اس رہتا ہے
- 10- ابر برسانہ ہوا تیز چلی ہے اب کے
- 11- کڑے سفر میں اگر راستہ بدلنا تھا
- 12- دن تو یوں بھی لگے عذاب عذاب
- 13- سبیلِ دردِ تھم جائے خروشِ دل ٹھہر جائے

- 14- کہاں یہ بس میں کہ ہم خود کو حوصلہ دیتے
- 15- جب اجرِ خود آگئی لیا تھا
- 16- ہم تو بیٹھے تھے رہگذار میں غم
- 17- ہمارے بعد چلی رسم دوستی کہ نہیں
- 18- خوا اس سے کھنا
- 19- یہ عجیب فصلِ فراق ہے
- 20- شب کو جب کبھی میں نے اپنی جستجو کی ہے
- 21- تجھے اُداس بھی کرنا تھا خود بھی رونا تھا
- 22- ہم سے مت بڑھ چہ راستے گھر کے
- 23- لٹنے کہاں کہ صاحبِ جاگیر ہم نہ تھے
- 24- صحبتِ یاد رفتگاں کب تک
- 25- وہ شاخِ مصتاب کٹ چکی ہے
- 26- اب سو جاؤ
- 27- بھڑکانیں مری پیاس کو اکثر جری آنکھیں
- 28- گونہ زخمِ ندل سے اذیتیں بڑھ چو
- 29- ہجر کی شام دھیان میں رکھنا
- 30- جب بھی دہرائے فسانے دل کے
- 31- کب تلک اپنی تپش میں آپ جلنا ہے تجھے
- 32- وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا
- 33- اگر تم آئینہ دیکھو
- 34- یہ پچھلے عشق کی باتیں ہیں
- 35- ذکرِ شبِ فراق سے وحشت اُسے بھی تھی
- 36- بھری بہار میں اب کے عجیب پھول کھلے

- 37- کھنڈر آنکھوں میں غم آباد کرنا
- 38- شکستہ آئینوں کی کرچیاں اچھی نہیں لگیں
- 39- اُس کی چاہت کا بھرم کیا رکھنا
- 40- اُس سمت نہ جانا جان مری!
- 41- چلو چھوڑو.....!
- 42- عذاب دید میں آنکھیں لہو لہو کر کے
- 43- روشن کئے جو دل نے کبھی دن ڈھلے چراغ
- 44- جب جری دُھن میں جیا کرتے تھے
- 45- شاید اُسے ملے گی لب بام چاندنی
- 46- بکھڑ کے مجھ سے یہ مشغلہ اختیار کرنا
- 47- آج بھی شام اُداس رہی
- 48- بھت دنوں بعد
- 49- جانے اب کس دیس ملیں گے اُونچی ذاتوں والے لوگ
- 50- آج گم مُم ہے جو برباد جزیروں جیسی
- 51- آئینے پر کبھی کتاب میں ہیں
- 52- بسا ہوا تھا جو سینے میں آرزو کی طرح
- 53- زندگی جب بھٹک گئی ہوگی
- 54- میرے پرستش نہ کر
- 55- اجنبی وہ بھی عجیب موسم تھا
- 56- مر حلقے شوق کے دُشوار ہوا کرتے ہیں
- 57- کیا ہے عہد تو اس کو نباہتے رہنا
- 58- چاک دامانیاں نہیں جاتیں
- 59- جس کو اکثر سوچا تھا تنہائی میں

- 60- آنکھوں میں کوئی خواب اُترنے نہیں دیتا
- 61- میں نے اُس طور سے چاھا مجھے!
- 62- ندامت
- 63- وہ بظاہر جو زمانے سے خفا لگتا ہے
- 64- حبسِ دنیا سے گزر جاتے ہیں
- 65- کاش کچھ دیر یونہی وقت گزرتا رہتا
- 66- سکونِ دل کا اثر جان دُھپ دھلنے تک
- 67- جس کی قسمت ہی در بدر ٹھہرے
- 68- یہ جو شام ڈھل رہی ہے
- 69- آؤ وعدہ کریں
- 70- کچھ ذکر اُس موسم کا جب رم جھم رات رسیلی تھی
- 71- تم نے بھی ٹھکرا ہی دیا ہے دنیا سے بھی دُور ہوئے
- 72- وہ دلاور جو سیہ شب کے شکاری نکلے
- 73- کبھی گریباں کے تار گنتے، کبھی صلیبوں پہ جان دیتے
- 74- بری سانسوں کی خوشبو سے مجھے زنجیر ہوتا ہے
- 75- دوستو پھر وہی ساعت
- 76- اے ٹھٹھرتی صُبح کے دھکتے سورج
- 77- دل خون ہوا کہیں تو کبھی زخم سہہ گئے
- 78- جو شخص بھی اپنا قد و قامت نہیں رکھتا
- 79- شبِ ڈھلی چاند بھی نکلے تو سہی
- 80- دل کو کچھ اور سنبھلنے دینا
- 81- کچھ نہ کسی کے حق میں کہنا چپ رہنا
- 82- عذاب دید

- 83۔ ٹم سے ممکن ہو تو...
- 84۔ پرندے لوٹ رہے تھے گھروں کی سمت مگر
- 85۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے
- 86۔ اک نکتہ اک بات
- 87۔ اپنے آپ سے پھرتے ہیں بیگانے کیوں
- 88۔ اے فلک تخت مسافر
- 89۔ ہمارا کیا ہے
- 90۔ دل فکرِ دوا سے بچ گیا ہے
- 91۔ خیال میں تری آمد ہوئی ہوئی نہ ہوئی
- 91۔ سلطنتِ دل میں ہی نہیں اُس کی
- 92۔ لہرائے سدا آنکھ میں پیارے تیرا آنچل
- 93۔ وہ دُعا بھی زرتا شیر سے خالی دے گا
- 94۔ اُن کی سازش تو ہے رات باقی رہے
- 95۔ آتے جاتے ہوئے لوگوں پہ نظر کیا رکھنا
- 96۔ دیکھنے میں وہ دلدار ہے اور کیا
- 97۔ صبحِ اوّل کے سورج
- 98۔ بھنور (متفرق اشعار)

انتساب

وہ بھی کیا دن تھے کہ ہل میں کر دیا کرتے تھے ہم
عمر بھر کی چاہتیں ہر ایک ہرجائی کے نام

وہ بھی کیا موسم تھے جن کی بکھجوں کے ذائقے
لکھ دیا کرتے تھے خال و خد کی رعنائی کے نام

وہ بھی کیا صبحیں تھیں جن کی مسکراہٹ کا فؤں
وقف تھا اہل وفا کی بزم آرائی کے نام

وہ بھی کیا شامیں تھیں جن کی ٹھہرتیں منسوب تھیں
بے سبب گھٹلتے ہوئے بالوں کی رُسوائی کے نام

اب کے وہ رُت ہے کہ ہر تازہ قیامت کا عذاب
اپنے دل میں جاگتے زخموں کی گہرائی کے نام

اب کے اپنے آنسوؤں کے سب شکستہ آئینے
گچھ زمانے کے لئے، گچھ اپنی تنہائی کے نام

امر بیل کی چھاؤں میں

مجھے معلوم ہے کہ

میں اس بے چہرہ عہد کی ریزہ ریزہ خواہشوں اور کٹی پھٹی خراشوں میں
 بکھرا ہوا ایک ایسا فنکار ہوں جس کے ہونٹوں پر حرف حرف پیاس جم گئی
 ہے۔ میرے خدو خال آئینے سے شرمندہ ہیں کہ دھندلے پڑ چکے
 ہیں:

مجھے احساس ہے کہ

میں گزشتہ زمانوں کی راکھ سے آئینہ محسوس کا سراغ لگا رہا ہوں،
 حالانکہ راکھ کے ڈھیر تلے دبی چنگاریاں اپنے آپ کو بے اماں سمجھ کر دم
 توڑنے میں ہمیشہ جلدی کرتی ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ

میں جسے متاعِ حیات سمجھ کر پرستش کے قرینے سوچتا رہا وہ محبت نہیں
 کچھ اور تھی، مگر یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ سب کچھ سرابِ نظر ہے میں
 نے ہمیشہ آنکھیں بند کر کے احساسِ خود فریبی کی پرورش کی ہے..... کہ

خواب کو خواب سمجھ کر دیکھنا بھی اضطرابِ نارسائی کی تسکین کا باعث
ہوتا ہے:

کتنی عجیب بات ہے کہ

میں نے دوسروں کو سمجھنے کی کوشش میں اپنا آپ گنوا ڈالا۔ اور اب
رائیگاں چاندنی یا اپنی طرح شہر بدر ہوا کے خاک بسر جھونکے کبھی کبھی
میرے حواس کو میری خبر دیتے ہیں:

میرا کوئی شہر نہیں کہ

سارے شہر میرے اپنے شہر ہیں..... ہر دل کی دُکھن میری شہرِ رگ کا
اثاثہ اور ہر سینے کا زخم میرے وجود کا سرمایہ ہے۔ مقتل کو سجانے والا ہر
سرکشیدہ میرے قبیلے کا فرد اور ہر سر بُریدہ مظلوم میرے لشکر کے سردار کی
حیثیت رکھتا ہے، میری سوچ میرے جیسے ہر انسان کی وراثت
ہے..... میری شاعری کسی ایک نکلے کی آب و ہوا کے حصار میں اسیر
نہیں، نہ ہی کسی ایک فرد کے فکر و عمل کی عکاس ہے بلکہ جہاں جہاں
امن کی خوشبو، فاختاؤں سے اٹی فضا، انمول محبت کے سائے اور
چاہتوں کے آبشار نغے برسا رہے ہیں وہاں وہاں میری غزلوں کی
دھنک، میری نظموں کی رعنائیاں اور میرے مرثیوں کی کک اپنی
بازگشت سمیت پھیلنے اور بکھرنے کے عمل میں مصروف ہے:

اور شاید اسی لئے

کبھی کبھی تو ناشائستگی کے گھنے جنگلوں میں ضدی بارشیں تک میری

سوچوں کونہلا دیتی ہیں۔ اس کی ایک نفسیاتی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ

وہ سر سے پاؤں تک
دھنک، دھوپ، چاندنی ہے!
دھلے دھلے موسموں کی بے ساختہ
غزل بخت شاعری ہے!!
(مرے ہنر کے سبھی اثاثوں سے قیمتی ہے)

وہ مجھ میں گھل مل گئی ہے لیکن
ابھی تک مجھ سے اجنبی ہے
کسی ادھوری گھڑی میں
جب جب وہ بے ارادہ محبتوں کے
چھپے چھپے بید کھولتی ہے!

تو دل یہ کہتا ہے
جس کی خاطر وہ اپنی ”سانس“
وفا کی سولی پہ تولتی ہے
وہ آسمان زاذ کہکشاں بخت۔۔۔ (کچھ بھی کہہ لو۔۔۔!)
جو اُس کی چاہت کا ”آسرا“ ہے
وہ ”میں“ نہیں ہوں
کوئی تو ہے جو مرے سوا ہے!
وہ شہر بھر کے تمام ”چہروں“ سے ہٹ کے
اک ”اور مہرباں“ ہے
جو اُس کی خواہش کا ”آسمان“ ہے
(کسے خبر کون ہے کہاں ہے؟)

مگر مجھے کیا؟

کہ میں زمیں ہوں!

وہ جس کی چاہت میں اپنی سانسیں لٹا رہی ہے

وہ ”میں“ نہیں ہوں!

وہ آنکھوں آنکھوں میں بولتی ہے!!

منگل ۲۴ اکتوبر

دوپہر ۲-۴ بجے

لاہور



ہر گھڑی رائیگاں گورتی ہے
زندگی اب کہاں گورتی ہے؟

درد کی شام --- دھت ہجراں سے
صورتِ کارواں گورتی ہے!!

قُب گراتی ہے بجلیاں دل پر
صبح آتش بجاں گورتی ہے!

زخم پہلے مہکنے لگتے تھے ---!
اب ہوا بے نشان گورتی ہے

تو خفا ہے تو دل سے یاد تری
کس لیے مہرباں گورتی ہے؟

اپنی گلیوں سے امن کی خواہش
تن پہ اوڑھے دھواں گورتی ہے

مسکرایا نہ کر کہ محسن پر
یہ ”سخاوت“ گراں گورتی ہے!



سکھ کا موسم خیال و خواب ہوا ---!

سانس لینا بھی اب عذاب ہوا ---!

آنکھوں آنکھوں پڑھا کرو جذبے

چہرہ چہرہ کھلی کتاب ہوا ---!

روشنی اُس کے عکس کی دیکھو

آئینہ شب کو آفتاب ہوا

اک فلک ناز کی محبت میں

میں ہواؤں کا ہمرکاب ہوا

عدل پرور کبھی حساب تو کرا!

ظلم کس کس پہ بے حساب ہوا؟

کون موجوں میں گھولتا ہے لہو

سرخرو کس لیے چناب ہوا؟

کس کے سر پر بناں کو رشک آیا۔

کون مقتل میں کامیاب ہوا؟

اب کے ہجراں کی دُھوپ میں محسن

رنگ اُس کا بھی کچھ خراب ہوا!!

جاگتے سوتے!

نیم شب کا اجاز سنا۔!
 خواب آلود بے صدا رستے
 تیرگی سے اٹلی ہوئی گلیاں
 کھردرنے سخت بے چراغ کواڑ
 سہی سہی ہوا کی دسک سے
 سانس لیتے ہیں بے حواسی میں
 پیڑ پر جند زرد رو پختے۔!
 ٹوٹے ہیں --- زمیں پہ گرتے ہیں
 (جیسے بے شکل چاپ پر اکثر
 کوئی بیمار دل دھڑکتا ہے)
 ایسی تنہائیوں میں بھی اب تک
 میں ترے نام جاگتے سوتے!
 خیریت کے خطوط لکھتا ہوں!!

اتوار ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۵ء

رات بارہ بجے ہوٹل پی۔سی لاہور

بھکارن

اک بھکارن!

شہر کے مصروف چوراہے کی اندھی بھیڑ میں
اپنے فاقوں سے اُئی خواہش کی جُند پر

بیچنے آئی ہے

اپنی نوجوانی کا غرور!

توڑنے آئی ہے بے صورت اُنا کے آئے

بے حنا ہاتھوں میں پھیلائے ہوئے

بس ”چند لمحے“ زندہ رہنے کا سوال!

”چند لمحے“ جن کا ماضی ہے نہ حال۔۔!!

آنکھ میں بجھتی ہوئی اک موج ٹوڑ

تن پہ لپٹے جیتھڑوں کی ریلوٹوں میں

سانس لیتے داہے!

دَم توڑتا احساس! نو دیتا شعور!!

زندگی کے دو کنارے۔۔ چارو!

اک طرف ہنگامہ اہل ہوس۔۔ اک سمت ”ھو“

کس قدر مہنگی ہیں ”باسی روٹیاں“

کتنی سستی ہے ”متاعِ آبرو“

اے خدائے ”کارِ دکو“

۳۰ اکتوبر ۱۹۹۵ء

ایک بے شب

ہوٹل پی۔ سی لاہور

سفر سے لوٹ آیا ہوں

سفر سے لوٹ آیا ہوں
مگر آب کے
اگرچہ شہر میرا ہے
وہی رستے وہی گلیاں وہی مانوس چہرے ہیں
سبھی چہرے سبھی آنکھیں شناسا ہیں
سبھی ہونٹوں پہ آب تک ایک جیسی مسکراہٹ ہے
وہی شامیں انہی شاموں میں صبحوں کی
وہی مانوس آہٹ ہے
وہی کچے مکاں جن کی مکیں میری محبت کا اثاثہ ہیں
وہی افلاس کی کچلی ہوئی سڑکیں
کہ جن میں بارشوں کے چند چھینٹے گر برس جائیں
تو ہفتوں دھوپ کی جدت وہاں ٹھہرے ہوئے پانی میں
صبح و شام کرتی ہے!
(وہیں آرام کرتی ہے)

اگرچہ شہر میرا ہے
مگر میں اجنبی آنکھیں لیے
ہر سمت آوارہ فضا میں ڈھونڈتا ہوں
بے سبب اک آشنا چہرہ
شناسا لب مرے ہمراہ شب بھر بولتی آنکھیں

وہ آنکھیں جن کی ساری گفتگو
اب کے سفر میں چھوڑ آیا ہوں
وہ ساری گفتگو جس کے سبھی حرفوں کے شیشے
رہگور میں توڑ آیا ہوں

وہ آنکھیں چھوڑ آیا ہوں
مکراُن میں بھری نیندیں مری ٹس ٹس میں ہستی ہیں
مجھے اپنی طرف واپس نکالتی ہیں
کہ ”لوٹ آؤ۔۔“
تمہارے بعد اس ”ہستی“ کی رونق
بے چراغاں ہے

اگرچہ شہر میرا ہے۔۔
مکراُب کے تو۔۔
جیسے میرے چہرے پر تمہاری بولتی آنکھوں کی حیرانی
مجھے رکنے نہیں دے گی
مجھے خود اپنی مدت کے شناسا، دلنشین چہرے
اچانک چھوڑنا ہوں گے
تمہارے ساتھ پیاں جوڑنے کی سرسری ساعت سے ملنے تک
خود اپنے آپ سے جاناں
روابط توڑنے ہوں گے!

اگرچہ شہر میرا ہے!!



آدمی جلتا دیا ہے اور بس!
سانس آوارہ ہوا ہے اور بس!!

موت بے آفاق صدیوں کا سفر
زندگی زنجیرِ پا ہے اور بس!!

ناز سائی ' اس قدر برہم نہ ہو
لب پہ اک حرفِ دعا ہے اور بس!

اور - میں رُوٹھا ہوں اپنے آپ سے
اور - تو مجھ سے ٹھا ہے اور بس!!

یا نگاہوں میں ہے رنگوں کا بھم
یا ترا بندِ ثبا ہے اور بس!

اُس طرف طغیانوں پر ہے چناب
اُس طرف کچ گھڑا ہے اور بس!!

دل مثالِ دشت بے نقش و نگار
اُس من تیرا نقشِ پا ہے اور بس!!

شامِ غم میں تیرے ہاتھوں کا خیال!
شعلہِ رنگِ حنا ہے اور بس!!

اُس کے میرے فاصلے محسن نہ پڑچھ
رنگ سے خوشبو جدا ہے اور بس!!



ہے کس کا عکس دل کے قرین چار سو ہے کون؟
گردِ غماں مجھے تو کھلے رَوِندو ہے -- کون؟

کس کے بدن کی دھوپ نے لہریں اُجال دیں؟
اے عکسِ ماہتاب تیرے آبِ جہ ہے کون؟

کیا جانے سنگِ بار ہوا گونے یار کی
پیوند کس قبا میں گلے بے رُو ہے کون؟

نوکِ بناں پہ کیوں نہ سجے اپنی سرکشی
جُو شہر یار شہر میں اپنا عُدو ہے کون؟

اے مصلحت کی تیز ہوا، جُو غریب شہر
اس شہرِ تنگ و نام میں بے آبرو ہے کون؟

پنکوں پہ کون چُٹتا ہے رُسوائیوں کی دھول
رُسا ہمارے ساتھ یہاں کو کلو ہے کون؟

محسن اب اپنا آپ بھلایا ہے اس طرح
مجھ سے خود اپنے عکس نے پوچھا کہ ”تُو ہے کون؟“

دل دکھتا ہے

جب زخم دیکھنے والے ہوں
اور خوشبو کے پیغام ملیں
اور اپنے دریدہ دامن کے
جب چاک سلیں

دل دکھتا ہے

جب آنکھیں خود سے خواب نہیں
خوابوں میں سرے چہروں کی
جب بھیڑ لگے
اس بھیڑ میں جب تم کھوجاؤ

دل دکھتا ہے

جب جس بڑھے تنہائی کا
جب خواب جلیں جب آنکھ بجھے

تم یاد آؤ

دل دکھتا ہے



رہن خوف نہ وقف ہراس رہتا ہے
مگر یہ دل ہے کہ اکثر اداس رہتا ہے

یہ سانولی سی فضا میں یہ بے چراغ نگرا
یہیں کہیں وہ ستارہ شناس رہتا ہے

اُسی کو اوڑھ کے سوتی ہے رات خود پہ گز
وہ چاندنی کی طرح بے لباس رہتا ہے

میں کیا پڑھوں کوئی چہرہ کہ میری آنکھوں میں
جرے بدن کو کوئی اقتباس رہتا ہے

کہاں بھلائیے اُس کو کہ وہ پھڑکے سدا
خیال بن کے ٹھٹھکا حواس رہتا ہے

بھٹک بھٹک کے اُسے ڈھونڈتے پھر و محسن
وہ درمیان یقین و قیاس رہتا ہے!!



اُترُ برسا نہ ہوا تیز چلی ہے اب کے
کتنی دیراں تری یادوں کی گلی ہے اب کے

صبح کی دھوپ اتر آئی برے بالوں میں
شب ڈھلی ہے کہ مری عمر ڈھلی ہے اب کے

کیا کہوں کتنے بہانوں سے بھلایا ہے اُسے
یہ قیامت بڑی مشک سے ٹلی ہے اب کے

یہ کیا کہ ٹھہریں آتش فشاں کے سر اُنیں ؟
زمین کو یوں بھی خزانہ کبھی اُگنا تھا

میں لغزشوں سے اُٹے راستوں پہ چل نکلا
تجے گنا کے مجھے پھر کہاں سنبھلنا تھا

اُسی کو صبح مسافت نے چور کر ڈالا
وہ آفتاب جسے دوپہر میں ڈھلنا تھا

عجب نصیب تھا محسن کہ بعد مرگ مجھے
چراغ بن کے خود اپنی لحد پہ جلنا تھا



دن تو یوں بھی لگے عذاب عذاب
خوفِ شبخوں سے شب کو خواب عذاب

اور کیا ہے متاعِ تشنہ لبی؟
دھوپِ صحرا، تنکُنِ سرابِ عذاب

کس کو چاہیں کسے بھلا ڈالیں؟
دوستی میں ہے انتخابِ عذاب

حسرت دید کی جزا ہجرت!
خواہشِ وصل کا ثوابِ عذاب

کہیں تو سانس لے تھک کر ہجومِ آبلہ پائی
کبھی تو حلوۂ گردِ سفرِ منزل ٹھہر جائے

کوئی حرفِ ملامت ہو کہ زنجیرِ دُعا چھٹکے؟
کسی آواز پر تو بے صدا سائل ٹھہر جائے

کہاں کے قیس تھے ہم بھی مگر اتنا غنیمت ہے
کہ دشتِ خواب میں اکثر ترا حمل ٹھہر جائے

پھنڈ کر بھی وہ چہرہ آنکھ سے ہٹا نہیں محسن
کہ جیسے جھیل میں عکسِ مہِ کال ٹھہر جائے



کہاں یہ بس میں کہ ہم خود کو حوصلہ دیتے
یہی بہت تھا کہ ہر غم پہ مسکرا دیتے

ہوا کی ڈور اُلجھتی جو اُگلیوں سے کبھی
ہم آسماں پہ ترا نام تک سجا دیتے!

ہمارے عکس میں ہوتی جو زخمِ دل کی جھلک
ہم آئینے کو بھی اپنی طرح رُلا دیتے!

ہم سادہ دلوں نے دُشمنی سے
منہبوم تو دوستی لیا تھا

بُجھتی ہوئی رات سے بھی ہم نے
سرمایہ روشنی لیا تھا

اب اُس کو گنوا کے ڈھونڈتے ہیں
ہمراہ جسے کبھی لیا تھا!

اُتری ہے وہی نگاہِ دل میں
ہم نے جسے سرسری لیا تھا

بازارِ وفا سے ہم نے محسن
اک زخمِ تو قیمتی لیا تھا



ہم تو بیٹھے تھے رہگذار میں غم
قافلے ہو گئے غبار میں غم

ایک بیاں شکن سے کیا شکوہ؟
ہم رہے اپنے اعتبار میں غم

جب تک آئینہ مقابل تھا
اُس کی آنکھیں رہیں غمار میں غم

ہم سے مت پوچھ کب رتیں بدلیں
ہم رہے اُس کے انتظار میں غم

پھر ترے پیرہن کی یاد آئی!
پھر ہوئے ہم بھری بہار میں غم!!

کیا خبر کب ہوئی ہے یاد اُس کی
دل کے اُڑے ہوئے دیار میں غم

کتنے یاروں کے کاروں محسن!
ہو گئے گردِ روزگار میں غم!!



ہمارے بعد چلی رسم دوستی کہ نہیں؟
ہوا کی زد پہ کوئی شمع پھر جلی کہ نہیں

پتھر کے جب بھی ملے مجھ سے پوچھتا ہے وہ شخص
کہ ان دنوں کوئی تازہ غزل ہوئی کہ نہیں؟

سنا ہے عام تھی کل شب کو چاند کی بخشش
تجھے گھروں میں ابھگی اتری ہے چاندنی کہ نہیں؟

نکل کے جس سے ہوا اپنا درد آوارہ --!
کسی کے دل میں وہ محفل بھی پھر بھی کہ نہیں؟

وہ رہنڈر جو اندھیروں میں سانس لیتی تھی!
تمہارے نقشِ قدم سے چمک اُٹھی کہ نہیں؟

دیارِ ہجر سے آئے ہو کچھ کہو محسن!
کہ شامِ غم بھی کسی موڑ پر ملی کہ نہیں؟

ہوا اُس سے کہا

ہوا!!

صُحُدم اُس کی آہستہ آہستہ کھلتی ہوئی آنکھ سے
خواب کی سپایاں چُٹنے جائے تو کہنا
کہ ہم جاگتے ہیں!

ہوا اُس سے کہنا

کہ جو ہجر کی آگ پتی رُتوں کی طنائیں
رگوں سے اُبھتی ہوئی سانس کے ساتھ کس دیں
انہیں رات کے سُرمئی ہاتھ خیرات میں نیند کب دے سکے ہیں؟
ہوا اُس کے بازو پہ لکھا ہوا کوئی تعویذ باندھے تو کہنا
کہ آوارگی اوڑھ کر سانس لیتے مسافر
تجھے کھوجتے کھوجتے تھک گئے ہیں!

ہوا اُس سے کہنا

کہ ہم نے تجھے کھوجنے کی سبھی خواہشوں کو
اُداسی کی دیوار میں چُن دیا ہے

ہوا اُس سے کہنا

کہ وحشی درندوں کی بستی کو جاتے ہوئے راستوں پر
ترے نقش پا۔۔۔ دیکھ کر

ہم نے دل میں ترے نام کے ہر طرف
اک سیہ ماتمی حاشیہ بن دیا ہے

ہوا اُس سے کہنا

ہوا کچھ نہ کہنا۔۔۔!

ہوا کچھ نہ کہنا۔۔۔!!!

یہ عجیب فصلِ فراق ہے

یہ عجیب فصلِ فراق ہے!
کہ نہ لب یہ حرفِ طلب کوئی
نہ اداسیوں کا سبب کوئی
نہ ہجومِ درد کے شوق میں!
کوئی زخمِ آب کے ہرا ہوا
نہ گماں بدستِ عدو ہوئے
نہ ملامتِ صغیر دوستاں
پہ یہ دل کسی سے خفا ہوا
کوئی تار اپنے لباس کا
نہ ہوا نے ہم سے کلب کیا
سرِ رہگذار وفا بڑھی
نہ دیا جلانے کی آرزو

پئے چارۂ غم دو جہاں
 نہ کوئی مسج نہ چارہ گر
 نہ کسی خیال کی جستجو
 نہ خلش کسی کے وصال کی
 نہ تھکن رو نہ و سال کی
 نہ دماغ رنج رُخ بجاں!
 نہ تلاش لشکرِ ناصحاں!!

وہی ایک حال ہے ضبط کا
 وہی ایک چال ہے دہر کی
 وہی ایک رنگ ہے شوق کا
 وہی ایک رسم ہے شہر کی
 نہ نظر میں خوف ہے رات کا
 نہ فضا میں دن کا ہراس ہے
 پئے عرضِ حالِ نُنھنِ وراں
 وہی ہم نُنھن ہے رفیقِ جاں
 وہی ہم نُنھن جسے دل کہیں
 وہ تو یوں بھی کب کا اُداس ہے



شب کو جب کبھی میں نے اپنی جستجو کی ہے
بے صدا درختوں نے تیری گفتگو کی ہے

دل کی ضد جو ٹھہری ہے اب تو اُس کو پانا ہے
فکر زندگی چھوڑو بات آبرو کی ہے!

پوچھ تیغ قاتل سے مقتلوں کے میلے میں
ہم نے کس کو ڈھونڈا ہے کس کی آرزو کی ہے؟

رات دور بیٹھی ہے اک ضعیف ماں بن کر
ہر جوان لاشے پر اک ردا لہو کی ہے!

جس کو زرد کر ڈالا دُھوپ کی سخاوت نے
شاید اُس کلی نے بھی خواہش ثنوی کی ہے!

اے نمازیو ٹھہرو دل کو زخم سہنے دو
کچھ لہو تو بہنے دو یہ گھڑی وضو کی ہے!

جس کو عُمر بھر پڑجا اب اُسے گنا بیٹھ
ہم نے یہ بغاوت بھی اُس کے روبرو کی ہے!

اپنا جرم ثابت ہے تم سزا سنا دینا
سر کہیں سجا دینا ہر سناں عذو کی ہے!

دیکھنا کہیں محسن کچھ نشان نہ پڑ جائے
عکس اُس کے چہرے کا 'موج آنکھ کی ہے!'



تجھے اُداس بھی کرنا تھا خود بھی رونا تھا
یہ حادثہ بھی مری جاں کبھی تو ہونا تھا

نمُو کا رنج نہ اُپر گریزا سے ملال!
کہ مجھ کو بانجھ زمینوں میں جج ہونا تھا

کیا کہ گردِ رُو رفتگاں کو اوڑھ لیا
کفن کا داغ بدن کے لہو سے دھونا تھا

جو داستاں اُسے کہنا تھی پھر نہ عُلقہ رہی
کہ میں بھی تھک سا گیا تھا اُسے بھی سونا تھا

میں حنِجِ ابر پہ سویا تھا رات بھر محسن
کھلی جو آنکھ تو صحرا مرا بچھونا تھا



ہم سے مت پوچھو راتے گھر کے
ہم مسافر ہیں زندگی بھر کے

کون سورج کی آنکھ سے دن بھر
زخم گنتا ہے شب کی چادر کے

صلح کر لی یہ سوچ کی میں نے
میرے دشمن نہ تھے برابر کے

خود سے خیمے جلا دیے میں نے
حوصلے دیکھنا تھے لشکر کے

یہ ستارے یہ ٹوٹتے موتی!
عکس ہیں میرے دیدہ تر کے

مگر جنوں مصلحت نہ اپنائے
سر سے رشتے بہت ہیں پتھر کے

ہم بھی بچنے تھے سپاہیاں اکثر
ہم بھی مقروض ہیں سمندر کے

آنکھ کے گرد ماتمی حلقے
سائے جیسے جلے ہوئے گھر کے

دوستوں کی زباں تو کھلنے دو
بھول جاؤ گے زخم خنجر کے

چاند بھی زرد پڑ گیا آخر
اُجڑے آنگن میں روشنی کر کے

آنکھ نم بھی کرو تو بس اتنی
رنگ پھیکے پڑیں نہ منظر کے

کچکا ہوں سے لڑ گئے محسن
ہم بھکاری حسین کے در کے



لٹتے کہاں کہ صاحب جاگیر ہم نہ تھے
نور جہاں نہ تھی وہ جہانگیر ہم نہ تھے

اپنی دعا سے ماند نہ پڑتا کسی کا حُسن!
اتنے بڑے تو صاحب تاثیر ہم نہ تھے

ماتا رہا وہ خواب میں کتنے خلوص سے
آنکھیں کھلیں تو خواب کی تعبیر ہم نہ تھے

ہم کو نہ دے پیامِ رہائی ہوئے صبح!۔
وجہِ خروشِ خانہ زنجیر ہم نہ تھے

یا شامِ قتل ہم نے بجھایا نہ تھا چراغ!
یا وارثانِ جذبہ شہید ہم نہ تھے

ہر دور بے صدا میں ہر اک ظلم کے خلاف
ہم کو ہی بولنا تھا کہ تصویر ہم نہ تھے

سب اہل شہر پھر دیوِ دشمن پہ جھک گئے
محسن کھلا کہ شہر کی تقدیر ہم نہ تھے



صُبحِ یادِ رفتاں کب تک
دیکھئے گردِ کارواں کب تک؟

زخمِ آخر کو بھر ہی جائے گا
مرہمِ حرفِ مہرباں کب تک؟

تن پہ کب تک ہے خاک کا ملبوس
سر پہ محرابِ آساں کب تک

آؤِ خرمن کو خود جلا ڈالیں
منت برقی بے اماں کب تک

کوئی موسم تو کھل کے اترے بھی
دل کی بستی دھواں دھواں کب تک

وہ یقین ہے تو مجھ پہ افشا ہو۔۔!
میں رہوں خود سے بدگماں کب تک

ہم جراحت سرشت کیا پوچھیں؟
دست اعدا میں ہے کہاں کب تک

درد جسموں کو چاٹ لیتے ہیں
زلزلوں سے بچیں کہاں کب تک

اب کسی کے تو ہو رہو محسن
دولتِ دل ہو رائیگاں کب تک

وہ شاخِ مہتاب کٹ چکی ہے

بہت دنوں سے
وہ شاخِ مہتاب کٹ چکی ہے
کہ جس پتہ نے گرفتِ وعدہ کی ریشمی شال کے
ستارے سجائیے تھے

بہت دنوں سے
وہ گردِ احساس چھٹ چکی ہے
کہ جس کے ذروں پتہ نے
پلکوں کی جھالروں کے تمام غلیمٹا دیئے تھے!
اور اب تو یوں ہے کہ جیسے
لب بستہ ہجرتوں کا ہر ایک لمحہ
طویل صدیوں کو اوڑھ کر سانس لے رہا ہے

اور اب تو یوں ہے کہ جیسے تُم نے
پہاڑ راتوں کو
میری اندھی اجاڑ آنکھوں میں
ریزہ ریزہ بسا دیا ہے

کہ جیسے میں نے
فگارِ دل کا ہنر اٹاٹا
کہیں چھپا کر بھٹا دیا ہے!
اور اب تو یوں ہے کہ

اپنی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر
مرے بدن پر سجے ہوئے آبلوں سے بہتا ہوں نہ دیکھو
(مجھے کبھی سرخرو نہ دیکھو)

نہ میری یادوں کے جلتے بجھتے نشاں گریدو!
نہ میرے مقتل کی خاک دیکھو

اور اب تو میں ہے کی
اپنی آنکھوں کے خواب
اپنے دریدہ دامن کے چاک دیکھو!
کہ گردِ احساس چھٹ چکی ہے
کہ شاخِ مہتاب کٹ چکی ہے!!

اب سو جاؤ

کیوں رات کی ریت پہ بکھرے ہوئے
تاروں کے کنکر چلتی ہو؟
کیوں سناٹے کی سلوٹ میں
لپٹی آوازیں سنتی ہو؟
کیوں اپنی پیاسی پلکوں کی جھل میں
خواب پروتی ہو؟
کیوں روتی ہو؟

اب کون تمہاری آنکھوں میں
 صدیوں کی نیند اُٹھیلے گا؟
 اب کون تمہاری چاہت کی
 ہریالی میں کھل کھیلے گا؟
 اب کون تمہاری تنہائی کا
 اُن دیکھاؤ کھجیلے گا؟
 اب ایسا ہے۔۔۔!

یہ رات مسلط ہے جب تک
 یہ شمعیں جب تک جلتی ہیں
 یہ زخم جہاں تک چبھتے ہیں
 یہ سانس جب تک چلتی ہی
 تم اپنی سوچ کے جنگل میں رہ بھگو اور پھر کھو جاؤ۔۔۔!!
 اب سو جاؤ۔۔۔!!



بھڑکانیں میری پیاس کو اکثر تیری آنکھیں
 صحرا مرا چہرہ ہے سمندر تیری آنکھیں

پھر کون بھلا دادِ تہنم انہیں دے گا
 روئیں گی بہت مجھ سے چھڑ کر تیری آنکھیں

خالی جو ہوئی شامِ غریباں کی ہتھیلی
کیا کیا نہ لگاتی رہیں گوہر تیری آنکھیں

بوجھل نظر آتی ہیں بظاہر مجھے لیکن
کھلتی ہیں بہت دل میں اتر کر تیری آنکھیں

اب تک میری یادوں سے مٹائے نہیں مٹا
بھینکی ہوئی اک شام کا منظر تیری آنکھیں

ممکن ہو تو اک تازہ غزل اور بھی کہہ لوں
پھر اڈھ نہ لیں خواب کی چادر تیری آنکھیں

میں سنگِ جنت ایک ہی رستے میں کھڑا ہوں
شاید مجھے دیکھیں گی پلٹ کر تیری آنکھیں

یوں دیکھتے رہنا اُسے لہتا نہیں محسن
وہ کالج کا پیکر ہے تو پتھر تیری آنکھیں



غنو نہ زخم نہ دل سے اڈیتیں پوچھو
جو ہو سکے تو حریفوں کی نیتیں پوچھو

ہوا کی سمت نہ دیکھو اُسے تو آنا ہے
جراغِ آخر شب سے وصیتیں پوچھو

اُڑ چکے ہو تو اب خود پہ سوچنا کیسا؟
کہا تھا کس نے کہ اُس کی مشیتیں پوچھو

سناں پہ ج گئے لیکن جھکے نہ سر اپنے
سنگروں سے ہماری حمیتیں پوچھو

ہزار زخم سہو پھر بھی چُپ رہو محسن
نہیں مُرد کہ یاروں کی نیتیں پوچھو



ہجر کی شام دھیان میں رکھنا
اک دیا بھی مکان میں رکھنا

آئینے بچنے کو آئے ہو!
چند پتر دکان میں رکھنا

اے زمیں حشر میں بھی ماں کی طرح
مجھ کو اپنی امان میں رکھنا

تیر پلے تو دل نہ زخمی ہو۔۔!
یہ ہنر بھی کمان میں رکھنا

ایک دنیا یقین سے روشن ہو
ایک عالم غمناں میں رکھنا

خود پہ جب بھی غزل سنو مجھ سے
آئینہ درمیان میں رکھنا

دل سے نکلے نہ یاد قاتل کی
یہ شکاری چپان میں رکھنا

جب زمیں کی فضا نہ راس آئے
آسمان کو اُڑان میں رکھنا

مرثیہ جب لکھو بہاروں کا
زخم کوئی زبان میں رکھنا

خود بھی وہموں کے جال میں رہنا
اُس کو بھی امتحان میں رکھنا

اتنی رسوائیاں بھی کیا محسن؟
کچھ بھرم تو جہان میں رکھنا



جب بھی دُہرائے فسانے دل کے
جاگ اٹھے زخم پُرانے دل کے

ہم سے ملتا ہے تو غمِ میل کیلو
بیت جائیں نہ زمانے دل کے

اُس سے میل کر بھی نہ ملتا اُس سے
یاد آتے ہی بہانے دل کے

مسکراتی ہوئی آنکھوں والے
لوٹ لیتے ہیں خزانے دل کے

ہم نے کب اُس کو نہ چاہا محسن؟
ہم نے کب قول نہ مانے دل کے!!



کب تک اپنی تپش میں آپ جلنا ہے تجھے
دوپہر کی دُھوپ تو آخر کو ڈھلنا ہے تجھے

سانس مٹھتی کرچیوں کا بے نہایت راستہ
اور اس پر زندگی بھر تیز چلنا ہے تجھے

تجھ سے پیاں باندھتا تھا اور یہ سوچا نہ تھا
اپنی آنکھوں کی طرح ہر پل بدلنا ہے تجھے!

رنگ مہندی کے ہوں یا تھیلی کے اُوروں کے نصیب
ہاتھ کی پھکی لکیروں سے بہلنا ہے تجھے

رات بھر کی بات ہے خود کو تمازت سے بچا
دن چڑھے پھر برف کی صورت پگھلنا ہے تجھے

خیر و شر میں فیصلے کا وقت ہے ترکش سنبال
اپنے لشکر سے مثال ٹر نکلنا ہے تجھے

ریشمی رشتوں سے محسن اتنا بے پردا نہ ہو
لغزشوں کی بھیڑ میں آخر سنبھلنا ہے تجھے

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اُس کی بنجر آنکھوں میں
خوابوں کی گیلی قبروں پر
سکھیوں نے راکھ بکھیری تھی

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اُس کے پکھرے بالوں میں
بستی کے نیک عزیزوں نے
منناک لبوں سے چھڑکا تھا
سینہ در اُداس دُعاؤں کا

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اُس کے اُجلے ہاتھوں میں
اک جال بنا محرومی کا
مہندی کی زرد لکیروں نے
جب اُس کے ٹنڈن ماتھے پر
مخوم کا رُوپ رچایا تھا
بے قیمت ضبط کے ہیروں نے

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اُس کی آنکھیں پوچھتی تھیں
یہ کون قیامت آئی ہے؟

بارات میں شامل چہروں میں
 احساس کے قاتل کتنے ہیں؟
 اور کون کسی کا بھائی ہے؟
 کیوں سانسیں رکتی جاتی ہیں
 کیوں بغضیں تیز و حرکتی ہیں
 یہ کون قیامت آئی ہے؟
 یہ درد شعائیں دیتا ہے
 چھینیں ہیں مرتے خوابوں کی
 یاد دور۔۔۔ کوئی شہنائی ہے؟

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
 جب اس کی آنکھیں پوچھتی تھیں
 وہ لوگ بھی کتنے اچھے تھے!
 جو اپنی چاندی بیٹی کو
 سانسوں کی اجلی چادر میں
 لپٹا کر خود فنا دیتے
 پھر اس کی یاد بکھلا دیتے

وہ پوچھتی تھی سب سکھوں سے
 وہ لوگ کہاں آباد ہیں اب؟
 جو وقت کا شجرہ لکھتے تھے
 اور شجرہ ایسی نسلوں کا
 جو اندھی آنکھ میں خوابوں کی
 تعبیر سجایا کرتی تھیں۔۔۔
 پھر ہتے ہتے کہتی تھی!

وہ لوگ کسی کو یاد نہیں
وہ لوگ کہیں آباد نہیں

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اس کے سُنَدِ چہرے پر
زرداب رُتوں کی تہائی
بکھری تو غارِ لگتی تھی!
وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب سچ جنازہ لگتی تھی!!

اَب اُس کے سُونے آنگن میں
مڑ جھائی ہوئی کچھ بیلوں کو
اک تلی چومنے آتی ہے۔۔۔
اَب اُس کے خالی کمرے میں
پکھرے ہوئے سڑکھے پھولوں کو
پاگل وحشی مُنہ زور ہوا!!
بے وجہ اڑالے جاتی ہے
اور اُس کی سکھیاں سوچتی ہیں
جیسے گہسار کے سینے میں
اک قیمتی چیز گنوا آئیں
اک میت کو دفنا آئیں
وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟

اگر تم آئند دیکھو

اگر تم آئند دیکھو
تو اپنے آپ سے نظریں ہٹالینا
کہ اکثر بے وفا لوگوں کو
جب وہ آئند دیکھیں تو
آنکھیں چور لگتی ہیں

یہ پچھلے عشق کی باتیں ہیں

یہ پچھلے عشق کی باتیں ہیں

جب آنکھ میں خواب دیکتے تھے
جب دل میں داغ چمکتے تھے
جب پلکیں شہر کے رستوں میں
انکھوں کا نور لٹاتی تھیں
جب سانس اُبلے چہروں کی
تن من میں مہول سجاتی تھیں
جب چاند کی ریم جھم کروں سے

سوچوں میں بھنور پڑ جاتے تھے
 جب ایک ظالم رہتا تھا!
 اپنے بے انت خیالوں میں
 ہر عہد نبھانے کی قسمیں
 خطا خون سے لکھنے کی رسمیں
 جب عام تھیں ہم دل والوں میں
 اب اپنے پھیکے ہونٹوں پر
 کچھ جلتے بجھتے لفظوں کے
 یا قوت پکھلتے رہتے ہیں

اب اپنی غم غم آنکھوں میں
 کچھ دھول ہے بکھری یادوں کی
 کچھ گرد آلود سے موسم ہیں
 اب دھوپ اُگلتی سوچوں میں
 کچھ پیاں جلتے رہتے ہیں
 اب اپنے ویراں آنگن میں
 جتنی صُبحوں کی چاندی ہے
 جتنی شاموں کا سونا ہے
 اُس کو خاکستر ہونا ہے

اب یہ باتیں رہنے دیجے
 جس عمر میں قفے پچے تھے
 اُس عمر کا غم سہنے دیجے
 اب اپنی اجڑی آنکھوں میں
 جتنی روشن سی راتیں ہیں

اُس عمر کی سب سوغاتیں ہیں

جس عُمر کے خواب خیال ہوئے
 وہ پچھلی عمر تھی بیت گئی
 وہ عمر بتائے سال ہوئے
 اب اپنی دید کے رستے میں
 کچھ رنگ ہے گزرے لمحوں کا
 کچھ اشکوں کی باراتیں ہیں
 کچھ بھولے برے چہرے ہیں
 کچھ یادوں کی برساتیں ہیں

یہ پچھلے عشق کی باتیں ہیں!



ذکرِ شبِ فراق سے وحشت اُسے بھی تھی
 میری طرح کسی سے محبت اُسے بھی تھی

مجھ کو بھی شوق تھا نئے چہروں کی دید کا
 رستہ بدل کے چلنے کی عادت اُسے بھی تھی

اُس رات دیے تک وہ رہا محو گفتگو!
 مصروف میں بھی کم تھا فراغت اُسے بھی تھی

مجھ سے بچھو کے شہر میں ٹھکل مل گیا وہ شخص
حالانکہ شہر بھر سے عداوت اُسے بھی تھی

وہ مجھ سے بڑھ کے ضبط کا عادی تھا جی گیا
ورنہ ہر ایک سانس قیامت اُسے بھی تھی

سنا تھا وہ بھی سب سے پرانی کہانیاں!
شاید رفاقتوں کی ضرورت اُسے بھی تھی

تنہا ہوا سفر میں تو مجھ پر کھلا یہ بھید
سائے سے پیار ڈھوپ سے نفرت اُسے بھی تھی

محسن میں اُس سے کہہ نہ سکا یوں بھی حال دل
درپیش ایک تازہ مصیبت اُسے بھی تھی



بھری بہار میں اب کے عجیب پھول کھلے؟
نہ اپنے زخم ہی مہکے نہ دل کے چاک ہلے

کہاں تلک کوئی ڈھونڈے مسافروں کا سراغ؟
پھڑنے والوں کا کیا ہے ملے ملے نہ ملے!!

عجیب قحط کا موسم تھا اب کے بستی میں
کئے ہیں بانجھ زمینوں سے بارشوں نے گلے

یہ حادثہ سر ساحل رُلا گیا سب کو!
بھنور میں ڈوبنے والوں کے ہاتھ بھی نہ چلے

رہاں کی ٹوک کبھی شاخ دار پر محسن
سخنوروں کو ملے ہیں مُشتوں کے صلے!!



کھنڈر آنکھوں میں غم آباد کرنا
کبھی فرصت ملے تو یاد کرنا

اڈیت کی ہوس بھنے گئی ہے
کوئی تازہ ستم ایجاد کرنا

کئی صدیاں پکھلنے کا عمل ہے
بدن سے رُوح کو آزاد کرنا

ابھی کیسی پرستش بجلیوں کی؟
ابھی گھر کس لیے برباد کرنا!

تمہارا جھوٹ' سچ سے معتبر ہے
مرے حق میں بھی کچھ ارشاد کرنا

عجب ہے دھوپ چھاؤں ہجرتوں کی
کبھی ہنسنا کبھی فریاد کرنا

جہنم جھیلنے سے بھی - کٹھن ہے
اُنا کو خُگرِ بیداد - کرنا

کبھی پتھر سے سر کلرا کے محسن
ادا قرض سر فرہاد کرنا



شکتہ آئینوں کی کرچیاں اچھی نہیں لگتیں
مجھے وعدوں کی خالی سپیاں اچھی نہیں لگتیں

گزشتہ رُت کے رنگوں کا اثر دیکھو کہ اب مجھ کو
کھلے آگن میں اُڑتی تتلیاں اچھی نہیں لگتیں

وہ کیا اجڑا نگر تھا جس کی چاہت کے سبب اب تک
ہری بیلوں سے اُبھی ٹہنیاں اچھی نہیں لگتیں

دبے پاؤں ہوا جن کے چراغوں سے بہلتی ہوا
مجھے ایسے گمروں کی کھڑکیاں اچھی نہیں لگتیں

بھلے لگتے ہیں طوفانوں سے لڑتے بادباں مجھ کو
ہوا کے رخ پہ چلتی کشتیاں اچھی نہیں لگتیں

یہ کہہ کر آج اُس سے بھی تعلق توڑ آیا ہوں!
مری جاں مجھ کو جُذی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں

کسی گھر میں رتن بستہ رہیں جو رات دن محسن
مجھے اکثر وہ سبھی ہرنیاں اچھی نہیں لگتیں



اُس کی چاہت کا بھرم کیا رکھنا؟
دھبہ ہجراں میں قدم کیا رکھنا؟

اپنے جیسا کوئی ملتا ہی نہیں!
آنکھ میں دولتِ غم کیا رکھنا

بات چُپ رہ کے بھی ہو سکتی ہے
پاسِ قرطاس و قلم کیا رکھنا؟

آؤ سکشول کو غلام کریں
قرض ارباب کرم کیا رکھنا؟

فکر آرائش مقتل میں رہو!
مہر و میزان علم کیا رکھنا؟

اُس کی یادوں کو غنیمت جانو!
اس تعلق کو تو کم کیا رکھنا؟

ہنس بھی لینا کبھی خود پر محسن
ہر گھڑی آنکھ کو نم کیا رکھنا؟

اُس سمت نہ جانا جان مری!

اُس سمت نہ جانا جان مری!
اُس سمت کی ساری روشنیاں
آنکھوں کو بجھا کر جلتی ہیں!

اُس سمت کی اجلی مٹی میں
ناگن آشائیں پلتی ہیں!
اُس سمت کی صبحیں شام تک

ہونٹوں سے زہر نکلتی ہیں!

اُس سمت نہ جانا جان مری!
اُس سمت کے آنکھیں مقتل ہیں

اُس سمت دہکتی گلیوں میں
 زہریلی باس کا جادو ہے
 اُس سمت مہکتی گلیوں میں
 کافور کی قاتل خوشبو ہے
 اُس سمت کی ہر دہلیز تلے
 شمشان ہے جلتے جسموں کا
 اُس سمت فضا پر سایہ ہے
 بے معنی، مبہم اسموں کا!

اُس سمت نہ جانا جان مری

اُس سمت کی ساری پھلجھڑیاں
 بارود کی تال میں ڈھلتی ہیں
 اُس سمت کے پتھر رستوں میں

مُنہ زور ہوا نہیں چلتی ہیں!
 اُس سمت کی ساری روشنیاں
 آنکھوں کو بجھا کر جلتی ہیں

اُس سمت کے وہموں میں گھر کر
 کھو بیٹھو گی پہچان مری!
 اُس سمت نہ جانا جان مری!

چلو چھوڑو !.....!

چلو چھوڑو!

محبت جھوٹ ہے

عہد وفا اک شغل ہے بے کار لوگوں کا

”طلب“ سوکھے ہوئے پتوں کا بے رونق جزیرہ ہے

”خلش“ دیمک زدہ اوراق پر بوسیدہ سطروں کا ذخیرہ ہے

”نُما رِوَصِل“ تپتی دھوپ کے سینے پہ اڑتے بادلوں کی رائیگاں بخشش!

”غبارِ ہجر“ صحرا میں سُر ایلوں سے اُلٹے موسم کا خمیازہ!!

چلو چھوڑو!

کہ اب تک میں اندھیروں کی دھمک میں سانس کی ضربوں پہ

چاہت کی بنا رکھ کر سفر کرتا رہا ہوں گا

مجھے احساس ہی کب تھا

کہ شمع بھی موسموں کے ساتھ اپنے پیر ہن کے

رنگ بدلوگی!

چلو چھوڑو!

وہ سارے خواب کچی بھر بھری مٹی کے بے قیمت گھروندے تھے

وہ سارے ذائقے میری زباں پر زخم بن کر جم گئے ہوں گے

تمہارے انگلیوں کی نرم پوریں پتھروں پر نام لکھتی تھیں مرا! لیکن

تمہاری انگلیاں تو عادتاً یہ جُرم کرتی تھیں۔۔۔!

چلو چھوڑو!

سفر میں اجنبی لوگوں سے ایسے حادثے سرزد ہوا کرتے ہیں

۔۔ صدیوں سے

چلو چھوڑو!

مرا ہونا نہ ہونا! اک برابر ہے

تم اپنے خال و خد کو آئینے میں پھر نکھرنے دو
 تم اپنی آنکھ کی بستی میں پھر سے اک نیا موسم اُترنے دو!
 ”مرے خوابوں کو مرنے دو“

نئی تصویر دیکھو
 پھر نیا مکتوب لکھو
 پھر نئے موسم نئے لفظوں سے اپنا سلسلہ جوڑو
 مرے ماضی کی چاہت رائیگاں سمجھو
 مری یادوں سے کچے رابطے توڑو۔۔
 چلو چھوڑو۔۔!!
 محبت جھوٹ ہے
 عہد وفا اک شغل ہے بے کار لوگوں کا



عذاب دید میں آنکھیں لہو لہو کر کے
 میں شرمسار ہوا تیری جھٹک کر کے

کھنڈر کی تہ سے بریدہ بدن سروں کے سوا
 ملا نہ کچھ بھی خزانوں کی آرزو کر کے

سنا ہے شہر میں زخمی دلوں کا میلہ ہے
 چلیں گے ہم بھی مگر پیرہن رفو کر کے

مساقتِ شبِ ہجراں کے بعد بھید کھلا!
ہوا دکھی ہے چراغوں کی آبرو کر کے

زمیں کی پیاس اُسی کے لہو کو چاٹ گئی
وہ خوش ہوا تھا سمندر کو آہٹ کر کے

یہ کس نے ہم سے لہو کا خراج پھر مانگا؟
ابھی تو سوئے تھے مقتل کو سرخرو کر کے

جلوسِ اہلِ وفا کس کے در پہ پہنچا ہے؟
نشانِ طوقِ وفا زینتِ گلو کر کے

اُجاڑ رُت کو گلابی بنائے رکھتی ہے
ہماری آنکھ تری دید سے وضو کر کے

کوئی تو حبسِ ہوا سے یہ پوچھتا محسن
ملا ہے کیا اُسے کلیوں کو بے نمو کر کے



روشن کئے جو سل نے کبھی دن ڈھلے چراغ
اپنے اُجاڑ گھر میں لگے کیا بھلے چراغ!

شاید مرا وجود ہی سورج تھا شہر میں
میں بُجھ گیا تو کتنے گمروں میں جلے چراغ!!

دریا کی تہہ میں کتنے ستاروں کا عکس تھا
پانی کے ساتھ ساتھ کہاں تک چلے چراغ

اے صبح کی شریر کرن ان کا احترام!
ٹپے کر گئے ہیں شب کے سبھی مرہلے چراغ

کیونکر نہ ہم بُجھیں تجھے مل کر کہ بزم میں؛
سورج ترا بدن ہے تو ہم دل جلے چراغ

محسن وہ ڈھونڈتا تھا کسے پھیلی رات کو؟
آنکھیں ہوا کی زد میں تھیں دامن تلے چراغ



جب تری دھن میں جیا کرتے تھے
ہم بھی پُپ چاپ پھرا کرتے تھے

آنکھ میں پیاس ہوا کرتی تھی!۔
دل میں طوفان اٹھا کرتے تھے

لوگ آتے تھے غزل سننے کو
ہم جری بات کیا کرتے تھے

سچ سمجھتے تھے جڑے وعدوں کو
رات دن گھر میں رہا کرتے تھے

کسی دیرانے میں تجھ سے بل کر
دل میں کیا پھول کھلا کرتے تھے

گھر کی دیوار سجانے کے لیے
ہم جڑا نام لکھا کرتے تھے

وہ بھی کیا دن تھے بھلا کر تجھ کو
ہم تجھے یاد کیا کرتے تھے

جب ترے درد میں دل ڈکھتا تھا
ہم ترے حق میں دعا کرتے تھے

بجھنے لگتا تھا جو چہرہ تیرا
داغ سینے میں جلا کرتے تھے

اپنے جذبوں کی کندوں سے تجھے
ہم بھی تسخیر کیا کرتے تھے

اپنے آنسو بھی ستاروں کی طرح

تیرے ہونٹوں پہ سجا کرتے تھے

چھیڑتا تھا غمِ دنیا جب بھی!
ہم ترے غم سے بگڑا کرتے تھے

کل تجھے دیکھ کے یاد آیا ہے
ہم سُخّور بھی ہوا کرتے تھے



شاید اُسے ملے گی لب بام چاندنی
اُتری ہے شہر میں جو سرِ شام چاندنی

مجھ سے اُلجھ پڑے نہ کڑی دوپہر کہیں؟
میں نے رکھا غزل میں ترا نام ”چاندنی“

میں مثلِ نقشِ پا، مرا آغاز دُھول دُھول
تو چاند کی طرح ترا انجام -- چاندنی

جن وادیوں کے لوگ لئے، گھر اُڑ چکے
اُن وادیوں میں کیا ہے ترا کام چاندنی؟

اُن کے لیے تھی صورتِ اعزّز ہر کرن
اپنے لیے ہے باعثِ الزام چاندنی

چنتی ہیں میرے اشک رُتوں کی بھکاریں
محسن لگا رہا ہوں سر عام چاندنی



چھڑ کے مجھ سے یہ مشغلہ اختیار کرنا
ہوا سے ڈرنا تجھے چراغوں سے پیار کرنا

کھلی زمینوں میں جب بھی سروس کے پھول مہکیں
تم ایسی رُت میں سدا مرا انتظار کرنا

جو لوگ جاہیں تو پھر تمہیں یاد بھی نہ آئیں
کبھی کبھی تم مجھے بھی اُن میں شمار کرنا!

کسی کو الزام بے وفائی کبھی نہ دینا
مری طرح اپنے آپ کو سوغوار کرنا

تمام وعدے کہاں تلک یاد رکھ سکو گے؟
جو بھول جائیں وہ عہد بھی استوار کرنا

یہ کس کی آنکھوں نے بادلوں کو سکھا دیا ہے
کہ سیدہ سنگ سے رواں آبشار کرنا

میں زندگی سے نہ کھل سکا اس لیے بھی محسن
کہ بچتے پانی پہ کب تک اعتبار کرنا

آج بھی شام اُداس رہی

آج بھی چپتی دھوپ کا صحرا
تیرے نرم لبوں کی شبنم
تیری بکھری بکھری زلف کے
سائے سے۔۔ محروم رہا
آج بھی پتھر بھر کا لمحہ
صدیوں سے بے خواب روتوں کی
آنکھوں کا مقنوم رہا
آج بھی اپنے وصل کا تارا
راکھ اڑاتی۔۔ شوخ شفق کی
منزل سے۔۔ معذور رہا
آج بھی شہر میں پاگل دل کو
تیری دید کی آس رہی
مدت کی غم سم تہائی
آج بھی میرے پاس رہی
آج بھی شام اُداس رہی !!

بہت دنوں بعد

بہت دنوں بعد

تیرے خط کے اُداس لفظوں نے
تیری چاہت کے ذائقوں کی تمام خوشبو
مری رگوں میں اُنڈیل دی ہے

بہت دنوں بعد

تیری باتیں

جری ملاقات کی دھنک سے دہکتی راتیں
اُجاڑ آنکھوں کے پیاس پاتال کی تہوں میں
وصال وعدوں کی چاند چنگاریوں کو سانسوں کی آنچ دے کر
شریر شعلوں کی سرکشی کے تمام تیور
سکھا گئی ہیں

ترے مہکتے مہین لفظوں کی آبشاریں

بہت دنوں بعد پھر سے

مجھ کوڑ لا گئی ہیں

بہت دنوں بعد

میں نے سوچا تو یاد آیا

کہ میرے اندر کی راکھ کے ڈھیر پر ابھی تک
ترے زمانے لکھے ہوئے ہیں
کبھی فسانے لکھے ہوئے ہیں

بہت دنوں بعد

میں نے سوچا تو یاد آیا

کہ تیری یادوں کی کرچیاں

مجھ سے کھو گئی ہیں
 ترے بدن کی تمام خوشبو
 بکھر گئی ہے
 ترے زمانے کی چاہتیں
 سب نشانیاں
 سب شرارتیں
 سب حکایتیں، سب شکایتیں جو کبھی ہنر میں
 خیال تھیں، خواب ہو گئی ہیں
 بہت دنوں بعد
 میں نے سوچا تو یاد آیا
 کہ میں بھی کتنا بدل گیا ہوں
 پچھڑ کے تجھ سے
 کئی لکیروں میں ڈھل گیا ہوں
 میں اپنے سگرٹ کے بے ارادہ دھوئیں کی صورت
 ہوا میں تحلیل ہو گیا ہوں
 نہ ڈھونڈ میری وفا کے نقش قدم کے ریزے
 کہ میں تو تیری تلاش کے بے کنار صحرا میں
 وہم کے بے اماں بگولوں کے وار سہہ کر
 اُداس رہ کر
 نجانے کس رہ میں کھو گیا ہوں؟
 پچھڑ کے تجھ سے تری طرح کیا بتاؤں میں بھی؟
 نہ جانے کس کس کا ہو گیا ہوں؟
 بہت دنوں بعد
 میں نے سوچا۔۔۔ تو یاد آیا!!



جانے اب کس دیس ملیں گے اُنچی ذاتوں والے لوگ؟
نیک نگاہوں، سچے جذبوں کی سوگاتوں والے لوگ

پیاس کے صحراؤں میں دھوپ پہن کر پلتے بنجارو۔!
پلکوں اوٹ تلاش کرو، بوجھل برساتوں والے لوگ

وقت کی اڑتی دھول میں اپنے نقش گنوائے پھرتے ہیں
رم جھم صبحوں، روشن شاموں، ریشم راتوں والے لوگ

ایک بھکارن ڈھونڈ رہی تھی رات کو جھوٹے چہروں میں
اُجلے لفظوں، سچی باتوں کی خیراتوں والے لوگ

آنے والی روگ رُتوں کا پُرسہ دیں ہر لڑکی کو۔۔!
شہنائی کا درد سمجھ لیں گر باراتوں والے لوگ

پتھر مٹونے والوں کو بھی شیشے جیسی سانس ملے!!
محسن روز دعائیں مانگیں زخمی ہاتوں والے لوگ



آج غم مُم ہے جو برباد جزیروں جیسی
اُس کی آنکھوں میں چمکی تھی کبھی ہیروں جیسی

کتنے مغرور پہاڑوں کے بدن چاک ہوئے
تیز کرنوں کی جو بارش ہوئی تیروں جیسی

جس کی یادوں سے خیالوں کے خزانے دہکے
اُس کی صورت بھی لگی آج فقیروں جیسی

چاہتیں لب پہ مچلتی ہوئی لڑکی کی طرح
حسرتیں آنکھ میں زنداں کے اسیروں جیسی

ہم انا مست تھی دست بہت ہیں محسن
یہ الگ بات کہ عادت ہے امیروں جیسی



آئے پر کبھی کتاب میں ہیں!
اُس کی آنکھیں عجب عذاب میں ہیں

تھکتے پھرتے ہیں دھوپ میں بچے!
تجلیاں سایہ گلاب میں ہیں

ایک کچے گھڑے کی جُرات پر
کتنی طغیانیاں چناب میں ہیں

وہ ابھی تک ہے رُوبرو اپنے
ہم ابھی تک حصارِ خواب میں ہیں

اُس کی عادت ہے رُوتھنا محسن
لوگ بے وجہ اضطراب میں ہیں



بُنا ہوا تھا جو سینے میں آرزو کی طرح
رگوں میں گونج رہا ہے وہ اب لہو کی طرح

میں اُس کے دل میں چھپی خواہشیں بھی جان گیا
کھلا وہ مجھ سے گریبان بے رُو کی طرح

کوئی نظر بھی اٹھے اُس پہ دل دھڑک جائے
میں اُس سے پیار کروں اپنی آبرو کی طرح

بہت دنوں میں جو دیکھا اُسے تو کیا کہیے!
لگی ہے اس کی خموشی بھی گفتگو کی طرح

مجھے جدا نہ سمجھنا چمن سے اہل چمن!
میں رائیگاں ہی سہی ' شاخ بے نمو کی طرح

غمِ جہاں تھا کہ فُحسِ اجاڑ موسم تھا
ہمٹ گیا وہ سمندر بھی آنسو کی طرح



زندگی جب بھٹک گئی ہو گی
تاہم حدِ فلک گئی ہو گی

راکھ کے ڈھیر میں دھواں کیسا؟
آگ پھر سے بھڑک گئی ہو گی

موت کا ساتھ چھوڑنے کے لیے
زندگی دور تک گئی ہو گی

برق گرنے سے گھر کے جلنے تک
ساری بستی چمک گئی ہو گی

وہ پتھریا پہن کے پھرتی ہے
گاؤں میں فصل پک گئی ہو گی

دل کو جینے کا ڈھب تو آتا تھا
دل کی دھڑکن ہی تھک گئی ہو گی

آبلہ پا جدھر گئے ہوں گے
راہ پھولوں سے ڈھک گئی ہو گی

اُس کے قدموں کی چاپ سے محسن
دل کی دھرتی دھڑک گئی ہو گی

میری پرستش نہ کر

میں تو کہتا تھا

میری پرستش نہ کر!!

میری عُریاں ہتھیلی پہ پلکوں کے اندر چمچی خواہشوں کے ستارے
نہ چن

میری قسموں میں لپٹے ہوئے وصل وعدوں سے

اپنی خسیں ریشمی چاہتوں کے کنارے نہ بن

میرے لفظوں پہ مت جا

کہ نامعتبر لفظ فصلِ خزاں کی ہوا میں بکھرتے ہوئے زرد پتوں

کی آواز ہیں

میرے پاؤں کے تلوؤں پہ یا قوت و مرجاں سے ہونٹوں

کے موتی نچھاور نہ کر

میں تو کہتا تھا

جذبوں کی منہ زور آندھی کے رستے میں اتنے دیے مت جلا

اپنی خواہش کے تپتے ہوئے دشت میں

بے جہت رقص کرتے گولوں کی خالی ہتھیلی پہ

شفاف خوابوں کے ریشم میں لپٹے ہوئے جگنوؤں کے

گمہر مت سجا

مت سجا سازشی سُر جوں کے مقابل تُن آئینے

میں تو کہتا تھا

چاہت کی ساری لکیریں

سبھی ڈالتے

سب رُتیں

دھوپ چھاؤں کے اندھے اذھورے سفر سے ابھرتی ہوئی
 گرد کی تہہ میں پوشیدہ منظر کے
 بننے بگڑتے خدو خال کا
 استعارہ سمجھ

گردشِ روز و شب کا اشارہ سمجھ
 دیکھ۔ اپنی جوانی کی جلتی ہوئی دوپہر میں کوئی خواب دیکھا نہ کر
 میرے ہاتھوں کی بخ بنگلی پہ سر شام
 سوچا نہ کر
 مجھ سے اتنی عقیدت بھی اچھی نہیں
 میرے نزدیک آ
 میرے تن میں اتر
 میری بانہوں کے آنگن میں بکھری ہوئی دھوپ میں بن سنور
 مجھ سے کیسا حد رہا؟
 مجھ کو ”اپنا“ سمجھ

میرے نزدیک اپنائیت سے بڑا کوئی رشتہ نہیں
 میری چاہت کو کوئی تقاضا سمجھ
 میرے اندر کا انسان فرشتہ نہیں
 اور۔۔۔ اب

تیرے رُوٹھے ہوئے لفظ!
 گجروں کے سُوکھے ہوئے پھول!!
 آنکھوں میں بکھرے ہوئے آنسوؤں کے ٹہر!
 تیرے معصوم جذبوں کے سچ کی مسلسل گواہی۔۔ مگر
 میں تو کہتا تھا میری پرستش نہ کر
 میں تو کہتا تھا
 میری پرستش نہ کر

اجنبی وہ بھی عجب موسم تھا

اجنبی وہ بھی عجب موسم تھا
 تیری قربت کا سنہرا موسم
 تیری خوشبو سے مہکتا ہوا گہرا موسم
 تیرے چہرے کی تمازت سے دہکتی صبحیں
 تیری زلفوں کی شاہت سے لہکتی شامیں
 تیرے لہجے کی شرارت سے شکفتہ لمحے
 تیری آنکھوں میں لرزتے ہوئے اقرار کی نو
 تیری آواز کے گلپوشا بدزاروں میں
 خواب در خواب دُعاؤں کے گلاب
 تیرے بلور سے ہاتھوں میں
 مری ”تازہ کتاب“

اجنبی یہ بھی عجب موسم ہے
 تیری فرقت کا تھلستا موسم
 آگ بن کر میری سوچوں پہ برستا موسم
 کتنا محروم طرب موسم ہے
 غم بجاں نوحہ بہ لب موسم ہے
 تیری خوشبو کا جزیرہ نہ تری یاد کا شہر
 میری نُس نُس میں اُترتا ہوا
 تنہائی کا زہر
 زہر کی لہر کے ہمراہ ترے درد کا قہر
 قریہ جا میں اُترتا ہے توئیں لگتا ہے

جیسے نازل ہو کسی شہر چہ اغان پہ عذاب
 جیسے بے آب وہو اڑت میں تھلس جائیں گلاب
 دل میں اب درد بکھرتا ہے توؤں لگتا ہے
 جس طرح ٹوٹ رہی ہو کسی خیمے کی طناب

ایسے لگتا ہے کہ اس بار نہ چھو پائے گی
 تیرے بلور سے ہاتھوں کو
 ----- مری "تازہ کتاب"



مرحلے شوق کے دُشوار ہوا کرتے ہیں
 سائے بھی راہ کی دیوار ہوا کرتے ہیں

وہ جو بچ بولتے رہنے کی قسم کھاتے ہیں
 وہ عدالت میں ٹکھنکار ہوا کرتے ہیں

صرف ہاتھوں کو نہ دیکھو کبھی آنکھیں بھی پڑھو
 کچھ سوالی بڑے خوددار ہوا کرتے ہیں

وہ جو پتھر یونہی رستے میں پڑے رہتے ہیں
 اُن کے سینے میں بھی شہکار ہوا کرتے ہیں

صبح کی پہلی کرن جن کو زلا دیتی ہے
وہ ستاروں کے عزادار ہوا کرتے ہیں

جن کی آنکھوں میں سدا پیاس کے صحرا چمکیں
درحقیقت ہوی فنکار ہوا کرتے ہیں

شرم آتی ہے کہ دشمن کسے سمجھیں محسن؟
دشمنی کے بھی تو معیار ہوا کرتے ہیں!!



کیا ہے عہد تو اُس کو بناہتے رہنا
میں جب تلک بھی جیوں مجھ کو چاہتے رہنا

تمام دن اُسے ملنے کی جستجو رکھنا
تمام رات تنہا سے کراہتے رہنا

کبھی تو ٹوٹ کے میرے لیے بھی مجھ سے ملو
یہ کیا کہ میری غزل کو سراہتے رہنا

بہت کٹھن ہے اندھیروں کے شہر میں محسن
چراغ بن کے ہوا سے بناہتے رہنا!!



چاک دامانیاں نہیں جاتیں
دل کی نادانیاں نہیں جاتیں

بام و در جل اٹھے چراغوں سے
گھر کی ویرانیاں نہیں جاتیں

اڈھ لی ہے زمین خود پہ مگر
تن کی عریانیاں نہیں جاتیں

ہم تو چپ ہیں مگر زمانے کی
حشر سامانیاں نہیں جاتیں

دیکھ کر آئینے میں عکس اپنا
اُس کی حیرانیاں نہیں جاتیں

لاکھ اُجڑے ہوئے ہوں شہزادے
سر سے سلطانیاں نہیں جاتیں

لفکرِ ظلم تھک گیا محسن
اپنی قربانیاں نہیں جاتیں



جس کو اکثر سوچا تھا تنہائی میں
شامل ہے وہ شخص مری رُسوائی میں

مجھ سے مت پوچھو وہ چہرہ کیا تھا؟
دُوب گیا میں آنکھوں کی گہرائی میں

جائے رہنے کی کتنی ترغیبن تھیں
اُس کو بوجھل تھکی ہوئی انکرائی میں

تجھ سے آنکھ ملانا کتنا مشکل ہے
ورنہ سورج کھل جائیں پینائی میں

پیار بھی کرتا ہے وہ بے پروائی سے
نادانی کا رنگ بھی ہے دانائی میں

کاش کوئی محل کے اندر سُن سکتا!
میری چیخ بھی شامل تھی شہنائی میں

وہ اک پل کو روٹھا تو محسوس ہوا
جیسے بیت گیا اک سال جدائی میں

جاؤ اپنے جیسے لوگ تلاش کرو! کیا پاؤ گے محسن سے ہر جائی میں



آنکھوں میں کوئی خواب اُترنے نہیں دیتا
یہ دل کہ مجھے چین سے مرنے نہیں دیتا

پھڑے تو عجب پیار جاتا ہے خطوں میں
مل جائے تو پھر حد سے گزرنے نہیں دیتا

وہ شخص خزاں رُت میں بھی محتاط ہے کتنا
سوکھے ہوئے پھولوں کو بکھرنے نہیں دیتا

اک روز تری پیاس خریدے گا وہ گمبھرو!
پانی تجھے پگھٹ سے جو بھرنے نہیں دیتا

وہ دل میں تبسم کی کرن گھولنے والا
روٹھے تو رُتوں کو بھی سنورنے نہیں دیتا

میں اُس کو مناؤں کہ غم دہر سے اُلجھوں؟
محسن وہ کوئی کام بھی کرنے نہیں دیتا

میں نے اِس طور سے چاہا تجھے!

میں نے اِس طور سے چاہا تجھے اکثر جاناں!
جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے!!
جیسے سورج کی کرن سیپ کے دل میں اترے
جیسے خوشبو کو ہوا رنگ سے ہٹ کر چاہے

جیسے پتھر کے کیلجے سے کرن بھڑکتی ہے
جیسے ٹہنے کھلے موسم سے جا مانگتے ہیں
جیسے خوابوں میں خیالوں کی کماں ٹوٹتی ہے
جیسے بارش کی دُعا آبلہ پا مانگتے ہیں

میرا ہر خواب مرے سچ کی گواہی دے گا
وسعت دید نے تجھ سے تری خواہش کی ہے
میری سوچوں میں کبھی دیکھ سراپا اپنا!
میں نے دنیا سے الگ تیری پرستش کی ہے

خواہش دید کا موسم کبھی دُھندلا جو ہوا
نوج ڈالی ہیں زمانوں کی نقابیں مَیں نے
تیری پلکوں پہ اُترتی ہوئی صُبحوں کے لیے
توڑ ڈالی ہیں ستاروں کی طنائیں میں نے

میں نے چاہا کہ جرے حُسن کی ٹکٹار فضا!
میری غزلوں کی قطاروں سے دِکھتی جائے

میں نے چاہا کہ مرے فن کے ٹکٹاں کی بہار
تیری آنکھوں کے ٹکابوں سے مہکتی جائے

طے تو یہ تھا کہ سجاتا رہے لفظوں کے کنول
میرے خاموش خیالوں میں تکلم تیرا
رقص کرتا رہے بھرتا رہے خوشبو کا ٹھار
میری خواہش کے جزیروں میں تہشم تیرا

تو مگر اجنبی ماحول کی پروردہ کرن!
میری بجھتی ہوئی راتوں کو سحر کر نہ سکی
تیری سانوں میں مسیحا تھی لیکن تو بھی
چارہ زخم غم دیدہ تر کر نہ سکی!

تجھ کو احساس ہی کب ہے کہ کسی درد کا داغ
آنکھ سے دل میں اتر جائے تو کیا ہوتا ہے؟
تو کہ سپہاب طبیعت ہے تجھے کیا معلوم
موسم جگر ٹھہر جائے تو کیا ہوتا ہے؟

تو نے اُس موڑ پہ توڑا ہے تعلق کہ جہاں
دیکھ سکتا نہیں کوئی بھی پلٹ کر جاناں!

اب یہ عالم ہے کہ آنکھیں جو کھلیں گی اپنی
یاد آئے گی جری دید کا منظر جاننا

مجھ سے مانگے گا جرے عہد محبت کا حساب
تیرے ہجراں کا دکھتا ہوا محشر جاننا

یوں برے دل کے برابر ترا گم آیا ہے
جیسے شیشے کے مقابل کوئی پتھر جاننا!

جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے
میں نے اس طور سے چاہا تجھے اکثر جاننا!

ندامت

رقص کے زاویے
تھنکروؤں کی چمن چمن چمن سے ادھر
گرد آلود پاؤں کی ہر تال پر
بجلیوں کا جگر چیر کر گھومتے ابروؤں کی کماں
بازوؤں کے بھنور
ہر طرف رونقیں
ہر طرف تہقہ
ہر طرف رنگ و بھت کی بارش میں تر

بے صدا بام و در!!
 میری جاں رونقیں سب بجاتھیں مگر
 کرم خوردہ کتابوں سے ملتے ہوئے زرد چہروں، سیہ پیکروں
 سے پڑے
 تیری سہمی ہوئی آنکھ میں جاگتے واہموں، چیختی خواہشوں
 چلاجاتی خراشوں کے سب دائرے
 میری شرگ میں اپنی بغاوت کے سب نقش بچتے رہے
 دل کے صحرا میں چلتے رہے
 کرچیاں اپنے ٹوٹے ہوئے خواب کی
 اور میں
 وہم کی دھول بستی کے خاشاک میں ریزہ ریزہ بکھرتا رہا
 ٹوٹ کر

میری جاں رونقیں سب بجاتھیں مگر
 میرا دل!
 جیسے پھڑی ہوئی گونج کا کوئی پڑ
 اپنے ہی نگوں میں
 جیسے بجھتی ہوئی راکھ کے ڈھیر میں سانس لیتا شرر
 جیسے آندھی کی زد میں
 خزاں سوختے بے لبادہ شجر!!!
 میری جاں
 رونقیں سب بجاہیں۔۔۔ مگر
 گھٹکر وڈوں کی چھن چھن چھن سے۔۔۔ ادھر



وہ بظاہر جو زمانے سے خفا لگتا ہے
ہنس کے بولے بھی تو دُنا سے جدا لگتا ہے

اور کچھ دیر نہ بچنے دے اسے رب سحر!
دُوبتا چاند مرا دستِ دعا لگتا ہے

جس سے منہ پھیر کے رستے کی ہوا گزری ہے
کسی اُجڑے ہوئے آنگن کا دیا لگتا ہے

اب کے ساون میں بھی زردی نہ گئی چہروں کی
ایسے موسم میں تو جنگل بھی ہرا لگتا ہے!!

شہر کی بھیڑ میں کھلتے ہیں کہاں اُس کے نقوش!
آؤ تنہائی میں سوچیں کہ وہ کیا لگتا ہے؟

منہ چھپائے ہوئے گزرا ہے جو احباب سے آج
اُس کی آنکھوں میں کوئی زخم نیا لگتا ہے

اب تو محسن کے تصور میں اُتر رہے جلیل
اس اُداسی میں تو ہتھڑ بھی خدا لگتا ہے



جس دُنیا سے گزر جاتے ہیں
ایسا کرتے ہیں کہ مَر جاتے ہیں

کیسے ہوتے ہیں پھرنے والے؟
ہم یہ سوچیں بھی تو ڈر جاتے ہیں

دل جو ٹوٹے تو سر محفل بھی
بال بے وجہ بکھر جاتے ہیں

اب نہ دیکھو بری بنجر آنکھیں
چرھتے دریا تو اُتر جاتے ہیں

دُھوپ کا رُوپ رچانے والے؛
شام کو اور نکھر جاتے ہیں

اَب نہ مُز مُز کے پُکارو اُن کو!
لوگ رستے میں ٹھہر جاتے ہیں

خالی دامن سے شکایت کیسی؟
اتک آنکھوں میں تو بھر جاتے ہیں

نم کہاں جاؤ گے سوچو محسن؟
لوگ تھک ہار کے گھر جاتے ہیں



کاش کچھ دیر یونہی وقت گزرتا رہتا
میں اُسے دیکھتا رہتا وہ سنورتا رہتا

اجنبی کتنا اکیلا ہے محبت کا سفر
تو مرے ساتھ نہ ہوتا تو میں ڈرتا رہتا

میں تو صُبحوں کی طرح گود میں لیتا اُس کو
وہ کہ سورج تھا تو پھر روز ابھرتا رہتا

اک نہ اک رُخ پہ مری آنکھ بکھرتی رہتی
اک نہ اک عکس مرے دل میں اُترتا رہتا

اُس کو جانا تھا کوئی زخم ہی دے کر جانا
اس بہانے میں اُسے یاد تو کرتا رہتا

کوئی تصویر تو آخر کو ابھر ہی آتی!
رنگِ خاکوں میں وہ کچھ دیر تو بھرتا رہتا



شکونِ دل کا اثر جان دھوپ ڈھلنے تک
ہوا کی بے خبری ہے چراغ جلنے تک

نجانے راکھ ہوئی کتنے سورجوں کی تپش!
ہماری برف رگوں میں لہو پکھلنے تک

نجانے کتنے جہنم بدن میں اتریں گے
ہمارے سر سے عذابِ حیات نلنے تک

مالِ موسمِ گل سے بھی جی لرزتا ہے!
پھٹر نہ جاؤ کہیں ٹم یہ رت بدلنے تک

سنبھل سنبھل کے رو جاں میں سانس لیتا ہوں
ہزار ٹھوکریں کھائیں مگر سنبھلنے تک

بدل گئے ہیں سبھی خال و خد مرے محسن
بدن پہ راکھ گزرتے دبانوں کی مٹنے تک



جس کی قسمت ہی در بدر ٹھہرے
وہ بچھا چاند کس کے گھر ٹھہرے

عمر گزری سنوارتے دل کو!
کاش وہ دل میں لمحہ بھر ٹھہرے

ہم سے شبنوں کی داستاں پوچھو
شہر والے تو بے خبر ٹھہرے

اُس سے کیا پوچھنا سفر کی تھکن؟
جس کی منزل ہی رہنڈر ٹھہرے

اُس کی قیمتِ عذاب سورج کا
وہ بھتارہ جو تا سحر ٹھہرے

اُس کی آنکھیں ادھر مگنی ہی نہیں
لوگ کیا کیا نہ موڑ پر ٹھہرے

ہم سے کیسا حذر ہوائے سفر
ہم تو گردِ رو سفر ٹھہرے

جھک کے پڑے نہ کیوں فلک محسن؟
جب رستاں پر کسی کا سر ٹھہرے

یہ جو شام ڈھل رہی ہے

یہ جو شام ڈھل رہی ہے
اسے سہل بھی نہ جانو!
یہ ظہر گئی جو دل میں
یہی شب ہلاکتوں کی
یہی دوپہر کڑی ہے

پس گردِ عہد و پیاں
یہ جو جبر کی گھڑی ہے
یہ فشارِ جاں کا موسم
یہ جو دلِ مگرنگی ہے
یہ جو وہم ہے لہو میں
یہ جو سہم آنکھ میں ہے

یہ سناں سی دوسووں کی
جو خیال میں گڑی ہے
یہ جو اک خلش وفا کی
جرا ہو سہ گئی ہے
یہ جو ”ان کبھی کہانی!“
مرے دل میں رہ گئی ہے

یہ تھکن رو جنوں کی:
جو اتر گئی رگوں میں

یہ جری مری خوشی ہے

یہ چراغ چاہتوں کے
جو ہوا میں جل رہے ہیں
انہیں کب تک سنبھالیں؟

چلو پھر سے توڑ ڈالیں
وہ تمام عہد و پیاں!
کہ میں تجھ میں جی رہا ہوں
کہ تو مجھ میں بس رہا ہے

چلو پھر سے سوچتے ہیں
کہ میں تجھ سے ناشناسا
کہ تو مجھ سے اجنبی ہے

وہ جو رسم دوستی ہے
وہ رہے تو جاں سلامت
نہ رہے تو پھر بھی جاناں
ترا غم سنبھالنے کو
ابھی زندگی پڑی ہے

آؤ وعدہ کریں

آؤ وعدہ کریں۔۔۔!

 آج کے دن کی روشن گواہی میں ہم

 دیدہ و دل کی بے انت شاعی میں ہم

 زیرِ دامنِ تقدیس لوح و قلم!

 اپنے خوابوں، خیالوں کی جاگیر کو

 فکر کے مؤقلم سے

 تراشی ہوئی۔۔۔ اپنی شفاف سوچوں کی تصویر کو

 اپنے بے حرف ہاتھوں کی تحریر کو

 اپنی تقدیر کو

 یوں سنبھالیں گے مثلِ چراغِ حرم

 جیسے اندھی میں

 بے گھر مسافر کوئی۔۔۔ بجھتی آنکھوں کے بوسیدہ فانوس میں

 پہرہ داروں کی صورت چھپائے رکھے

 جانے والوں کے۔۔۔ دُھندلے سے نقشِ قدم!

 آج کے دن کی روشن گواہی میں ہم۔۔۔!

 پھر ارادہ کریں

 جتنی یادوں کے خاکے نمایاں نہیں

 جتنے ہونٹوں کے یا قوت بے آب ہیں

 جتنی آنکھوں کے نلیم فروزاں نہیں

 جتنے چہروں کے مرجان زرداب ہیں

 جتنی سوچیں بھی مشعلِ بداماں نہیں

 جتنے ٹکڑے مہتاب۔۔۔ گہنا گئے

جتنے معصوم زُخار۔۔ مڑجھا گئے
جتنی شمعیں بجھیں
جتنی شاخیں جلیں

سب کو خوشبو بھری زندگی بخش دیں
تازگی بخش دیں

بھر دیں سب کی رگوں میں لہو غم نہ غم
مثلِ ابر کرم رکھ لیں سب کا بھرم!

دیدہ و دل کی بے انت شاعی میں ہم
زخم کھائیں گے حُسنِ چمن کے لیے
اشک مہکائیں گے مثلِ زُخار ٹھل
صرف آرائشِ پیرہن کے لیے

مُسکرائیں گے رنج و غمِ دہر میں
.....! اپنی ہستی ہوئی انجمن کے لیے
طعنِ احبابِ سرمایہ نگینِ دل
طنزِ اغیار سہ لیں گے فن کے لیے

آؤ وعدہ کریں!.....
سانس لیں گے متاعِ سخن کے لیے
جاں گنوائیں گے ارضِ وطن کے لیے
دیدہ و دل کی شوریدگی کی قسم
آسمانوں سے اُنچا رکھیں گے علم

آؤ وعدہ کریں!
آج کے دن کی روشن گواہی میں ہم



کچھ ذکر کرو اُس موسم کا جب زم جہم رات ریلی تھی
جب صُبح کا رُوپ رُو پہلا تھا جب شام بہت شرمیلی تھی

جب پھول مہکتی راہوں پر قدموں سے گبرنج اُٹھتے تھے
جب تن میں سانس کے سرگم کی ہر دپک تان سُرِیلی تھی

جب خواب سراب جزیروں میں خوش فہم نظر کھل جاتی تھی
جب پیار پون کے جھونکوں سے ہر یاد کی موج تھیلی تھی

اُمرت کی مہک تھی باتوں میں نفرت کے شر تھے پلکوں پر
وہ ہونٹ نہایت میٹھے تھے ' وہ آنکھ بہت زہریلی تھی

محسن اُس شہر میں مرنے کو اب اس کے سوا کچھ یاد نہیں
کچھ زہر تھا شہر کے پانی میں کچھ خاک کی رنگت نیلی تھی!



تُم نے بھی ٹھکرا ہی دیا ہے ' دُنیا سے بھی دُور ہوئے
اپنی اُنا کے سارے شیشے آخر چکنا چور ہوئے

ہم نے جن پر غزلیں سوچیں اُن کو چاہا لوگوں نے
ہم کتنے بدنام ہوئے تھے وہ کتنے مشہور ہوئے!

ترکِ وفا کی ساری قسمیں اُن کو دیکھ کے ٹوٹ گئیں
اُن کا ناز سلامت ٹھہرا ہم ہی ذرا مجبور ہوئے

ایک گھڑی کو رُک کر پوچھا اُس نے تو احوال مگر
باقی عُمر نہ مُز کر دیکھا ہم ایسے مغرور ہوئے

اب کے اُن کی بزم میں جانے کا گر محسنِ اذن ملے
زخم ہی ان کی نذر گزاریں! اشک تو نامنظور ہوئے



وہ دلاور جو سپہِ شب کے شکاری نکلے
وہ بھی چڑھتے ہوئے سورج کے مہجاری نکلے

سب کے ہونٹوں پہ مرے بعد ہیں باتیں میری!
میرے دشمن میرے لفظوں کے بھکاری نکلے

اک جنازہ اٹھا مقتل سے عجب شان کے ساتھ

جیسے ج کر کسی فاتح کی سواری نکلے

بہتے اٹکوں سے شعاعوں کی سبیلیں پھوٹیں
پُچھے زخموں سے فنِ نقش نگاری نکلے

ہم کو ہر دور کی گردش نے سلامی دی ہے
ہم وہ پتھر ہیں جو ہر دور میں ہماری نکلے

عکس کوئی ہو خدوخال تمہارے دیکھوں
بزم کوئی ہو مگر بات تمہاری نکلے

اپنے دشمن سے میں بے وجہ خفا تھا محسن
میرے قاتل تو میرے اپنے حواری نکلے



کبھی گریباں کے تار گنتے ، کبھی صلیبوں پہ جان دیتے
گزر گئی زندگی ہماری سدا یہی امتحان دیتے

بوقتِ شب نوحں تمام بستی پہ خوف طاری تھا قاتلوں کا؛
سکوتِ شب کے اُجاڑ گنبد میں ہم کہاں تک اُذان دیتے؟

میں کس گم کی ہوا سے پوچھوں، میں کون صحرا کی خاک چھانوں؟
پھڑنے والے کہیں تو اپنا سُراغ رکھتے، نشان دیتے!

ہمارے لفظوں سے نطق چھینا ہے اپنی محرومیوں نے ورنہ
سخنورو ہم بھی اپنی بستی کے پتھروں کو زبان دیتے

سزا سنانے سے بیشتر مُبصّغوں سے پل بھر جو اذن ملتا!
تو ہم بھی جرم اُنا کے حق میں کوئی اُدھورا بیان دیتے

عداوتوں کے عذاب سورج نے اتنی مہلت نہ دی کہ محسن؟
ہم اپنی جلتی زمیں کے سر پہ کوئی بگولہ ہی تان دیتے



مری سانسوں کی خوشبو سے تجھے زنجیر ہوتا ہے
ابھی اِس خواب کو شرمندہ تعبیر ہوتا ہے

یہ کہہ کر اپنی محرومی کو بہلاتا ہے دل اپنا
اگر وہ چاند ہے تو پھر اُسے تغیر ہوتا ہے

مرے لفظوں کی لغزش کہہ رہی تھی آج محفل میں
کہ تیری خامشی کو حاصل تقریر ہوتا ہے!

جیہیں تو خیر داغِ بندگی سے بچھ گئی لیکن
دُعا کو بے نیازِ حلقہٴ تاثیر ہونا ہے

وہ جن کے خون سے دستارِ قاتل ہو گئی رنگیں
انہی کے مقتلوں کی خاک کو اکسیر ہونا ہے

ہمارے گھر پہ گرتی بجلیوں کو کیا خبر محسن
کہ اس بلے پہ اک تازہ مگر تعمیر ہونا ہے

دوستو پھر وہی ساعت

دوستو پھر وہی ساعت وہی رُت آئی ہے
ہم نے جب اپنے ارادوں کا علم کھولا تھا
دل نے جب اپنے ارادوں کی قسم کھائی تھی
شوق نے جب رگِ دوراں میں لہو گھولا تھا

پھر وہی ساعتِ صد رنگ وہی صُبحِ جوں
اپنے ہاتھوں میں نئے دور کی سوغات لیے
محملِ شامِ غریباں سے اُتر آئی ہے
خشک ہونٹوں پہ بکھرتے ہوئے جذبات لیے

آؤ ' پھر ریت پہ بکھرے ہوئے ہیرے چُن لیں
 پھر یہ صحرا کی سخاوت بھی رہے یا نہ رہے!
 آؤ کچھ دیر جراحت پہ چھڑک لیں شبنم!!
 کیا خبر پھر یہ روایت بھی رہے یا نہ رہے؟

آؤ پھر حلق میں ٹوٹا ہوا نشتر کھینچیں
 دل سے ممکن ہے کوئی حرف ' زباں تک پہنچے
 آؤ پھر غور کریں ہم کہ سرِ مقتلِ جاں!
 شوقِ دلداریِ جاناں میں کہاں تک پہنچے؟

دوستو آؤ کہ سر جوڑ کے بیٹھیں کچھ دیر
 احتسابِ غمِ دوراں سے نمٹ کر دیکھیں
 کچھ تو ماضی کے جھردکوں سے ادھر بھی ہوگا
 اپنے ماحول سے کچھ دیر تو ہٹ کر دیکھیں

ہم نے چاہا تھا کہ یوں اب کے چراغاں کیجئے
 روشنی ہو تو گھٹاں سے نفس تک جائے
 اب کے اس طرحِ دل زار سے شعلے پھوٹیں
 آج بخ بھگی قلب و نفس تک جائے

اپنی مٹی سے محبت کی گواہی کے لیے!
 ہم نے زردابِ نظر کو بھی شفق لکھا تھا
 اپنی تاریخ کے سینے پہ سجا ہے اب تک
 ہم نے خونِ رگِ جاں سے جو ورق لکھا تھا

دوستو آؤ کہ تجدید وفا کا دن ہے
 سماعت عہدِ محبت کو جتا رنگ کریں
 خونِ دل غارِ رُخسارِ وطن ہو جائے
 اپنے اشکوں کو ستاروں سے ہم آہنگ کریں

آؤ سرنامہ زودادِ سفر لکھ ڈالیں
 اشک پیوندِ کفِ خاکِ جگر ہونے تک
 ہم نے کیا کیا نہ خلاؤں پہ کندیں ڈالیں
 شوقِ تسخیرِ مہ و مہر ہنر ہونے تک

آؤ نکھیں کی ہمیں اپنی اماں میں رکھنا
 احبابِ عملِ دیدِ تر ہونے تک
 ہم تو مر جائیں گے اے ارضِ وطن پھر بھی تجھے
 زندہ رہنا ہے قیامت کی سحر ہونے تک

اے ٹھٹھرتی ہوئی صبح کے دہکتے سورج

اے ٹھٹھرتی ہوئی صبح کے دہکتے سورج
 تجھ کو معلوم ہے اس صبح کی خاطر ہم نے
 کتنی سفاک سیہ قام شبوں کی سختی
 اپنے دُکھتے ہوئے احساس میں شامل کر لی!
 کتنی پھلی ہوئی شاموں کی جگر سوز چھکن

اپنے دامن میں سیٹی کبھی دل میں بھری

تجھ کو معلوم ہے اس صبح کی خاطر ہم نے
قتل گاہوں کو سجایا، کبھی زندانوں کو
چھتر وار کو بخشا کبھی اُمید کا چاند!
ہم نے اشکوں سے متور کیا تہہ خانوں کو
شاہراہوں میں کبھی اپنے سلاسل ٹوٹے!
ہم نے قدموں پہ گرایا کبھی ایوانوں کو

تجھ کو معلوم ہے اس صبح کی خاطر ہم نے
کتنی راتوں کو ستاروں کا لہو بخشا ہے
بانجھ ہوتی ہوئی دھرتی کے ہر اک ذرے کو
اپنی شہ رگ کی طرح ذوقِ سمو بخشا ہے

اے دہکتے ہوئے سورج یہ گواہی لکھ لے
دل کو زخموں سے بہلنے کی بھی خبر آتی ہے
یہ گواہی کی سرِ مقتل جاں اپنی آتا۔۔!
سرِ بکف، زہر بہ لب، شعلہ بہ رو آتی ہے

آج بھی عہدِ گزشتہ کی ہر اک یاد کے ساتھ
سانس لیتے ہیں تو بارود کی بو آتی ہے
اے ٹھنرتی ہوئی صبح کے دہکتے سورج
نقشِ کچھ ثبت سرِ لوحِ زماں آج بھی ہیں
کتنے کانٹوں سے اُٹی ہے رو احساسِ مگر
قافلے شوق کے منزل کو رواں آج بھی ہیں

ہانپا ظلم ضعیفی کی حدوں تک پہنچا!
اپنے جذبے ہیں کہ سینے میں جواں آج بھی ہیں

لب پہ اک حرفِ دُعا ہے کہ تری عُمر دراز!
جسم پر ناچتے کوڑوں کے نساں آج بھی ہیں



دلِ نگوں ہوا کہیں تو کبھی زخمِ سہ گئے
اب حادثے ہی اپنی وراثت میں رہ گئے

کہنے کو ایک ساتھ ہی ڈوبا ہے قافلہ
کچھ عکسِ زیرِ آب مگر تہہ بہ تہہ گئے

پتوں سے بھڑکتی ہیں ہواؤں کی ہچکیاں
پنچھی ہرے شجر سے عجب بات کہہ گئے

شاید وہ بام و در کو نہ سونے دیں عُمر بھر
جو خوابِ گہر کی خاک میں پست رہ گئے

محسنِ غریب لوگ بھی تنکوں کے ڈھیر ہیں
بلے میں دب گئے کبھی پانی میں بہہ گئے



جو شخص بھی اپنا قد و قامت نہیں رکھتا
وہ شہر کے آئینے سلامت نہیں رکھتا

مجھ سے یہ شکایت ہے مرے چارہ گروں کو
میں زخم چھپانے کو علامت نہیں رکھتا

وہ دوست اگر ہے تو مجھے حوصلہ بخشنے
دشمن ہے تو کیوں حرفِ ملامت نہیں رکھتا

یہ عہدِ بغاوت ہے کرو فکر سروں کی!
دستار تو کوئی بھی سلامت نہیں رکھتا

راس آ ہی گیا ترکِ تعلق اُسے آخر!
آنکھوں میں وہ پہلی سی ندامت نہیں رکھتا

اب کس کی تسلی کو غزل سوچئے محسن
اب کون یہاں دل میں قیامت نہیں رکھتا ؟



حُبِ دُحلی چاند بھی ٹکے تو سہی
درد جو دل میں ہے چمکے تو سہی!

وہ قیامت ہو ستارہ ہو کی دل!
کچھ نہ کچھ ہجر میں ٹوٹے تو سہی

ہم وہیں پر ہی بسا لیں خود کو۔۔!
وہ کبھی راہ میں روکے تو سہی

سب سے ہٹ کر ہی منانا ہے اُسے
ہم سے اک بار وہ روٹھے تو سہی

دل اُسی وقت سنبھل جائے گا
دل کا احوال وہ پوچھے تو سہی

اُس کی نفرت بھی محبت ہو گی
میرے بارے میں وہ سوچے تو سہی

اُس کے قدموں میں بچادوں آنکھیں
میری بستی سے وہ گزرے تو سہی

میرا جسم آئینہ خانہ ٹھہرے

میری جانب کوئی دیکھے تو سہی

اُس کے سب جھوٹ بھی سچ ہیں محسن؟
شرط اتنی ہے وہ بولے تو سہی



دل کو کچھ اور سنبھالنے دینا
آج کی رات نہ ڈھلنے دینا

پھر گھڑتا تو مقدر ٹھہرا
دو قدم ساتھ تو چلنے دینا!

یہ جوانی ہے سنبھالے رکھنا!
اس قیامت کو نہ ٹلنے دینا

یا ہوا سے انہیں اوجھل رکھنا
یا چراغوں کو نہ جلنے دینا

اُس کو ہر رنگ سے چاہو محسن
اُس کو ہر روپ بدلنے دینا



کچھ نہ کسی کے حق میں کہنا، چپ رہنا
دل پر سارے صدے سہنا، چپ رہنا

دشت کے ستائے کا زیورِ آوازیں
شور مچاتے شہر کا گہنا، چپ رہنا

ہم نے گہرے دریاؤں سے سیکھا ہے
آپ ہی اپنی موج میں بہنا، چپ رہنا

اُس نے کہا تھا جشن کی رات کو جنگل میں
ناچیں گے سب لوگ برہنہ، چپ رہنا

عذاب دید

نہ پوچھ شہر میں رونق ہے ان دنوں کتنی!
دھواں دھواں کہیں بازو کی نمائش ہے
سجے ہوئے کسی رہ میں ہیں سر بُریدہ بدن
کہیں متاعِ دل و جاں کی آزمائش ہے

”عذاب دید“ ہے منظر خروشِ مقتل کا
لبوں پہ جم گئی تعمیرِ خوابِ وصل و فراق
مزاجِ قاتلِ سرکش کی وحشتوں کے سبب
دُعا پہ بند ہوئے درگہ قبول کے طاق
کئے پھٹے ہوئے جسموں پہ دُھول کی چادر
اُڑا رہی ہے سر عام زندگی کا مذاق!

بُجھی بُجھی ہوئی آنکھوں میں کانپتے آنسو
لہو میں تیرتے چہروں کے بدنصیب ٹھکاب
ہوا کے ساتھ اندھیروں میں ہانپتے جگنو
فتا کے نیل میں بے آسرا دلوں کے حباب
ڈری ڈری ہوئی ماؤں کے بے صدا نوحے
قضا سے مانگ رہے ہیں نفسِ نفس کا حساب
گلی کے موڑ پہ رُک رُک کے سوچتی بہنیں
نجانے کب سے کھڑی ہیں کہ ابرِ خوف چھٹے
چھٹے یہ ابر یہ انبوہِ خلقِ شہر ہٹے
ہٹے یہ خلق یہ صدیوں کا راستہ جو کٹے
تو ماں کے دودھ کا کوئی نشان تلاش کریں
مٹے جو لاشِ سلامتِ جوانِ بھائی کی!
تو بالِ کھول کے روئیں برہنہ چہروں پر
کریں سوال جو کوئی! اماں تلاش کریں
کہ کون لوگ ہیں نوکیلے ناخنوں والے
جو بے گناہ لہو کا خراج لیتے ہیں!

سنوارتے ہیں جو بازوؤں کے دھوئیں سے نقوش

درنگی کی ہوس میں اُجاڑ دیتے ہیں
جو کھیلے ہوئے بچوں کی بے کنار ہنسی
متاع در جنہیں انساں کی زندگی سے عزیز
جو سلسیل کی شہ رگ میں گھول دیتے ہیں
شرار موت، سم جس، زہر تشنہ لبی

یہ سوگوار سے چہرے یگوں یگوں آنکھیں
خلاء میں گھورتی رہتی ہیں ان دنوں آنکھیں
حنا کے ثور سے خالی ہتھیلیاں کب تک؟
یہ پوچھتی ہیں درپچوں میں بے شکوں آنکھیں

کہاں رُکے گا لہو کا یہ بے اماں سیلاب
بکھر کے رہ میں بچے گا کہاں کہاں سیلاب
اُداس بہنوں کی چادر کے نگوں نشان پڑے
سیاہ پوش قیموں کی ہچکیوں کے بھنورا

عذاب شب سے فقط اِذنِ خواب مانگتے ہیں
ضعیف ماؤں کے آنسو ہر ایک موڑ پہ آج!
امیر شہر سے اپنا حساب مانگتے ہیں!!

صَبَابَ... غُرُورِ نگہبان شہر سے کہنا!
جو پڑھ سکے تو پڑھے چہرہ بشر کا سوال
کمال ضبط کا حاصل ہر ایک دن کا زوال

یہی سحر ہے تو کیونکر حیات گذرے گی

نجانے کون سے قتل میں رات گزرے گی؟

تم سے ممکن ہو تو

ٹم سے ممکن ہو تو سب روشنیاں ٹھل کر دو
 منج مہتاب سے تا گوشہ دربار شہی
 مثل ویرانی جاں صورتِ دامانِ تہی
 وہ اندھیرا ہو کہ ہر رنگ پریشاں ٹھہرے
 آنکھ پلکوں کی رفاقت سے گریزاں ٹھہرے
 گھر کا روزن کسی جکو کی کرن کو ترے
 ہر طرف دامِ غریباں کی اداسی برے
 شاخ در شاخ اترنے لگے وحشت کا عذاب
 شورشِ موج ہوا، صورِ سرافیل لگے
 رقص کرتے ہوئے بے خواب بگولوں کے بدن
 رہگذاروں کی حنک اڈھ کے ٹھل ہو جائیں
 ماند پڑ جائیں ستاروں کے قبیلوں کی رسوم
 جاگتے شہرِ جہہ خاکِ زمیں سو جائیں
 شہِ رگِ وقت میں سیال سیاہی بھر دو

ٹم سے ممکن ہو تو سب روشنیاں ٹھل کر دو
 سب در و بامِ بچھا دو کہ مرے سینے میں!
 زخم در زخمِ فروزاں ہیں لہو کی شمعیں

جن سے کترا کے گذرتی ہے اندھیروں کی قطار
لشکرِ شام و سحر جن کی لوؤں سے لرزاں
جن کی جدت سے ہواؤں کو پسینہ آئے
جن سے جذبوں کو دکنے کا قرینہ آئے

تیرگی اور بڑھا دو کہ مری آنکھوں میں
اشک اور اشک منور ہیں ستاروں کے چراغ
جن کی فو پھوم کے خورشید قیامت ابھرے
جن کے سائے میں ہمکتی ہوئی اُمیدوں کا
جن نو روز کی صورت قد و قامت ابھرے
جن کے رنگوں میں ڈھلیں عصرِ درخشاں کے نقوش
جن کا پڑ تو سبھی ذروں کی جبین پر اترے
کہکشاں جن کی زیارت کو زمیں پر اترے

چاند سے نقش مٹا دو کہ مرے ہونٹوں پر
حرف در حرف دیکھتے ہیں دل زار کے داغ
جن کی خوشبو سے پگھلتا ہے دو عالم کا دماغ
جن کی تابندہ مزاجی سے نکلیں شرمندہ
جو بکھرتے ہیں تو رنگوں کی دھنک ٹوٹی ہے
جن کے پہلو سے کئی صُبحوں کی پو پھوٹی ہے

تم سے ممکن ہو تو سب روشنیاں ٹھل کر دو
تم سے ممکن ہے مگر تم سے کہاں ممکن ہے؟
رہتم نکہت ٹھل ٹھل سے جدا ہو جائے
سنگ سے رنگ ہو خود سے خفا ہو جائے

یاد رکھنا کی تمہیں یاد رہے یا نہ رہے
جب تلک راہ میں دیوارِ قضا حائل ہے
میری فریاد میں تیشے کا ہنر جاری ہے
جب تلک شہرِ دل و جاں کے کسی گوشے میں
صبح گھرگ کی منزل نہ دکھائے دے گی
شب کے صحرا میں ستاروں کا سفر جاری ہے!



پندے لوٹ رہے تھے گھروں کی سمت مگر
ہوا کا رُخ تھا شکستہ پروں کی سمت مگر

چھتوں پہ کتنا چراغاں تھا اب کے جشن کی رات
وہ دیکھنا مرا بھتے دروں کی سمت مگر

مٹشادہ دل تھے کئی لوگ یوں تو مقتل میں
بڑھے ہیں تیر ہمارے سروں کی سمت مگر

بدن پہ آئینے اوڑھے وہ لوگ آئے تھے
مرا خیال رہا پتھروں کی سمت مگر

میں بڑھ رہا تھا جرے دشمنوں سے لڑنے کو

ترا عذاب مرے لشکروں کی سمت مگر

وہ اک مگر تھا کہ بازار مصر تھا محسن
کوئی نظر نہ اٹھی دلیروں کی سمت مگر!



جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے
زخمِ خیمہارے ہجر کا بھرتا جاتا ہے

کنکر پھینکنے والوں کو کچھ علم نہیں
پانی میں اک عکس نکھرتا جاتا ہے

دل کی غربت سارے گھر میں پھیل گئی
تصویروں سیرنگ اُترتا جاتا ہے

بجھتی آنکھ کے سائے پھیلتے جاتے ہیں
شام کا منظر اور نکھرتا جاتا ہے

محسن اُس نے دل کا شہر اجاڑ دیا
میں سمجھا تھا بخت سنورتا جاتا ہے



اپنے آپ سے پھرتے ہیں بیگانے کیوں؟
شہر میں آکر لوگ ہوئے دیوانے کیوں؟

ہم نے کب مانی تھی بات زمانے کی!
آج ہماری بات زمانہ مانے کیوں؟

وہ جنگل کے پھولوں پر کیوں مرتا ہے؟
اُس کو اچھے لگتے ہیں دیرانے کیوں؟

تچی بات سے گھبرانے کی عادت کیا
جھوٹے لوگوں سے اپنے یارانے کیوں؟

خلوت میں جو آنکھ ملاتے ڈرتا ہو
میلے میں وہ شخص ہمیں پہچانے کیوں؟

محسن جب بھی چوٹ نئی کھا لیتا ہو!
دل کو یاد آتے ہیں یار پُرانے کیوں؟



اک نکدہ اک بات!
دار کی موت حیات

جھوٹے سب دن رین
تجی رب کی ذات

مبر کے کالے کوس
جر کی لمبی رات

اُس کے سب اقرار
سُکھی ڈال کے پات

میرے شہر کی بھیڑ
اک اُجڑی بارات

آگ سے پھول نہ مانگ
جل جائیں گے بات

رُخ صہرا کی دُھول
آنکھوں میں برسات

تو اور اُس کا نام؟
دیکھ اپنی اوقات

بہکی چال سنبھال
گھوم نہ میرے ساتھ

اُس کے نقش نہ دیکھ
سب اجلی آیات

محسن سے مت پڑچھ
محسن کے حالات

اے فلک بخت مسافر

آج کی صبح مہ و سال کے آئینے میں
پھر ترے خون کی پوشاک پہن کر آئی
پھر دل و جاں میں جرے قرب کا موسم اُترا
پھر ترے درد کی سوگات میتر آئی

آنکھ میں پھر سے دہکنے لگے خوابوں کے ٹھاب
پھر صبا خاک پہ سر فودہ بہ لب گذری ہے

پھر اسی سوچ میں غلطاں ہے قبیلہ اپنا
عمر گذری کہ ترے ہجر کی شب گذری ہے؟

تو نے سینے پہ سجائی ہیں خراشیں جس کی
وہ قیامت بھی کسی اور پہ کب گزری ہے

دل نے جب جب بھی تری سمت پلٹ کر دیکھا
ج گئی راہ میں بے رحم صلیبوں کی قطار
خاکِ مقتل پہ دکنے لگے اشکوں کے ٹجوم
چشمِ قاتل سے برسنے لگے نفرت کے شرار
پھر سے ہر تارِ گریباں پہ لگی خیر کی مہر
کھچ گئے تابہ فلک ظلم و تشدد کے حصار
بُجو ترے کس سے کہیں ہم کہ کہاں ختم ہوا؟
تازیانوں کی زباں چومتے زخموں کا ٹھمار!

آنکھ میں تیر گئے پھر تری خوشبو کے بھنور
پھر سے قسمت کو جگانے لگے صُبحوں کے سفیر
تیری بُجرات کبھی تلوار کی صُورت چمکی
تیر بن کر کبھی اُبھری ترے جذبوں کی لکیر

بارشِ سنگ میں جب قحطِ نمُو یاد آیا
تیرا سچ بولتا ' بے باک لہو یاد آیا

جب کوئی چیخِ حیر و جبر و ستم دُفن ہوئی
اہلِ زنداں کو ترا نور ہو یاد آیا

جب درِ حرف صداقت پہ کوئی قفل پڑا

تیرا اعزازِ رن طوقِ لُکھو یاد آیا

جب بھی مقتل میں کوئی چاند ہوا از نیبِ دار
اے فلک بخت مسافر ہمیں تو یاد آیا

ہمارا کیا ہے؟

ہمارا کیا ہے کہ ہم تو چراغِ شب کی طرح
اگر جلے بھی تو بس اتنی روشنی ہوگی!
کہ جیسے شہد اندھیروں کی راہ میں جگنو
ذرا سی دیر کو چمکے چمک کے کھو جائے

پھر اس کے بعد کسی کو نہ کچھ سُجھائی دے
نہ شب کٹے نہ سُراغِ سحر دکھائی دے!!

ہمارا کیا ہے کہ ہم تو پسِ غبارِ سفر
اگر چلے بھی تو بس اتنی راہ طے ہوگی!
کہ جیسے تیز ہواؤں کی زد میں نقشِ قدم
ذرا سی دیر کو ابھر کے مٹ جائے

پھر اس کے بعد نہ منزل نہ رہگذار ملے!
حدِ نگاہِ ملکِ دشتِ بے کنار ملے!!

ہماری سمت نہ دیکھو کہ کوئی دیر میں ہم
قبیلہ دل و جاں سے پھڑنے والے ہیں
بے بسائے ہوئے شہر اپنی آنکھوں کے
مثال خانہ ویراں اُڑنے والے ہیں
ہوا کا شور یہی ہے تو دیکھتے رہنا
ہماری عمر کے خیمے اکھڑنے والے ہیں

اب اس کے بعد تمہارے لیے ہیں رنگ سبھی
سبھی رتیں سبھی موسم تنہی سے مہکیں گے!
ہر ایک لوحِ زماں پر تمہارے نام کی مہر
ہر ایک صُحّ تمہاری جبین پہ سجدہ گزار
طلوعِ مہر درخشاں فروغِ ماو تمام!!
یہ رنگ و نور کی بارش تمہارے عہد کے نام
آبِ اس کے بعد یہ ہوگا کہ خم پہ ہونا ہے
دُرودِ نعمت عظمیٰ ہو یا نزولِ عذاب!
نعمیٰ پہ قرض رہے گی تمہارے فرض میں ہے

دلوں کی زخمِ ہُماری غمِ جہاں کا حساب
گناہِ وصل کی لذت کہ ہجرتوں کا ثواب؟
تمام نقشِ تنہی کو سنوارنا ہوں گے!
رگوں میں ضبط کے نشتر اتارنا ہوں گے!!

اب اس طرح ہے کہ گزرے دنوں کے ورثے میں
تمہاری نذر ہیں کلّے شکستہ خوابوں کے

جُلتے ہوئے کئی خیمے دریدہ پیراہن
 بجھے چراغ، لہو انگلیاں، فگار بدن
 یتیم لفظ، ردا سوختہ انا کی تھکن
 تمہیں یہ زخم تو آنکھوں میں گھولنا ہوں گے
 عذاب اور بھی پلکوں پہ تولنا ہوں گے

وہ یوں بھی ہے کہ اگر حوصلے سلامت ہوں!
 بہت کٹھن بھی نہیں رہگذارِ دشت جوں
 یہی کہ آبلہ پائی سے جی نہ اُکتائے!!
 جراحوں کی مشقت سے دل نہ گھبرائے!

رگوں سے درد کا سیلاب اس طرح پھوٹے
 نشاطِ گرب کا عالم فضا پہ طاری ہوا!
 کبھی جو طبل بجے مقتلِ حیات بجے!
 تو ہر قدم پہ لہو کی سبیل جاری ہوا!!

جو یوں نہیں تو چلو اب کے اپنے دامن پر
 بہ فیضِ کم نظری داغ بے شمار سہی!
 ادھر یہ حل کہ موسمِ خراج مانگتا ہے
 ادھر یہ رنگ کہ ہر عکس آئینے سے فخل
 نہ دل میں زخم نہ آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک
 جو کچھ نہیں تو یہی رسمِ روزگار سہی!
 نہ ہو نصیبِ رگِ گل تو نوکِ خار سہی

جو ہو سکے تو گریباں کے چاک سی لینا!

دگر نہ ٹم بھی ہماری طرح سے جی لینا!

☆

دل فکرِ دوا سے بچ گیا ہے
اب دردِ رگوں میں رچ گیا ہے

ماتم تھا یہ کس کا شہر جاں میں
صحرا میں بھی شور مچ گیا ہے

رائج ہے زبانِ مصلحت کی
اب شہر سے جھوٹ بچ گیا ہے

منصف کا حساب؟ خیر چھوڑو
قاتل کو تو قتل بچ گیا ہے

اب گرد کی تہہ کو کیا ہٹائیں
ملبوس یہ تن پہ بچ گیا ہے

محسن وہ عجیب سخت جاں تھا
جو زہر بھی پی کے بچ گیا ہے



خیال میں تیری آمد ہوئی ہوئی نہ ہوئی
غزل کا کیا ہے کہ سرزد ہوئی ہوئی نہ ہوئی

تو اپنے عہدِ بختا کے اُفق سنبھال ذرا!
مری وفا کی کوئی حد ہوئی ہوئی نہ ہوئی

ترے مزاج سخاوت کی برہمی قائم
مری دُعا پہ نہ جا' رد ہوئی ہوئی نہ ہوئی

تو آسماں پہ کہیں نصب کر خیام خیال
مری زمیں مری مسند ہوئی ہوئی نہ ہوئی

یہ زندگی مری اپنی ہے ، جس طرح بھی کئے
رہیں عکس اب وجد ہوئی ہوئی نہ ہوئی

کچھ اور دیر بھڑکنے دو آنسوؤں کے چراغ
یہ روشنی سرِ مرقد ہوئی ہوئی نہ ہوئی

بہت ہے اُس کی نظر اُس طرف اُٹھے تو سہی

متاع دامن مقصد ہوئی ہوئی نہ ہوئی

جسے مقامِ رضا کی خبر نہیں محسن!
اُسے زیارت ”مشہد“ ہوئی ہوئی نہ ہوئی!



سلطنتِ دل میں ہی نہیں اُس کی
آسمان تک ہے سرزمین اُس کی

پھر پہاڑوں پہ برف پکھلی ہے
پھر دکنے لگی جبین اُس کی

دھیان رکھنا ہر ایک آہٹ پر
شاید اُبھرے صدا کہیں اُس کی

اب بھی روشن ہے زندگی اُس سے
اب بھی صورت ہے دلنشین اُس کی

ہجر کی رُت عذاب ہے محسن
عادتیں سب بدل گئیں اُس کی



لہرائے سدا آنکھ میں پیارے ' جرا آنچل
جھومر ہے ترا چاند ستارے ترا آنچل

اب تک بری یادوں میں ہے رنگوں کا حلاطم
دیکھا تھا کبھی جمیل کنارے ترا آنچل

لپٹے کبھی شانوں سے کبھی زلف سے اُبھے
کیوں ڈھونڈتا رہتا ہے سہارے ترا آنچل

مہکیں تری خوشبو سے دکتی ہوئی سانسیں
جب تیز ہوا خود سے اتارے ترا آنچل

آنچل میں رچے رنگ نکھاریں تری زلفیں
اُبھی ہوئی زلفوں کو سنوارے ترا آنچل

اس وقت ہے تھلی کی طرح دوش ہوا پر
اس وقت کہاں بس میں ہمارے ترا آنچل

کاجل ترا بہہ بہہ کے زلّائے مجھے اب بھی
رہ رہ کے مجھے اب بھی پکارے ترا آنجل



وہ دُعا بھی ذرّ تاثیر سے خالی دے گا
اور کیا تجھ کو ترے در کا سوالی دے گا

اُس سے مت پوچھ غمِ دہر کی تلخی کا علاج
مشورے جتنے بھی دے گا وہ خیالی دے گا

اُس کے لہجے میں کھلتا ہے سدا برزقِ حرام
اُس سے خیرات نہ مانگو کہ وہ گالی دے گا

خود کو پہچان کبھی دل کی کہانی میں اُتر
یہ سخنور تجھے کردارِ مثالی دے گا

فاختہ عیدِ بگولوں میں گہری ہے محسن
کون اب اُس کو ہرے پیر کی ڈالی دے گا؟



اُن کی سازش تو ہے رات باقی رہے
عمرِ ببرِ ظلم کی بات باقی رہے

شہر جلتا رہے شہر کی فکر کیا؟
قاتلِ شہر کی ذات باقی رہے

جو ظاہر ہیں بازو یہ کھلتے رہیں
وہ جو خفیہ ہے وہ ہات باقی رہے

زخمِ دل کی نمائشِ ضروری نہیں
لُب پہ حرفِ مُناجات باقی رہے

کوئے دلدار میں پکنے والے بہت
سیم و زر کی یہ برسات باقی رہے

شوق سے توڑ دیجے تعلق مگر
راستے کی ملاقات باقی رہے

اک سنگِ مرمر کی ضد ہے کہ محسن یہاں
امن بھی ظلم کے ساتھ باقی رہے



آتے جاتے ہوئے لوگوں پہ نظر کیا رکھنا
لٹ چکا شہرِ فصیلوں کی خبر کیا رکھنا

بجھ گئی آنکھ تو اک آدھ کرن کی خاطر
چھت میں سوراخ تو دیوار میں در کیا رکھنا

آئینہ زد میں اگر ہے تو چٹخنے دے اُسے
دل میں احساسِ کفِ آئینہ گر کیا رکھنا

صورتِ موجِ ہوا جن کو بکھر جانا ہو
ایسے الفاظ پہ بنیاد بن کر کیا رکھنا

اب بھی اٹک غنیمت ہیں تسلی کے لیے
بھر کی رات سے اُمیدِ سحر کیا رکھنا

موسمِ جشنِ جٹوں اُجرِ طلب ہے اب کے
دل میں احساسِ زیاں دوش پہ سر کیا رکھنا

سبیلِ نگوں اب کے بہت تیز ہے محسن میرے

شہر کا شہر گیا گھر کی خبر کیا رکھنا؟



دیکھنے میں وہ وِلدار ہے اور کیا؟
میری سوچوں کا شہکار ہے اور کیا؟

آدمی بے کفن لاش ہے اور بس!
آدمیتِ عِزدار ہے اور کیا؟

میرے پاؤں کی زنجیر ہے زندگی!
سانس بے ربط جھنکار ہے اور کیا؟

آسمانِ رنگِ حدِ نظر جو بھی ہے
میرے رستے کی دیوار ہے اور کیا!

دل سے مت پوچھ رُودادِ ضعیفِ مَحْن
مُجْرِمِ حرفِ اقرار ہے اور کیا؟

تیرا محسنِ ملامت کی بارش میں غر
مُجْرِم یہ ہے کہ فنکار ہے اور کیا؟

صبحِ اوّل کے سورج

نئے سال کی صبحِ اوّل کے سورج!
 مرے آنسوؤں کے شکستہ تگینے
 مرے زخمِ در زخم پہنچے ہوئے دل کے
 یا قوتِ ریزے
 جری نذر کرنے کے قابل نہیں ہیں
 مگر میں

(اُدھورے سفر کا مسافر)
 اُڑتی ہوئی آنکھ کی سب خعائیں
 نگار اُٹکیاں
 اپنی بے مائیگی

اپنے ہونٹوں کے نیلے افق پر سجائے
 دُعا کر رہا ہوں
 کہ تو مسکرائے!

جہاں تک بھی تیری ہواں روشنی کا
 اُبلتا ہوا شوخ سیما ب جائے
 وہاں تک کوئی دل چننے نہ پائے
 کوئی آنکھ میلی نہ ہو نہ کسی ہاتھ میں
 حرفِ خیرات کا کوئی کُشکول ہو!
 کوئی چہرہ کئے ضربِ افلاس سے
 نہ مُسافر کوئی

بے جہت جگنوؤں کا طلب گار ہو
 کوئی اہل قلم
 مدحِ طبل و علم میں نہ اہل حکم کا ٹھہرے
 کوئی ذریعہ گر
 کیوں پھرے در بدر؟

صبحِ اول کے سورج
 دُعا ہے کہ تیری حرارت کا خالق
 مرے گنگ لفظوں
 مرے سرد جذبوں کی بخ بستی کو
 کڑکتی ہوئی بجلیوں کا کوئی
 ذائقہ بخش دے!

رہ گزاروں میں دم توڑتے رہروؤں کو
 سفر کا نیا حوصلہ بخش دے!
 میری تاریک گلیوں کو جلتے چراغوں کا
 پھرے کوئی سلسلہ بخش دے
 شہر والوں کو میری آنا بخش دے
 دُستِ دشت کو دودھیا گھر کی اک ردا بخش دے

بھنور

وہ اکثر دن میں بچوں کو سلا دیتی ہے اس ڈر سے

گلی میں پھر کھلونے بیچنے والا نہ آجائے

بجھتے ہوئے دیئے کی دُعا کام کر گئی
اک شب کی گود کتنے ستاروں سے بھر گئی

ماں کو تلاشِ رزق نے رستہ بھلا دیا
بچی ٹھنڈے رات کے سائے میں مر گئی

خود بار خشکی سے گرمی چھت مکان کی
تہمت مگر بھٹکتی ہواؤں کے سر گئی

اس بار میرے گاؤں کے میلے کی بھیڑ میں
جو غم ہوا وہ ایک بھکارن کا لال تھا!

تیرا فراقِ دل کی تباہی رُتوں کا خوف
میرے لیے یہ سال قیامت کا سال تھا

درویش کو طلب تھی متاعِ خلوص کی
مخلوق پُچ رہی کہ یہ مشکل سوال تھا

ختم ہونے کو ہے سفر شاید
پھر ملیں گے کبھی --- مگر شاید

پھر مِلا اذنِ آبلہ پائی ---!
پھر بھٹکتا ہے در بدر شاید

اب کے شب آنکھ میں اتر آئی
اب نہ دیکھیں گے ہم سحر شاید

شہر میں روشنی کا میلہ ہے
جل گیا پھر کسی کا گھر شاید

اول شام ستارے برے اشکوں کے غم
چاند لگتا ہے برا طوقِ گلو آخر شب

میری شہ رگ سے اُبھرتی ہیں سحر کی کرنیں
میرے دامن پہ چمکتا ہے لہو آخر شب

یوں بجھے گھر میں سجاتا ہوں چراغوں کی قطار
جس طرح آج بھی آ جائے گا تو آخر شب

کچھ یوں کبھی شہر بھر میں پہیلی ہے ایک تو
سب کی سہیلیاں ہیں اکیلی ہے ایک تو

شام سفر کا اور اٹاٹھ ہی کچھ نہیں!
اک تیری بے چراغ ہتھیلی ہے ایک تو

قیدی کوئی تعزیر کے قابل ہی نہیں تھا
زنداں میں کہیں شورِ سلاسل ہی نہیں تھا

دے گی مری ٹوٹی ہوئی تلوار گواہی!-
میدان میں ہزیمت کا میں قائل ہی نہیں تھا

ہاں بہر تماشہ بڑی مخلوق تھی لیکن!
جو رونقِ مقتل ہو - وہ بے ل ہی نہیں تھا

کبھی جو فرصت ملے تو دل کے تمام بے ربط خواب لکھوں
تری ادا سے غزل تراشوں، ترے بدن پر کتاب لکھوں

بجھے چراغوں کی نو پگھلتے دلوں کے احساس میں بھگو کر
میں آنے والی اداس نسلوں کی زندگی کا نصاب لکھوں

مرے شب و روز رائیگاں خواہشوں کی مٹی سے اٹ گئے ہیں
میں کس ورق پر گئے دنوں کی مشغلوں کا حساب لکھوں

پچھڑ کے تجھ سے وہ کون ہے جس کے نام کردوں ہنرِ اثاثہ
میں کیوں کوئی نظم کہہ کے سوچوں میں کس لیے انتساب لکھوں

اُس کے اک اک حرف کی تہ میں چاہت کا اک دریا دیکھا
لیکن اُس کی آنکھ میں ہم نے اکثر پیاس کا صحرا دیکھا

درد کی رُت میں کون کسی کے زخم پہ مرہم رکھتا ہے
سردی ک راتوں میں ہم نے پورے چاند کو تنہا دیکھا

دنیا مجھی سے میرا پتہ پوچھتی رہی
میرا وجود غم تھا کسی اور ذات میں

تیرا وصال تھا کہ زمانوں کی سلطنت!
لہو پہ تھی گرفت کہ صدیاں تھیں ہات میں

تو نے نفرت سے جو دیکھا تو مجھے یاد آیا۔!
کیسے رشتے جری خاطر یونہی توڑ آیا ہوں

کتنے دھندلے ہیں یہ چہرے جنہیں اپنایا ہے
کتنی اُجلی تھیں وہ آنکھیں جنہیں چھوڑ آیا ہوں

آجا کہ ابھی ضبط کا موسم نہیں گزرا
آجا کہ پہاڑوں پہ ابھی برف جی ہے

خوشبو کے جزیروں سے ستاروں کی حدوں تک
اس شہر میں سب کچھ ہے بس اک تیری کمی ہے

نہ سو سکے گا وہ صحرا کہ جس نے عمر کے بعد
ہوا کے دوش پہ بادل کی منک دیکھی ہے؛

مری صفائی میں شاید کوئی نکل آئے
عدالتوں میں گواہوں کی بھیڑ رہتی ہے

خیام لشکرِ اعدا میں کیوں نہ خاک اڑے
فرات پر تو مری تشنگی کے پہرے ہیں

ہمیں خبر تھی کہ صحرا میں منزلیں ہیں کہاں
قدم قدم پہ مگر بار بار ٹھہرے ہیں!

میں جانتا ہوں عدالت کی دسترس کو مگر
میں کیا کروں کہ مرے ہر طرف کٹھرے ہیں

کون ہے معتبر زمانے میں۔
کس کے وعدے پہ اعتماد کریں؟

بھول جانے کی عمر بیت گئی!

آؤ اک دوسرے کو یاد کریں!!

دن بھر خفا تھی مجھ سے مگر چاند رات کو
مہندی سے میرا نام لکھا اُس نے ہاتھ پر

یوں ہم سے ہر گھڑی ہے گریزاں یہ کائنات
جیسے ہمارا حق ہی نہیں کائنات پر

اپنی ہتھیلیوں پہ لہو کے نشاں بھی گن
اے دوست انگلیاں نہ اٹھا میری ذات پر

میں نے مہتاب کی کرنوں سے بچایا تھا جسے
دھوپ اڈھے ہوئے پھرتا ہے وہ بازاروں میں

پلٹ کے آگئی خیمے کی سمت پیاس مری
پھٹے ہوئے تھے سبھی بادلوں کے مشکیزے

کبھی جو غم نے گھڑی بھر کو تھک کے سانس لیا
میں خوش ہوا کہ شب بجر یار ڈھلنے لگی

شہیدِ مقتلِ کرب و بلا کا ضبط نہ پڑچھ

کہ ضربِ خنجر قاتل بھی ہاتھ ملنے لگی!

کششِ سُر کی تہہ آب بھی جدا نہ ہوئی
ندی کی ریت مرے ساتھ ساتھ چلنے لگی

بتا رہی ہے ٹھکن موج موج کی محسن
صدف کی تہہ میں کوئی بوند پھر سے پلنے لگی

کتنا چپ چاپ ہے ماحول مری بستی کا
ماتمی خانہ بدوشوں کے بیروں جیسا

کیا کہیں اب کے عجب عشق ہوا ہے محسن
سرد شاموں کی طرح گرم سوپوں جیسا

مقروضِ غم دیدہ تر ہے ترا محسن
مدت سے بے غمی خاکِ بر ہے ترا محسن

شاید کسی رستے کی ہوا تیری خبر دے!
اس واسطے مصروفِ سُر ہے ترا محسن

جو دوستی نہیں ممکن تو پھر یہ عہد کریں
کہ دشمنی میں بہت دُور تک نہ جائیں گے

میں اپنی رُوح کی پوشاک اُس کو پہنا دوں
مگر یہ شرط کہ وہ بھی تمام میرا ہو۔!

تیرے ہجراں سے تعلق کو بھانے کے لیے
میں نے اس سال بھی جینے کی قسم کھائی ہے

حق الیما



حسن نقوی





تمام کتب بغیر کسی مالی فائدے کے پی ڈی ایف میں
تبدیل کی جاتی ہیں۔
کتابی مواد کی ذمہ داری مصنف پر ہے۔

سید حسین اسحاق -
ایڈیٹر فیس بک گروپ

03448183736
03145951212



حق ایلیا

محسن نقوی

ماورا پبلشرز، بہاولپور روڈ لاہور

یاد رکھیں کہ
ہماری کتابیں
خصوصیت کا ہیں
تو ہمیں احترام شایع
خالد شریف



ضابطہ

پتہ :
لاہور کی کینڈل سٹریٹ
1901-1902
حرکت پر ملک پر مشتمل
ماہنامہ لاہور 3-4-5-6-7-8-9-10-11-12
فون: 7224500

MAYRA BOOKS
80-The Mall, Lahore
Ph: 6303390 - 6304083
E-mail: mayraintl@yahoo.com

عشر میں اس اصول عقیدے کے عوض ہم
یکم چھٹل سے خریدیں تو چھپکار نہ کہنا
جنت میں بھی شیر ترے غم کی قسم ہے
باقم نہ کریں ہم تو کھڑاوار نہ کہنا

فہرست

- ۱- حجاب نبوت ۱- ۱۱
- ۲- حجاب نبوت ۲- ۱۳
- ۳- حجاب نبوت ۳- ۱۳
- ۴- حجاب عصمت ۱۶
- ۵- حجاب امامت ۱- ۱۸
- ۶- حجاب امامت ۲- ۲۰
- ۷- حجاب امامت ۳- ۲۲
- ۸- حجاب تلقین ۱- ۲۳
- ۹- حجاب تلقین ۲- ۲۷
- ۱۰- حجاب شہادت ۲۸

- ۱۱- اگر ناپلی ۲۹
- ۱۲- ایطاب ۳۰
- ۱۳- ۱۳ رجب ۳۳
- ۱۴- علی کی شادی ۴۷
- ۱۵- سہرا ۵۱
- ۱۶- ملی ۵۲
- ۱۷- علی کی کیا کرد ۵۳
- ۱۸- سودا ۶۳
- ۱۹- درویش تراب ۶۸
- ۲۰- خیر ۷۰
- ۲۱- گھوڑا ۷۳
- ۲۲- نکوہر ۷۴
- ۲۳- مرکب ۷۵
- ۲۴- نکوہر ۷۶
- ۲۵- خدیو غم ۷۷
- ۲۶- سحر ۷۸
- ۲۷- جن ریلیا ۷۹
- ۲۸- شبیر ۹۳
- ۲۹- حسین ۹۶
- ۳۰- مناظرہ زمین و آسمان ۹۹
- ۳۱- حسین اور کریم ۱۰۳
- ۳۲- حسینیہ ۱۰۸
- ۳۳- آدم اور حسین ۱۱۱
- ۳۴- نوح اور حسین ۱۱۳
- ۳۵- ابراہیم اور حسین ۱۱۵
- ۳۶- یعقوب اور حسین ۱۱۷
- ۳۷- موسیٰ اور حسین ۱۱۸
- ۳۸- عیسیٰ اور حسین ۱۱۹
- ۳۹- محمد اور حسین ۱۲۰
- ۴۰- ملی اور حسین ۱۲۱

۴۱- قول اور حسین ۱۲۲

۴۲- حسن اور حسین ۱۲۳

۴۳- عباس ۱۲۴

۴۴- صلح ۱۲۸

۴۵- مکتبہ العرب (خدیجہ الکبریٰ) ۱۳۰

۴۶- قصیدہ جناب امام زین العابدین ۱- ۱۳۵

۴۷- قصیدہ جناب امام زین العابدین ۲- ۱۳۸

۴۸- قصیدہ امام رضا علیہ السلام ۱۴۲

۴۹- خیال مجر ۱۴۷

۵۰- خاک در بر تراب ۱۵۰

۵۱- قطعات ۱۵۳ تا ۲۰۷

حجاب نبوت —۱

ابھی ابھی جس کا تذکرہ تھا اسی کا لخت جگر تھی وہ بھی
یہ شمس افلاک انما ہے اسی کا نور نظر تھی وہ بھی
یہ ملک قلعہ کا شجر ہے اسی شجر کا ثمر تھی وہ بھی
یہ روح واللیل و اللیل ہے تو پھر دلیل سحر تھی وہ بھی
وہ صدر اجلاں پنجتن تھی مگر یہ محبوب کبریا ہے
نظر جھکا کر درود پڑھ لے وہ قاطعہ تھی یہ مصطفیٰ ہے

اسی کی خاطر سجا رہا ہوں یہ ملت عالم نگار خانہ
زمین کے یہ رنگ رنگ موسم فلک کی رفعت کا شامیانہ
کہیں شہابوں کے تازیانے کہیں ستاروں کا آشیانہ
اسی کا صدقہ بھری خدائی اسی کی خیرات ہے زمانہ
ابھی تو اس نقش کے خدو خال میں کئی رنگ میں بھروں گا
مرا ارادہ ہے روزِ محشر یہ جو کہے گا وہی کروں گا

یہ میم سے ممکناتِ عالم کے آسماں کا مد میں ہے
یہ ج سے حاکم ہے حکمتوں کا حکیم حقِ حرزِ مو میں ہے
یہ میم سے ملتوں کا مرکزِ مشیرِ اعمالِ مر میں ہے
یہ دال سے درد کی دوا ہے دماغِ چارہ گرِ یقیں ہے

یہی عمر ہے ذلت جس کی فلک پہ مشہور ہو گئی ہے
اسی کے پردے میں چارِ ظاہر تھے ایک مستور ہو گئی ہے

حجابِ نبوت — ۲

ابھی ابھی جس کا تذکرہ تھا اسی کا لختِ جگر تھی وہ بھی
یہ خلقتِ نورِ ایزدی ہے اسی کا نورِ نظر تھی وہ بھی
یہ منزلِ رہگذار جاں ہے تو پھر متاعِ سفر تھی وہ بھی
یہ آفتابِ جہانِ دل ہے مگر دلیلِ سحر تھی وہ بھی
وہ زمینِ بزمِ کنِ نکاح تھی یہ صدرِ اجلاسِ انبیاء ہے
نظرِ جھکا کر درود پڑھ لے وہ فاطمہ تھی یہ مصطفیٰ ہے

اسی کی خاطر سجا رہا ہوں یہ بہت عالمِ نگار خانہ
کہیں فضاؤں کی نقشِ بندی کہیں گھٹاؤں کا شامیانہ
کہیں ستاروں کی مشعلیں ہیں کہیں شہابوں کا تازیانہ
اسی کا صدقہ مریِ خدائی اسی کی خیرات ہے زمانہ
اسی کے نقشِ قدم کے ذرے مد و نجومِ فلک بنیں گے
اسی کی صورت کے عکسِ ریزے مرے فرشتے تلک بنیں گے

تمام نبیوں کے قافلے کا بھی تو سالار کارواں ہے
میں بے نشان ہوں مگر اسی کے وجود میں ہی مرا نشان ہے
یہ آشنائے مزاجِ رحمت ہے بخششوں سے بھرا جہاں ہے
اسی کا رستہ ہی دو جہاں میں نجاتِ آخر کی کہکشاں ہے

میں اس کا طالب ہوں سوچ لینا کہ میرا مطلوب بھی یہی ہے
ہے اس کی تعظیم تجھ پہ واجب کہ میرا محبوب بھی یہی ہے

یہ کاروانِ ام کا سلطان اسی کو چھتی ہے کجکراہی
کہ اس کی نظیں کو رستی ہے دو جہانوں کی بادشاہی
یہی تو ہے جو فرائزِ قاراں پہ جا کے دے گا مری گواہی
اسی کا کلمہ پڑھیں گے سارے شجرِ جر مرغِ دمر و ماہی
مری رضا چاہیے تو میرے حبیب کے دل کو شاد رکھنا
یہ تیری خلقت سے خوشتر بھی نہی تھا یہ بات یاد رکھنا

یہ میم سے ممکناتِ عالم کے آسمان کا مہ جبین ہے
یہ رح سے حاکم ہے حکمتوں کا حکیم حقِ حر و مومن ہے
یہ میم سے ملتوں کا مرکز مشیرِ اعمالِ مرسلین ہے
یہ دال سے درد کی دوا ہے دماغِ چارہ گرِ یقین ہے
یہی محمدؐ ہے ذاتِ جس کی فلک پہ مشہور ہو گئی ہے
اسی کے پردے میں چارِ ظاہر تھے ایک مستور ہو گئی ہے

حجابِ نبوت — ۳

ابھی ابھی جس کا تذکرہ تھا اسی کا تختِ جبرِ تھی وہ بھی
یہ شمسِ افلاک انما ہے اسی کا نورِ نظر تھی وہ بھی
یہ ملکِ ظہیر کا شجر ہے اسی شجر کا ثمر تھی وہ بھی
یہ رُوحِ اللیل و اللیل و القمر ہے تو پھر دلیلِ سحر تھی وہ بھی
وہ صدرِ اجلاںِ پنجتن تھی مگر یہ محبوبِ کبریا ہے
نظر جھکا کر درود پڑھ لے وہ قاطعہ تھی یہ مصطفیٰ ہے

اسی کی خاطر سجا رہا ہوں یہ ہفت عالم نگار خانہ
زمین کے یہ رنگِ رنگِ موسمِ فلک کی رفعت کا شامیانہ
کہیں ستاروں کے آشیانے کہیں شہابوں کا تازیانہ
اسی کا صدقہ مری خدائی اسی کی خیرات ہے زمانہ
ابھی تو اس نقش کے خدوخال میں کئی رنگ میں بھروں گا
مرا ارادہ ہے روزِ محشر جو یہ کہے گا وہی کروں گا

جہاں انسانیت کی تخلیق ہم اسی کے سبب کریں گے
 اسی کے دشمن کو ہم جہاں میں رہیں رنج و تعب کریں گے
 اسی کے در کے گدا گروں کا سبھی فرشتے ادب کریں گے
 بشر تو کیا اس کے در پہ جا کر نبیؐ اجازت طلب کریں گے

اسی کے نقش قدم کے ذروں کو چاند بے جسے میں کب ملے گا
 اسی کے سر کی روا کے سائے کو چاندنی کا لقب ملے گا

حجابِ عصمت

کمال وحدت ہے نام اس کا جمال و جبر رسول بھی ہے
 یہ دین و ایمان کی روح بھی ہے دلِ فروغ و اصول بھی ہے
 نویلِ باغِ بہشت بھی ہے، کلیہ بابِ قبول بھی ہے
 زمیں پہ ہو تو علی کی زوجہ، فلک پہ ہو تو بتول بھی ہے
 اسی سے آغاز ہے امامت، یہیں رسالت کا خاتمہ ہے
 نظر اٹھا کر نہ دیکھ آدمؑ حجابِ عصمت میں قاطمہ ہے

یہ فکر مرثیم کی شاہزادی یہ قل ہو اللہ کی شاہدہ ہے
 خطا کا امکان نہیں ہے اس میں یہ روزِ اول کی زاہدہ ہے
 مہلبہ کی مغفوں میں دیکھو تو حق کی پہلی عبادہ ہے
 میں خود حفاظت کروں گا اس کی نیاس سے میرا معاملہ ہے
 وہ یوں کہ ادج مزاج حق کے تمام سہرے اسی کے سر ہیں
 حریم حق کے تمام ہادی اسی کی آغوش کے شر ہیں

یہی ہے بدر و احد کا فاتح، وجودِ خیر کشا یہی ہے
 محفلِ دینِ آدمیت، برادرِ مصطفیٰ یہی ہے
 جو بندگی کو بھی دلاوری دے وہ صاحبِ بلقیٰ یہی ہے
 کرے جو قاتل کو شیر و شربت عطا وہ بحرِ سخا یہی ہے
 اسی کی اک ضرب پر نچھاور کر دیں وہ جہاں کے جدے
 کہ جانتا ہوں جو یہ نہ ہو تو کہاں کا قبلہ کہاں کے جدے

یقین کر لے کہ دینِ حق کی رگوں میں رقصاں ابھی ہے
 مری محبت کی مملکت میں رواں دواں چارو یہی ہے
 اسے ضرورت کہاں کسی کی ہر ایک کی آرزو یہی ہے
 مرا غضب ہے جلال اس کا، مرے کرم کی موہی ہے
 بروئے محشر ترا خدا جب درِ حقیقت کو دا کرے گا
 علی کا دشمن خود اپنی ماں کی خیانتوں کا گلا کرے گا

حجابِ امامت —۱

یہ مردِ میدان، اہلِ کا حاکم، حکیمِ مطلق پہ گری کا
 تمام عالم میں آج سکھ رواں ہے اس کی دلاوری کا
 یہ اسمِ اعظم جو لب پہ آئے تو دل دھڑکتا ہے ہر جری کا
 یہی سکھاتا ہے، گر سبھی کو سکندری کا قلندری کا
 یہ انبیاء کا عظیم ناصر، یہ میرا وارث میرا ولی ہے
 ہے اس کی پہچان تجھے پہ واجب یہ مرتضیٰ ہے یہی علی ہے

یہ محورِ حق یہ گلِ ایمان کا تاج سر پر سجانے والا
 یہ موت کی شبِ سجا کے بستر سکون سے مسکرانے والا
 یہ دشمنوں کے تمام حملوں سے انبیاء کو بچانے والا
 یہ کردگارِ ازل کے بندوں کو جامِ کوثر پلانے والا
 اسی کے تختِ جگراہ کے احد کی قسمت سنوارتے ہیں
 یہی ہے جس کو ازل سے مشکاں میں انبیاء سب پکارتے ہیں

یہ فقر کی سلطنت کا سلطان یہ آدمیت کا تاجور ہے
یہ رہنما ہے سخنوروں کا یہی مسیحا کا چارہ گر ہے
یہ اوصیا میں بھی منفرد ہے یہ اولیاء میں بھی معتبر ہے
یہ انبیاء کی مشقتوں سے بھری مناجات کا شر ہے
اسی کے سینے میں دھڑکنوں کی طرح سے علم کتاب ہوگا
اسے سنواروں گا اس طرح سے یہ ہر طرح لا جواب ہوگا

مزاج منبر نماز ایمان نقیب وحدت کلام اول
عروج وجدان شعور انسان غرور یزدان نظام اول
سجود عاشق رکوع عاقل قعود آخر قیام اول
خطیب کامل اویسب عامل لواء کا حامل امام اول
یہی تو کونین میں نصیر مزاج عزم رسول ہوگا
یہی تو ہے خانہ زاد میرا یہی تو زویج بتول ہوگا

یقین کر لے کہ دین حق کی رگوں میں رقصاں لہو یہی ہے
مری محبت کی مملکت میں رواں دواں چار سو یہی ہے
اسے ضرورت کہاں کسی کی ہر ایک کی آرزو یہی ہے
مرا غضب ہے جلال اس کا مرے کرم کی نمونہ یہی ہے
اسی کی اک ضرب پر پنچاؤ کروں گا میں دو جہاں کے سجدے
کہ جانتا ہوں جو یہ نہ ہو تو کہاں کا قبلہ کہاں کے سجدے؟

حجابِ امامت — ۲

یہ مرد آہن یہ مشکوں میں پیہروں کو بچانے والا
یہ رنج و غم سے اٹی فضاؤں میں مجوم کر مسکرانے والا
یہ پستیوں میں بکھرتے ذروں کو چاند سورج بنانے والا
یہ چشم عالم کی چٹلیاں اگلیوں کی زد پر نچانے والا
یہ میرے محبوب کا وحی ہے جو چاہے قدرت کا کام کر لے
یہ مرتضیٰ ہے یہ اٹلیا ہے یہی علی ہے سلام کر لے

میں لامکاں ہوں مرے مکاں کا جہان بھر میں کیس یہی ہے
زمین پہ یہ بوتراب ہوگا فلک پہ زہرہ جیس یہی ہے
یہی ہے اسلام کا سراپا مزاج معیار ویر یہی ہے
یہی ہے سلطانِ دین و ایمان رموز حق کا امین یہی ہے
اسی کے لخت جگر اجڑ کے احد کی قسمت سنوارتے ہیں
یہی ہے جس کو ازل سے مشکل میں انبیاء بھی پکارتے ہیں

یہ فقر کی سلطنت کا سلطان یہ آدمیت کا تاجور ہے
یہ رہنما ہے سخنوروں کا یہی مسیحا کا چادر گر ہے
یہ اوصیاء میں بھی منفرد ہے یہ اولیاء میں بھی مستبر ہے
یہ انبیاء کی مشقتوں سے لدی مناجات کا شمر ہے
اسی کے سینے میں دھڑکنوں کی طرح سے علم کتاب ہوگا
اسے سنواروں گا اس طرح سے یہ ہر طرح لا جواب ہوگا

مزاجِ منیر نمازِ ایمانِ نقیبِ وحدتِ کلامِ اول
عروجِ وجدانِ شعورِ انسانِ غرورِ یزداںِ نظامِ اول
سجودِ عاشقِ رکوعِ عاشقِ قعودِ آخرِ قیامِ اول
خطیبِ کائناتِ ادیبِ عالمِ لوا کا حالِ امامِ اول
یہی تو کونین میں نصیرِ مزاجِ عزمِ رسول ہوگا
یہی تو ہے خانہ زادِ میرا یہی تو زویجِ بتول ہوگا

اسے تو پہچان لے کہ آخر ہے ”کل ایمان“ لقب اسی کا
مری خدائی میں ہر بشر پر سدا ہے واجبِ ادب اسی کا
ہیں شش جہت اس کے زیر سایہ غم اسی کا عرب اسی کا
بھرے جہاں میں ہے جو بھی میرا وہ اس کی خاطر ہے سب اسی کا
بروزِ محشر عمل کی دولت سے جب بھی میزانِ دل بھرے گا
علی کا دشمن بگڑ بگڑ کے خود اپنی ماں کا گلا کرے گا

حجابِ امامت — ۳

یہ مردِ آہن! یہ مشکوں میں پیبروں کو بچانے والا
یہ رنج و غم سے اٹی فضاؤں میں جھوم کر مسکرانے والا
یہ پستیوں میں بکھرتے ذروں کو چاند سورج بنانے والا
یہ چشمِ عالم کی چٹلیاں انگلیوں کی زد پر نچانے والا
یہ میرے محبوب کا وہی ہے جو چاہے قدرت کا کام کر لے
یہ مرتضیٰ ہے یہ ایلیا ہے یہی علی ہے سلام کر لے

میں لامکاں ہوں مرے مکاں کا جہان بھر میں کیس یہی ہے
زمیں پہ یہ بو تراب ہوگا فلک پہ زہرہ جیسی یہی ہے
یہی ہے اسلام کا سراپا مزاجِ معیارِ دین یہی ہے
یہی ہے سلطانِ دین و ایمان رموزِ حق کا امین یہی ہے
جو اس کا دشمن ہے اس کی ساری عبادتیں بے اصول ہوں گی
تمام روزے خراب ہوں گے سبھی نمازیں فضول ہوں گی

یہی تو ہے یوسفِ امامت دلوں کی دھرتی کا شاہزادہ
 مرا تحمل، مرا تحمل، مرا تدبیر، مرا ارادہ
 مرا تحیل، مرا تصور، مرا تقدس، مرا لبادہ
 خیالِ زرین، مزاجِ سادہ، نگاہِ گہری، جبینِ کشادہ

ادامیں شوقی، حیاتیں رخشندگی، نگاہوں میں تمکنت ہے
 سنو امامت کی سلطنت میں یہی ولی عہدِ سلطنت ہے

یہ امنِ عالم کا شاہزادہ، کرم میں سلاطینِ مزاج ہوگا
 ہوا حفاظت کرے گی اس کی یہ وہ منور سراج ہوگا
 مری ضرورت، ترا سہارا، ضمیر کی احتیاج ہوگا
 دلی عزیزاں تو خیر کیا ہے عدو پہ بھی اس کا راج ہوگا
 یہ خلقِ پیغمبری کا وارثِ قضا سے یوں انتقام لے گا
 کہ دشمنوں کے مقابلے میں قلم سے پرچم کا کام لے گا

یہ حاصلِ عزمِ انبیاء ہے، دلِ شرف کا صدف یہی ہے
 مری لغت میں شعور و وجدانِ آدمیت کی صف یہی ہے
 سمٹ کے اوچھل حدِ نظر سے بکھر کے ہر اک طرف یہی ہے
 علیٰ نجف کی زمیں کا سورج شعاعِ شمسِ نجف یہی ہے
 نجات کا گر جو سیکھنا ہے تو صرف یہ بات جان لینا
 خیالِ غلطِ بریں سے پہلے حسن کو سردار مان لینا

حجابِ خلق —۱

مرے قلم نے کہاں تراشا ہے آج تک مہ جبینِ ایسا
 یہ لوحِ محفوظ کے مطالب بھی جانتا ہے ذہنِ ایسا
 مرے تصور کی سلطنت میں کہاں ہے مہرِ مبینِ ایسا
 جہاں میں شاید نہ خلق ہو پھر جمیل ایسا حسین ایسا
 مری محبت کا گلستاں ہے مری رضا کا چین یہی ہے
 دل و نظر میں بسا لے اس کو علی کا بیٹا حسن یہی ہے

یہ ملکِ خلق و جہانِ اخلاق کا مقدس ترین والی
 حسین ایسا کہ حسنِ یوسف بھی اس کے دربار کا سوا لی
 کریم ایسا کہ اس کے درِ یوزہ گر کا کاسہ نہیں ہے خالی
 بیوہ ہے جس نے عرب کے وحشی دلوں میں بنیاد امن ڈالی
 یہ خلقِ پیغمبری کا وارثِ قضا سے یوں انتقام لے گا
 کہ دشمنوں کے مقابلے میں قلم سے پرچم کا کام لے گا

یہ خود بھی مجرماً ہے اس کی ادا میں عکس پیہری ہے
 اسی کے ہونٹوں کی نرم جنبش غرور ادبِ سخنوری ہے
 تری طبیعت کا مبر اس کی نظر کا اعجازِ سرسری ہے
 اسی کے رنگِ قبائے کشتِ خیالِ انساں ہری بھری ہے
 یہ وہ انامست ہے جو فائدہ کشی میں عظمت کا تاج لے گا
 یہ وہ جری ہے کہ دشمنوں سے بنامِ صلح خراج لے گا

بتول زادہ علی کا بیٹا نبی کا نورِ نظر بھی ہے
 ہر اک تمنا کا یابِ آخرِ ہر اک دعا کا اثر بھی ہے
 قرآنِ قلب ملائکہ ہے سکونِ روح بشر بھی ہے
 شعورِ وحدت کے بحرِ موانع کا حقیقی گہر بھی ہے

نجات کا گرجو یکھنا ہے تو صرف یہ بات جان لینا
 خیالِ غلد بریں سے پہلے حسن کو سردار مان لینا

حجابِ خلق — ۲

یہ ملکِ خلق و جہانِ اخلاق کا مقدس ترین والی
 حسین ایسا کہ حسنِ یوسف بھی اس کے دربار کا سوالی
 کریم ایسا کہ اس کے درِ یوزہ گر کا کاسر نہیں ہے خالی
 یہ وہ ہے جس نے عرب کے وحشی دلوں میں بنیاد امن ڈالی
 عرب کا بے مثل نوجواں ہے عجم کا کل باکمین بھی ہے
 قبیلہ ہاشمی کا دولہا علی کا بیٹا حسن بھی ہے

یہ خود بھی مہتر نما ہے اس کی ادا میں عکس پیہری ہے
 اسی کے ہونٹوں کی نرم جنبش غرور ادب سخوری ہے
 تری طبیعت کا صبر اس کی نظر کا اعجاز سرسری ہے
 اسی کے رنگ و قبا سے کشت خیال انسان ہری بھری ہے
 یہ وہ انا مست ہے جو فاقہ کشی میں عظمت کا تاج لے گا
 یہ وہ جری ہے کہ دشمنوں سے بنام صلح خراج لے گا

بتول زادہ علی کا بیٹا نبی کا نور نظر یہی ہے
 ہر اک تمنا کا باب آخر ہر اک دعا کا اثر یہی ہے
 قرار قلب ملائکہ ہے سکون روح بشر یہی ہے
 شعور وحدت کے بحر مواج کا حقیقی گہر یہی ہے

نجات کا گر جو یکھنا ہے تو صرف یہ بات جان لینا
 خیال غلد بریں سے پہلے حسن کو سردار مان لینا

حجابِ خلق — ۲

یہ ملکِ خلق و جہانِ اخلاق کا مقدس ترین والی
 حسین ایسا کہ حسن یوسف بھی اس کے دربار کا سوالی
 کریم ایسا کہ اس کے درپوزہ گر کا کاسہ نہیں ہے خالی
 یہ وہ ہے جس نے عرب کے وحشی دلوں میں بنیاد امن ڈالی
 عرب کا بے مثل نوجواں ہے عجم کا کل باگین یہی ہے
 قبیلہ ہاشمی کا دولہا علی کا بیٹا حسن یہی ہے

حجابِ شہادت

یہ کون مظلوم ہے کہ جس کی جبین لبو سے دھک رہی ہے
 بڑا اندھیرا ہے اس کے گھر میں ابس ایک شمع جھڑک رہی ہے
 یہ کس طرح کر رہا ہے سجدہ تری خدائی دھڑک رہی ہے
 یہ کون مستور ہے جو اس کی نماز حیرت سے تنک رہی ہے
 ادب سے سر کو جھکا لے آدمِ نبی کا وہ نورین ہوگا
 جو خاک پر کر رہا ہے سجدہ وہ کیسا گر حسین ہوگا

اگر نادِ علی

اگر نادِ علی پڑھنے کی رسم ایجاد ہو جائے
 تو ہر سینے میں اک تازہ نجف آباد ہو جائے
 لبِ حیدر کی جنبش پر کہا توحید نے اکثر
 ہمارے حق میں بھی خطبہ کوئی ارشاد ہو جائے
 نہ کعبے پر چڑھائی ہو نہ اجڑے باہری مسجد
 مسلمانوں کو ”دوس یا علی“ گر یاد ہو جائے
 اگر اہل وطن نام علی لے کر بڑھیں محسن
 میرا ایمان ہے کشمیر تک آزاد ہو جائے

ابوطالب

اسرارِ معارف کا گلستاں ابو طالب
ایمان کے ہر درد کا درماں ابو طالب
تختِ دلی ہستی کا سلیمان ابو طالب
ہر دور میں سرچشمہ ایمان ابو طالب
ہر غم سے جو اس کو ابو طالب نہ بچاتا
اسلام ترا ٹھوکریں کھاتا نظر آتا

شادابی گزار پیسیر ابو طالب
احسان و سخاوت کا سمندر ابو طالب
رہے میں ہے کبے کے برابر ابو طالب
تقدیس میں کبے سے بھی بڑھ کر ابو طالب
جھکتی ہے جبیں جس پہ ترے فکر و نظر کی
ہے جائے ولادت ابو طالب کے پر کی

حیراں ابو طالب کی انا پر ہیں ملک تک
عمران کے مدارج کی رسائی ہے ملک تک
ہے روشنی قلب و نظر اس کی جھلک تک
طوفانِ مصائب میں بھی جھکی نہ پلک تک
خوشبو ہے دواں جس کی ہر اک دل کی گلی میں
کھلا ہے وہی دین ابو طالب کی گلی میں

جو خوں ابو طالب کے عزائم کی عطا ہو
وہ خون بھلا کیسے رگ دیں سے جدا ہو
جس طور سے احسان ابو طالب نے کیا ہو
ممکن نہیں اسلام سے یہ قرض ادا ہو
اس پر بھی یہ فتویٰ کہ اسے دین سے کد ہے
یہ منکرِ عمران کا فقط بغض و حسد ہے

کر یاد وہ شعبہ ابی طالب کا زمانہ
جذہ کے شرابوں کو ہواؤں سے لڑانا
وہ عزم و جلال رخِ عمران کا فسانہ
ہر رات پیسیر کو مصائب سے بچانا
اس طور کا دنیا میں کوئی باپ دکھا دے
جو موت کے بستر پہ بھی بیٹوں کو سلا دے

تم لوگ مسلمان جو ہوئے کچھ نہیں کہتے
 تم داعی ایمان جو ہوئے کچھ نہیں کہتے
 تقدیر کے سامان جو ہوئے کچھ نہیں کہتے
 ہاں دشمنِ عمرائے جو ہوئے کچھ نہیں کہتے
 چاہو تو دلیروں کو بھی حجرے میں بٹھا دو
 بزدل کو مگر فاتحِ کونین بنا دو

اللہ کے گھر کا جو نگہاں ہو وہ کافر؟
 جو حق کے لیے اتنا پریشان ہو وہ کافر؟
 جو عرشِ معلیٰ کا مسلمان ہو وہ کافر؟
 ایمان نہیں جو عسکری ایمان ہو وہ کافر؟
 اس بات پہ کیوں کوئی پریشان نہیں ہوتا
 ایمان کا پدِ منکر ایمان نہیں ہوتا

جب فہم نے بدلا کبھی تکلیک کا قالب
 جب لفظ سے چھینی گئی جاگیرِ مطالب
 جب فکر کی دنیا پہ جہالت ہوئی غالب
 اسلام پکارا ابو طالب ابو طالب
 خود حق کے لیے حق ہی پریشان نظر آیا
 باطل کے مقابل میں بھی عمرائے نظر آیا

قتیل چراغِ ربیع احمد ابو طالب
 ایمان سے ایمان کی ابجد ابو طالب
 باطل کے لیے ضربتِ ایزد ابو طالب
 ہر مملکت دیں کی ہے سرحد ابو طالب
 دستِ پیبر کو جو عمرائے نہ پہچاتا
 ہر ست سقیفہ ہی سقیفہ نظر آتا

۱۳ رجب

ہر سو دہاں ہوائے قمار طرب ہے آج
 باپ قبول وا ہے مرادوں کی شب ہے آج
 دل میں خوشی سرور نظر میں عجب ہے آج
 ساقی مجھے نہ چھیڑ کہ تیرہ رجب ہے آج
 رخ سے خطاب اٹھا کے نوید ظہور دے
 حاضر ہے دل کا جام شراب ظہور دے

وہ مے پلا کہ جس سے طبیعت ہری رہے
 نس نس میں انما کی صہوی بھری رہے
 قائم سدا جہاں میں تری دلبری رہے
 آنکھوں کے سامنے یہ صراحی دھری رہے
 جو بادہ کش ولا کا نشہ کل پہ ٹال دے
 لہ اپنی بزم سے اس کو نکال دے

وہ مے پلا کہ جس میں نبوت کی بو ملے
 جس کے نشے میں حسن امامت کی خوشی ملے
 آدم کو جس سے کھوئی ہوئی آہو ملے
 میں بھی پیوں تو مجھ کو خدا روہرو ملے
 وہ مے کہ جس میں صبح ازل کا سرور ہو
 وہ مے کہ جس میں آل محمد کا نور ہو

وہ مے جو مصطفیٰ نے کساء میں چھپا کے پی
 اور فاطمہؑ نے اپنی حیا میں ملا کے پی
 حسین و مرتضیٰ نے جو محفل سجا کے پی
 جبریل نے فلک سے زمیں پر جو آ کے پی
 جس کا نشہ نجات کا سامان ہو گیا
 سلمان پی کے فخر سلیمان ہو گیا

عیسیٰ نے پی تو اس کو مسیحا کی مل گئی
 موسیٰ کو اپنے رب کی شناسائی مل گئی
 داؤد کو بھی طاقت گویائی مل گئی
 یعقوبؑ نے جو پی اسے بیٹائی مل گئی
 وہ مے کہ جس کا کیف دلوں میں اتر گیا
 یوسف نے پی تو چاند سا کھڑا نکھر گیا

جس کا سرور ضامن جنت ہے وہ شراب
جو واقف مزاج شریعت ہے وہ شراب
جو رمز "کل کفا" کی حقیقت ہے وہ شراب
جس کا شمار اجر رسالت ہے وہ شراب
ایسی پلا کہ سارا جہاں ڈولنے لگے
لوگ سناں پہ جس کا نشہ بولنے لگے

جس کی نظیر مل نہ سکے شش جہات میں
تیرے سوا کہیں نہ ملے کائنات میں
بھر دے ابد کا رنگ بشر کی حیات میں
وہ ہے جو آفتاب اگلی ہے رات میں
وہ ہے جو ہے خلاف حرم میں چھنی ہوئی
جو عرش پر ہے دست خدا سے بنی ہوئی

رندوں کو آج ضد ہے تری دلیری کھلے
راؤ جنوں و عایت شعلہ سری کھلے
یہ کیا کہ مے کدے کا فسوں سرسری کھلے
اک در نہ کھول آج تو بارہ دردی کھلے
تجھٹ نہ دے کہ رند یہ غلو و عدل کے ہیں
ادنیٰ سے ہیں غلام مگر پنجتن کے ہیں

قیمت میں غلو سے بھی جو برتر ہے وہ شراب
جس کا نشہ نماز سے بہتر ہے وہ شراب
جو حسن خدو خال پیہر ہے وہ شراب
جو معائے قہر و بوذر ہے وہ شراب
جس کا سرور فکر بشر کا غرور ہے
جس کے نشے کی موج سر کو طور ہے

وہ ہے کہ جس سے دل کو شعور بشر ملے
جس کے بس ایک گھونٹ سے جنت میں گھر ملے
جس کے نشے میں شہر نبوت کا در ملے
جس کے سبب دلوں کا دُعا کو اثر ملے
اک رند کائنات میں پیہاک ہو گیا
بہلول پی کے صاحب ادراک ہو گیا

وہ ہے پلا کہ ٹوٹ کے جس پر ملک پڑیں
جس کے نشے کے رنگ اڑیں عرش تک پڑیں
رندوں پہ اولیاء کے زمانے کو شک پڑیں
آئے منافقوں میں تو ساغر چمک پڑیں
کنکر پہ جس کی چھینٹ بھی پڑ جائے ڈر کرے
وہ ہے جو عاصیوں کو بھی اک پل میں حر کرے

کھول ایسا سے کہہ جو حرم سے بھی کم نہ ہو
جس کی حدوں پہ بندش لوح و قلم نہ ہو
جس میں منافقت کا فسوں محترم نہ ہو
ساغر تراب کا ہو کوئی جامِ جم نہ ہو
ہمراہ تو رہے تو کوئی رنج و غم نہیں
ورنہ ترے فقیر سکندر سے کم نہیں

ساقی تو مل گیا تو غم جاں کی رت ملی
غنیے نکھر گئے ہیں کھلی ہے کلی کلی
مہکی ہوئی ہے شہرِ قصور کی ہر کلی
وہ دیکھ ج رہا ہے رچہ خانہ علی
معروفِ اہتمامِ ذبح و ظلیل ہیں
چاروب کش کے روپ میں وہ جبریل ہیں

حوروں کے گیسوؤں سے مصلے بنے ہوئے
پھر ان پہ کبکشاں کے ستارے چنے ہوئے
موجِ درود میں وہ ملکِ سرحد بنے ہوئے
پہلے نہیں یہ گیت کسی کے سنے ہوئے
رتبہ ملا وہ تھکلی سدا جبین کو
جھک جھک کے آسمان نے دیکھا زمین کو

میں چاہتا ہوں آج نیا اہتمام ہو
لیہن کی شراب ہو طے کا جام ہو
پھوٹے سحر دلوں میں تو آنکھوں میں شام ہو
ہر رند کے لبوں پہ خدا کا کلام ہو
ہر دل سے آج بغض کا کانٹا نکال دے
نخِ کمرے کوئی تو جہنم میں ڈال دے

ساغر میں ملی اتنی کی کرن گھول کر پلا
سر پر لوائے خمر خدا کھول کر پلا
چپ چاپ سا کیوں ہے آج تو ہنس بول کر پلا
رندوں کا ظرف پوری طرح تول کر پلا
ساغر میں آج اتنی مقدس شراب ہو
پی لیں گناہگار تو جج کا ثواب ہو

ساغر اٹھا کہ چھائی گھٹا جھوم جھوم کر
آئی ہوا نجف کے دریچوں کو چوم کر
ساقی حرمِ دل میں منورِ نجوم کر
رندوں کو واقفِ در بابِ علوم کر
ہم کو پلا وہی جو دلا کی شراب ہو
کم ظرفِ بادہ خوار کا خانہ خراب ہو

وہ انبیاء کا قافلہ اک دم ٹھہر گیا
ہر سو ہے شور سلہا درو مرجا
سب سے الگ کھڑے ہیں وہ مردار انبیاء
ہنتو اسد چلی ہے سوئے خانہ خدا

ساعت بھی ہے شاہد حق کے شہود کی
ذروں سے آ رہی ہے صدائیں درود کی

ہنتو اسد چلی یہ صدائیں لیے ہوئے
ہونٹوں پہ بادقار دعائیں لیے ہوئے
آنکھوں میں اوج حق کی رضاں لیے ہوئے
قدموں میں انبیاء کی ادائیں لیے ہوئے

چہرے پہ عکس موج ادب کا سرور ہے
پہلو میں ان کی پہلی امامت کا نور ہے

لیکن درحرم تو مقتل ہے اس گھڑی
ہنتو اسد یہ دیکھ کے واپس پلٹ پڑی
نازل ہوئی فلک سے وہ الہام کی لڑی
آئی صدا ”نہ جا گل عصمت کی پگھڑی“

دیوار درجنے کہ زمانے میں دھوم ہو
ظاہر کمالی مادر باب علوم ہو

آدم بچھا رہا ہے دعاؤں کی چاندنی
ایوب اپنے صبر سے کتنا ہے روشنی
ہے آبدار نوح سا انسان کا نجی
آیا ہے خضر ساتھ لیے شمس زندگی

یعقوب بھی ہے آنکھ کی مستی لیے ہوئے
یوسف ہے ساتھ مشعل ہستی لیے ہوئے

ہر سو ردائے ابر کرم ہے تنی ہوئی
ذروں کی آفتاب فلک سے ٹھنی ہوئی
شبیم برس رہی ہے شفق میں چھنی ہوئی
نکہ کی سر دہیں ہے معلیٰ بنی ہوئی

آئی ہے کون دیکھنے اس اہتمام کو
بھٹکتے لگی ہیں مریم و حوا سلام کو

آئے ہیں بہر دید سوا لاکھ انبیاء
اول ابو البشر ہیں تو آخر ہیں مصطفیٰ
اک سمت انبیاء ہیں تو اک سمت اولیاء
دونوں کے درمیان ہے عروں کا قافلہ

ہنتو اسد چلی ہے ردا کو سنبھال کر
ہنتو اسد چلی ہے ردا کو سنبھال کر

ساقی نہ چھیڑے یہی آغازِ احساں
 دھڑکنِ زمیں کی چپ ہے تو ساکت ہے آسماں
 خاموش اے قیامت ہنگامہ جہاں
 کعبے میں جارہی ہے وہ اک بت شکن کی ماں
 قرآنِ ہندگی کی تلاوت کا وقت ہے
 جاگو طلوعِ شمسِ امامت کا وقت ہے

جاگ اے ضمیر جاگ کہ جاگے ہیں تیرے بھاگ
 تارِ نفس کو چھیڑ کے چھیڑا ہوا نے راگ
 خوش ہو گئی زمیں کہ اسے مل گیا سہاگ
 ساقی شرابِ لا کہ بجھے لفظی کی آگ
 ظلماتِ دو جہاں کی روا چاک ہو گئی
 نازل ہوئے علی تو فضا پاک ہو گئی

بشتِ اسد کی گود سے ابھرا اک آفتاب
 ہاں اے ترابِ تجھ کو مبارک ہو بوتراب
 کوڑھ چھلک ڈرا ترا ساقی ہے لا جواب
 بطن کی سرزمینِ سلامت یہ انقلاب
 عمران جھومتے ہیں کہ زہرہ جبین تو ہے
 اب خوش ہیں مصطفیٰ کہ کوئی جانشین تو ہے

آدم ہے خوش کہ اس کی دعا کو اثر ملا
 عیسیٰ ہے رقص میں کہ کوئی چارہ گر ملا
 ایوب کو بھی قبر کا شیریں ثمر ملا
 یوسف کو اپنے حسن کا پیغام بر ملا
 مسرور ہے فضا کوئی عشرِ پیا نہ ہو
 سبے ہوئے ہیں بت کہ حقیقی خدا نہ ہو

ترتیبِ خال و خد سے نمایاں ہے برتری
 پیکر کے پانچین پہ نچھاور دلاوری
 چہرے پہ وہ سکون کہ نازاں عیسیری
 آنکھوں میں وہ غرور کہ حیراں ہے داوری
 آئی ہے ایک بات ہی اب تک قیاس میں
 خوشبو ہے داوری کی بشر کے لباس میں

ساقی شرابِ لا کہ طبعیت چل گئی
 لغزش مرے شعور کی مستی میں دھل گئی
 نبضِ قلم بیکنے لگی تھی سنبھل گئی
 رنگینوں کو دیکھ کے نیت بدل گئی
 تجھ پر رموزِ رونق ہستی عیاں کروں
 کچھ پی کے بدستِ شہِ دوراں بیاں کروں

مولا علیؑ " شعور بشر" فکر ارجمند
ذالی ہے جس کی سوچ نے افلاک پر کند
وہ جس کا مرتبہ نبی آدم سے ہے بلند
چھڑکا ہے جس نے موت کے چرے پہ زہر خند

جو نقطہ عروج فروغ و اصول تھا
بستر پہ سو گیا تو مکمل رسول تھا

ایسا کریم جس کے کرم کی نہ حد ملے
ایسا عظیم علم کو جس سے مد ملے
ایسا عظیم جس کی ادا میں احد ملے
ایسا سلیم جس میں شعور صد ملے

دنیا و دیں میں جس کو وہ نام و نسب ملا
خالق کی بارگاہ سے حیدر لقب ملا

کشور کشائے فکر شجاعت کا باکین
صائے خنی کریم رضا جو وہ بت شکن
نانہ جویں کا ناز قناعت کی انجمن
دل کا سروں جرات و احساس کی بھین

جس کا وجود قدرت حق کی دلیل تھا
جس کا شعور بوسہ مگر جبرئیل تھا

خیر کشا یقین کا پیکر وہ بو تراب
تاریخ کی جبین وہ فتح میں کا باب
سرچشمہ نجات بشر جس کا اضطراب
جس کے وجود سے ہے ریح دیں کی آب و تاب

جس کا کرم جہاں کے لیے عام ہو گیا
خطروں کو اوڑھ کر جو سر شام سو گیا

وہ جس کے فرقہ ناز پہ کج تھا بھا کا تاج
وہ بو تراب شمس و قمر سے جو لے خراج
وہ خلق اقدار و سخاوت کا استخراج
جس نے زمیں پہ رہ کے فلک پر کیا تھاراج

سلطانی بہشت بریں کی نوید لی
اک ضرب سے جہاں کی عبادت خرید لی

وہ دیں کی سلطنت میں شرافت کا تاجدار
وہ منظر جلال خداوندی روزگار
وہ یوریا نشیں وہ شہر کہکشاں سوار
وہ بندہ خدا وہ خدائی کا افتخار

جس کے قلم کی نوک بلاغت کی راہ تھی
جس کے علم کی چھاؤں رسالت پناہ تھی

جس نے ہوا کی زد پہ منور کیے چراغ
جس کے یقیں نے توڑ دیئے جہل کے لیاغ
جس نے بہم کیے تھے رموزِ دل و دماغ
وہ پھول جس سے طبع رسالت تھی باغ
جس کے لبو سے چہرہ ہستی نکھر گیا
وہ نقش جو دلوں کی تہوں میں اتر گیا

علی کی شادی

فضا معطرِ خلا منورِ سہا ہے معروف کجکوائی
زمین کے آئین کی ہر شکن میں سمٹ رہی ہے جہاں پناہی
حجرِ شجر مست و محو نغمہ بشر بشر وقفہ خوش نگاہی
گھٹا ہے مشغولِ فکر بند کی کہ قفس کرتے ہیں مرغ و ماہی
مزاج گلابِ عسل چو کئے درود کی جلتی رنگ جاگے
ہوا رنگ جاں کو چھیڑتی ہے علی دلی کا ملک جاگے
وہ پھول مہکے وہ رنگ دہکے دیور چپکے تو مست مہکے
کلی جو چمکی ہوا کو کھنکی چمن سے انگی کہ شاخ مہکے
حیات لگی پلک نہ جھپکی ہزار جلوں کے پاس رہ کے
گھٹا سے چمن کر فضا میں تن کر وہ چاند لکھایہ بات کہہ کے
مجھے نہ روکو کہ بن ستور کر ہزار محشر چکا رہا ہوں
ہے جس کی الفت کا داغ دل میں اسی کی شادی میں جا رہا ہوں

وجود ان کا مرا تعارف یہ میری پہچان ہیں جہاں میں
 انہی کے دم سے یہ روشنی ہے یہ صورت جان ہیں جہاں میں
 انہیں بنا کے میں سرخرو ہوں یہ میرا عرفان ہیں جہاں میں
 دلیل ایمان پوچھتے ہو یہی تو ایمان ہیں جہاں میں
 انہی کی خلقت سے ہے یہ خلقت نہ جاتے یہ جہاں سوتا
 انہی کی خاطر بنائی دنیا جو یہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا
 انہی کی چشم کرم سے بگڑے ہوئے مقدر سنبھل گئے ہیں
 کبھی میں ان سے بھل گیا ہوں کبھی یہ مجھ سے بھل گئے ہیں
 مری رضا کے عظیم تاجر مرے ارادے بدل گئے ہیں
 فلک پاک تھے میں پتا کر یہ پانچ بحروں میں داخل گئے ہیں
 انہی میں دو بحر مل رہے ہیں تمام عالم ہے شاد میرا
 کہ ان میں اک لخت مصطفیٰ ہے تو دوسرا خانہ زاد میرا
 زمین بظہا مثالی جنت عروہ عالم بنی ہوئی ہے
 اصول دیں کے ستوں ہیں حکم حیا کی چادر تھی ہوئی ہے
 ہر ایک ڈرتے کی آسمانوں سے آج کی شب تھی ہوئی ہے
 کرن کرن اک حریر عصمت کے آنچلوں میں چھنی ہوئی ہے
 لدی ہوئی ہے حنا کی کلیوں سے آج طوبی کی ڈالی ڈالی
 علیؑ کی خاطر نبیؐ کے در پر ہے آج توحید خود سوالی

ادھر فلک پر حرم وحدت میں نور کا سائباں سجا ہے
 کبھی فرشتے طلب ہوئے ہیں ہر ایک نوری جھکا کھڑا ہے
 ادھر سے شمس و نجوم و سیارگاں کا بھی قافلہ چلا ہے
 سنو سنو کون نوریوں کو خدا کا پیغام دے رہا ہے
 وہ کون خوش بخت ہے کہ اس دم ہماری رحمت کو آزمائے
 علیؑ کی شادی کا نامہ بر بن کے جو در مصطفیٰ پہ جائے
 یہ حکم سن کر بڑے فرشتے کہ اپنی قسمت کو آزمائیں
 سروں پہ دستار زہد رکھی درست ہونے لگیں قیامیں
 حضور وحدت تھرک رہی ہیں گلے میں کبھی ہوئی صدائیں
 ادھر سے جبریلؑ اس طرف شمس لے کے آئے کئی دعائیں
 تو کون جبریلؑ اک طرف ہوئے پیامی کو بھیجتا ہے
 جناب سورج ہوں اک طرف ہو تجھے سلامی کو بھیجتا ہے
 صدایہ آئی کہاں ہے زہرہ کہ آج زہرا کے در پہ جائے
 ہمارا پیغام انتہائی ادب سے جا کے انہیں سنائے
 نہ دنگیں دے نہ آئیں ہوں نہ بے ادب ہو نہ مسکرائے
 بس اس طرح جائے جیسے مومن خود اپنے خالق کے در پہ آئے
 نبیؐ کی چوکھٹ پہ بوسہ دے کر کہے کہ اب یہ اصول ہوگا
 جو سر سے پاؤں تک خدا جیسا ہو وہ درود چوں تول ہوگا

فلک سے زہرہ اتر رہا ہے کہ جیسے الہام دل میں آئے
 کہ جیسے اک بے ریا نمازی بڑی عقیدت سے حج کو جائے
 بدن پہ اوڑھے قبائے عصمت لیوں پہ صل علی سجائے
 وہ جا رہا ہے کہ جیسے قاری غلاف قرآن پہ سر جھکائے
 نشہ مودت کی مے کا زہرہ کے دل میں شاید سا گیا ہے
 وہ جا رہا ہے وہ آ رہا ہے درود پڑھ لؤ وہ آ گیا ہے

یہ انبیاء ہیں یہ اولیاء ہیں علیؑ ولی کی برکت دیکھو
 خضر چمکتا ہے ہر برائی کے رخ پہ آپ حیات دیکھو
 نشے کے عالم میں جھومتی ہے شعور کی کائنات دیکھو
 یہ بزم دیکھو یہ لوگ دیکھو یہ رنگ دیکھو یہ رات دیکھو
 کئی بہاریں گزر گئی ہیں کھلا نہ ایسا چمن جہاں میں
 کہاں خدائی میں ایسا نوشہ کہاں ہے ایسی دہن جہاں میں
 لو ہو چکا عقد مرتضیٰ کا کہو کہ صلے علی مبارک
 علیؑ ولی کو نئی کے گھر میں ملا ہے جو مرجہ مبارک
 تمام نبیوں کو آج کی شب ملا ہے مشکل کشا مبارک
 امام اپنا ہمیں سلامت نصیریوں کو خدا مبارک
 خدا کا دیں بارود ہوا ہے چمن امامت کا کھل اٹھا ہے
 جناب عمران کو نبوت کی پرورش کا صلہ ملا ہے

سہرا

یہ اولیاء کا غرور سہرا یہ انبیاء کا وقار سہرا
 تمام قرآن کی روح سہرا تمام دیں کا نکھار سہرا
 تمام پھولوں تمام کلیوں کی بزم کا انخار سہرا
 حراج آدم کی وادیوں میں خلوص کی آبشار سہرا
 تمام سہروں کی انجمن میں ہے اس لیے تاجدار سہرا
 یقین ہے حوروں نے خود پرویا ہے غلہ میں بار بار سہرا
 جو خوش ہوئے ہیں کلی کلی ان کو دے رہی ہے دعائیں اب تک
 کہ اس کے تاروں سے پھوٹی ہیں علیؑ ولی کی ادائیں اب تک

علی

آباد و مادم آدم کی شہ رگ میں علی تن تن میں علی
 لفظوں میں علی بنصوں میں علی سانسوں میں علی دھڑکن میں علی
 انکوں میں علی آہوں میں علی پلکوں میں علی اکھبین میں علی
 دریا میں علی موجوں میں علی بادل میں علی سادوں میں علی
 سرمست پون رم جہم میں علی بجلی میں علی خرم میں علی
 جہروں کی چمکتی آنکھوں میں تاروں سے بھرے نگین میں علی
 شہروں کی چمکتی شورش میں چپ چاپ دھڑکتے بن میں علی
 احساس کی ہریالی میں علی ایمان کے ہرے گلشن میں علی
 پاتال کی تہہ میں تخت نشین افلاک بکف بھگون میں علی
 یسین کی تون گواہی دے طے کے سبل ورن میں علی
 ولیل کی قدر کا صدر سمجھ و احصر کے کل کندہ میں علی
 کوثر کے حسن کا سرچشمہ طوبی کے جل جوین میں علی

قرطاس و قلم کا رکھوالا تقدیر کے ہر بندھن میں علی
 لوح محفوظ میں وجہ اللہ توحید نما درپن میں علی
 افلاک تلک مسد آرزو بے مسکن کے مسکن میں علی
 کعبے میں علی قبلے میں علی مولد میں علی دفن میں علی
 مصوم گواہی عیسیٰ کی موسیٰ کے سخنور فن میں علی
 یوسف یحیٰی کا درمگر ایوب کے شہ شیبون میں علی
 اسرار شب اسریٰ کی قسم آیات کے اچھے پن میں علی
 نوروز کی ضو میں جلوہ نما اور چودھویں رات کے جن میں علی
 فولاد صفت کا آیا ہے اسلام کی ہر الجھن میں علی
 خیر میں علی خندق میں علی اور بدر واحد کے رن میں علی
 معراج کی رات کی بات کرو ہر بات کی ہر الجھن میں علی
 قاب قوسین کے نرم حسین ریشم سے بنی چلمن میں علی
 ہر مولائی کا ان داتا ہر خاک نشین کے من میں علی
 پورب میں علی پیچتم میں علی اتر میں علی دکن میں علی
 قرآن اٹھا کر کہتا ہوں بسم اللہ کے دامن میں علی
 حیدر سے عداوت مت رکھنا ہر گام پہ ٹھوکر کھاؤ گے
 پچھتاؤ گے گھبراؤ گے بردوش ہوا جل جاؤ گے

علی علی کیا کرو

نظر بھی مست مست ہے فضا بھی رنگ رنگ ہے
 دھلے دھلے ہیں دلوں نے نئی نئی رنگ ہے
 ہوا کی موج موج میں درود کی ترنگ ہے
 جنوں کی ریت کی راگنی سر رہا پ و چنگ ہے
 مئے ولا کی چھاپ سے نشے میں آنگ آنگ ہے
 ہر ایک بادہ خوار کا لباس شوخ و شنگ ہے
 نہ خواہش نمود ہے نہ فکر نام و ننگ ہے
 ادھر جناب شیخ کی نظر ذرا سی تنگ ہے
 ادھر غرور فقر میں گن کوئی ملنگ ہے
 جو کہہ رہا ہے دوستو سدا گن رہا کرو
 میں بے نیاز دہر ہوں مری طرح جیا کرو
 جو دل کہے کیا کرو کسی کی مت سنا کرو
 علی علی کیا کرو علی علی کیا کرو

پلا پلا مئے ولا کہ ہم بھی میکسار ہیں
 تری قسم ہے ساقیا ازل سے بے قرار ہیں
 نہ پوچھ کب سے تشنہ لب ہیں محو انتظار ہیں
 یہ بیاس تجھ پہ قرض ہے یہ حوصلے ادھار ہیں
 بہت غرور بھی نہ کر کہ میکسار ہزار ہیں
 مگر جو باپ علم ہے ہم اس کے بادہ خوار ہیں
 وہ میکسار عجیب ہے عجیب برگ و بار ہیں
 وہیں تمام انبیا قطار در قطار ہیں
 ہیں اس کے در چہارہ مگر اصول چار ہیں
 بیو تو پانچ وقت بارہ جام ہی بیا کرو
 یہاں سے مئے بیو تو اس کا اجر بھی دیا کرو
 ولا کی مئے تو فرض ہے یہ فرض یوں ادا کرو
 علی علی کیا کرو علی علی کیا کرو

وہ دیکھ مجھوتی گھٹا کو چوتی جوانیاں
 فضا میں سات رنگ کی وہ ٹوٹی کمانیاں
 ابھر رہی ہیں دھلے و فرات کی کہانیاں
 طبیعتوں میں آگئی ہیں کوثری روانیاں
 کہاں یہ وقت ہے سہوں کسی کی حکمرانیاں

پلا پلا کہ میں کروں تری قصیدہ خوانیاں
تمام کائنات پر ہیں تیری مہربانیاں
فضا گھٹا ہوا نشہ سبھی تری نشانیاں
نقاب رخ اٹھا ذرا ”وے مہربان جانیاں“
نقاب رخ سرک چلا ہے سے کٹو دعا کرو
گل مراد کھل رہا ہے نہیں ادا کرو
وہ میکڈے کا در کھلا ہے اب بھی صدا کرو
علی علی کیا کرو علی علی کیا کرو

بیو کہ سے کٹو بھی ولایتی شراب ہے
شراب کیا ہے انبیاء کی آبرو کا خواب ہے
یہ میکڈے کا نور ہے یہ طور کا شباب ہے
اسی کا کیف دوستو خلاصہ کتاب ہے
یہ داس ہو تو پھر رضائے حق بھی ہمرکاب ہے
نہ داس ہو تو زندگی عذاب ہی عذاب ہے
یہ فرش پر بنی ہوئی بست بو تراب ہے
مگر فراز عرش پر خدا کا انتخاب ہے
اسی کے فیض سے ہر ایک دوست کامیاب ہے
مگر اسی کے غیض سے عدو کا دل کہاب ہے

اسی شراب سے تو دل کو تازگی عطا کرو
یہی شراب پی کے روح کو جلا دیا کرو
بقدر ظرف دوستو یہ مے بھی پی لیا کرو
علی علی کیا کرو علی علی کیا کرو

بیو غدیر خم کی سمت لے چلیں تمہیں ذرا
وہ آ رہا ہے پھر پلٹ کے حاجیوں کا قافلہ
وہ قافلہ کہ جس کے رہنما ہیں ختم انبیاء
یہ دو پہر کی دھوپ یہ اجاز دشت کی فضا
یہ آسمان زمیں کی سمت آگ پھینکتا ہوا
وہ پیاس ہے کہ حلق میں انگ رہی ہے ہر صدا
یہ کیوں ہوا کس تھم گئی ہیں دفعۃً یہ کیا ہوا
فضا خموش ہو گئی کہ دشت بولے لگا
یہ کون سامنے ہوا ٹھہر گئے ہیں مصطفیٰ
سنو اداس سے کٹو ذرا تو حوصلہ کرو
نہ اس قدر خموشیوں میں بولتے رہا کرو
کسی کی بات بھی کبھی کبھی تو سن لیا کرو
علی علی کیا کرو علی علی کیا کرو

ارے یہ جبریل ہے مگر یہ کیوں بدل گیا؟
 نہ اب وہ احرام ہے نہ ہے ادب کا سلسلہ
 نہ اب خطاب ایسا المزمّل نہ انما
 نظر میں اک جلال ہے جیسے پہل پڑا ہوا
 نبی کو کر رہا ہے آزمائشوں میں جلا
 وہ کہہ رہا ہے اے رسول سن پیامِ کبریا
 یہ حاجیوں کا قافلہ نہیں کہیں بٹھا ذرا
 سنا تھا عرش پر جو ہم سے آج وہ انہیں سنا
 ہمارے حرفِ حرف کو عمل کا آئینہ دکھا
 اگر یہ کام رہ گیا نہ تو نبی نہ میں خدا
 سنا ہے تم نے سے کشتہ بہت نہ غل پکا کرد
 ذرا نشے کے رنگ کو مزاج سے جدا کرو
 دل و دماغ و ذہن کے تمام در بھی دا کرو
 علی علی کیا کرو علی علی کیا کرو

نضا پہ اک سکوت ہے نظرِ نظرِ خوش ہے
 ہوا پہ مہر لگ گئی شجرِ شجرِ خوش ہے
 ادھر فلک بھی رک گئے زمین ادھر خوش ہے
 وہ نبضِ شام تھم گئی لبِ سحرِ خوش ہے

بچے ہوئے ہیں بحر و بر کہ خشک و تر خوش ہے
 دمک رہی تھی جو ابھی وہ رہگذرِ خوش ہے
 پیہری ہے دم بخود کہ نامہ بر خوش ہے
 فلک تو خیر اک طرف بشرِ بشرِ خوش ہے
 نبی کا دل دھڑک اٹھا خدا کا گھر خوش ہے
 وہ لب کشا ہوئے نبی کہ دوستو دعا کرو
 جو وہ کہے وہ میں کہوں گا اور تم سنا کرو
 خدا کا حکم ہے مجھے کہ تم ہی ابتدا کرو
 علی علی کیا کرو علی علی کیا کرو

یہی علی جو دلبری کے شہر کا مکین ہے
 یہ ہے فلک کا سر پرست والدِ زمین ہے
 رموزِ کن کی سب امانتوں کا اک امین ہے
 یہ مہر و ماہتاب کے نگر کا مہ جبین ہے
 یہ راز دار و آشنائے رموزِ مآطین ہے
 خدا کا نور جس کا حسن ہے یہ وہ حسین ہے
 یہ میرا ہم نفس بھی ہے یہ میرا ہم نشین ہے
 زمین و آسمان کی خلق میں یہ بہترین ہے
 سنو سنو کہ آج سے یہ میرا جانشین ہے

یہ حکم ہے کہ آج سے اسی کی اقتدا کرو
جو مشکلیں پڑیں تو اس کے در سے التجا کرو
سنو سنو کہ ہر جگہ یہی سبق دیا کرو
علی علی کیا کرو علی علی کیا کرو

فلک سنیں ملک سنیں زمیں کا ہر بشر نے
فضائے خشک و تر سنے ہوئے بحر و بر نے
ہر ایک قصرِ جھونپڑی ہر ایک بام و در نے
چرند بھی پرند بھی حجر سے شجر نے
اجاڑ جنگلوں میں ہر طرح کا جانور نے
سمندروں کی تہ میں سپیاں سنیں گہر نے
تمام انبیاء ولی و صیٰ قطبِ نظر نے
ہر ایک ماں سنے اسے پدر نے پسر نے
نبی کے ہاتھ میں علی کا ہاتھ دیکھ کر نے
اسی علی کو آج سے مرا دہی کہا کرو
یہ ہے وسیلہ خدا اگر خدا خدا کرو
مری بجائے اس سے عمر بھر مدد لیا کرو
علی علی کیا کرو علی علی کیا کرو

علی وقار انبیاء علی دلی پیہری
علی پہ آ کے ختم ہے یہ جلوہ سنخوری
علی دلی نہیں فقط کرے ہے اولیا گری
علی کے دم سے سرخرو ہے قمری کہ بوذری
علی نے کم سنی میں بھی دکھائی ہے وہ صفوری
کہ ختم ہو کے رہ گئی جہاں میں رسم اژدہری
علی کے آگے پیچ ہیں نبی کے اور لشکری
کہاں احد سے بھاگنا کہاں جلال حیدری
جناب شیخ آپ نے بھی مصطفیٰ عجب کری
علی کے دشمنوں کا زور دیکھ تو لیا کرو
کبھی کبھی تو عدل پر بھی فیصلہ دیا کرو
جناب شیخ بغض مرتضیٰ میں مت جیا کرو
علی علی کیا کرو علی علی کیا کرو

علی ہے کون تم غدیر خم پہ آ کے دیکھ لو
علی کو مشکلوں کے وقت آزما کے دیکھ لو
اسی میں رنگ ڈھنگ ہیں کل انبیاء کے دیکھ لو
یہ کون در گرا رہا ہے مسکرا کے دیکھ لو
کہاں پہ ختم سلسلے ہیں صوفیا کے دیکھ لو

ہیں کون ماڑیاں جہاں میں کبریا کے دیکھ لو
 علی کو تم مقام حق ہے بھی گرا کے دیکھ لو
 اسی میں ہی ملیں گے حوصلے خدا کے دیکھ لو
 بروہ حشر خم جبین مرتضیٰ کے دیکھ لو
 علی کے دشمنو حسد کی آگ میں جلا کرو
 سنے گا کون حشر میں ہزار اتجا کرو
 کہا نہ تھا یہ ہم نے اس مرض کی کچھ دوا کرو
 علی علی کیا کرو علی علی کیا کرو

سودا

اس نے کہا کہ مجھ کو یہ "سوتا" پسند ہے
 اس نے کہا یہ جنس ہی اتنی بلند ہے!
 اس نے کہا کہ منصب بازار کون ہے؟
 اس نے کہا کہ آج خریدار کون ہے؟
 اس نے کہا کہ نام بتانا ضرور ہے؟
 اس نے کہا کہ جنس پہ مجھ کو غرور ہے؟
 اس نے کہا کہ چھوڑ بھی اب جانتا تو ہے
 اس نے کہا کہ تو مجھے پہچانتا تو ہے
 اس نے کہا کہ نام کی اب ضد نہ کیجیے
 اس نے کہا کہ اور دکان دیکھ لیجیے
 اس نے کہا کہ دیکھ فضا کتنی نیک ہے
 اس نے کہا یہ جنس کروڑوں میں ایک ہے

اس نے کہا کہ نام پہ اڑنے سے فائدہ
 اس نے کہا کہ مفت بگڑنے سے فائدہ
 اس نے کہا کہ کیسے تیرے دل میں گھر کریں
 اس نے کہا کہ بات ذرا مختصر کریں
 اس نے کہا کہ سن وہ احد ہے عدد نہیں
 اس نے کہا کہ جنس کے بھی خال و خد نہیں
 خوش ہو کہ ذات ہے حق بنی مشتری تری
 پہلے بھی اس پہ قرض ہے انگشتی مری
 اس نے کہا کہ وہ تو سخاوت کی بات تھی
 اس نے کہا حضور مروت کی بات تھی
 اس نے کہا کہ وہ تھا اولی الامر کا مقام
 اس نے کہا کہ ہم نے بڑھایا تھا تیرا نام
 اس نے کہا کہ آج یہ سونا ہے کس طرح
 اس نے کہا کہ دیکھ مناسب ہو جس طرح
 اس نے کہا کہ جنس کی قیمت سنا مجھے
 اس نے کہا کہ اپنا ارادہ بتا مجھے
 اس نے کہا میں بھاد چکا تا نہیں کبھی

اس نے کہا میں نرغ بتاتا نہیں کبھی
 اس نے کہا کہ صاحب معیار بن کے آ
 اس نے کہا کہ تو بھی خریدار بن کے آ
 اس نے کہا کہ جنس پہ چادر ہے کس لیے؟
 اس نے کہا کسی کی نظر ہی نہ لگ سکے
 اس نے کہا کہ جنس ذرا وقف دید کر
 اس نے کہا کہ اس کو پرکھنا خرید کر
 اس نے کہا کہ کچھ تو مرے دل کا کر خیال
 اس نے کہا کہ ہاتھ ادھر لا ادھر سنبھال
 اس نے کہا کہ کوئی عدد کاروبار میں
 اس نے کہا کہ رو رہا ہوگا وہ غار میں
 اس نے کہا کہ جنس کے بارے میں کیا کریں؟
 اس نے کہا کہ آپ ہی کچھ فیصلہ کریں
 اس نے کہا کہ آج سے ارض و سواترے
 اس نے کہا کہ وہ تو نہیں نقش پا مرے
 اس نے کہا کہ شمس و قمر بھی ترے غلام
 اس نے کہا کہ یہ مری انگشت کا ہے کام

اس نے کہا تھا و قد رہی ہے تیرے نام
 اس نے کہا کہ ان سے تو کھیلے مرے غلام
 اس نے کہا خدائی کے سجدے ترے ڈار
 اس نے کہا کہ وہ سری اک ضرب کا غبار
 اس نے کہا کہ لوح و قلم بھی ترے سپرد
 اس نے کہا کچھ اور بڑھا میری دستبرد
 اس نے کہا کہ وارث لیل و نہار تو
 اس نے کہا کچھ اور بڑھا میری آبرو
 اس نے کہا مزا و جزا تجھ پہ منحصر
 اس نے کہا کہ مشتری مطلب کی بات کر
 اس نے کہا کہ غلہ بھی تیری کنیر ہے
 اس نے کہا کہ وہ مرے بچوں کی چیز ہے
 اس نے کہا کہ ساتی کوڑ بھی تو ہے اب
 اس نے کہا میرے مراتب بڑھیں گے کب؟
 اس نے کہا کہ قاتح خیر ترا لقب
 اس نے کہا کہ بات تو بننے لگی ہے اب

اس نے کہا کہ میرے فرشتے تیرے غلام
 اس نے کہا کروں گا تری بندگی غلام
 اس نے کہا کہ بدر و احد بھی تجھے نصیب
 اس نے کہا کہ اس سے جلیں گے مرے قریب
 اس نے کہا کچھ اور بھی کرنا ہے اب وصول
 اس نے کہا کہ جو تری مرضی ہو سب قبول
 اس نے کہا پھر آج سے میری رضا ہے تو
 میں تیرا مدعا ہوں مرا مدعا ہے تو
 اس نے کہا کہ بس میری سرکار شکر یہ
 اس نے کہا نہیں ترا سو بار شکر یہ
 تھا مشتری بھی خوش مرا تاجر بھی سو گیا
 ”سوٹا“ علی کے صدقے میں اُمول ہو گیا

رکی ہوئی ہیں مہیں بحر ویر کی سب روانیاں
زباں زباں پہ انما کی ویشیں کہانیاں
ہر ایک سو رواں دواں خدا کی مہربانیاں
ہر ایک رخ ہے آئینہ غضب کی آب و تاب ہے
خدا کے گھر میں دوستو درود پو تراب ہے

یہاں وہاں اہر اوہر جلی جلی کی دھوم ہے
چمن چمن کلی کلی ولی ولی کی دھوم ہے
نکر نکر گلی گلی علی علی کی دھوم ہے
یہی صدائے ویشیں ہمارا انتخاب ہے
خدا کے گھر میں دوستو درود پو تراب ہے

ورود پو تراب

دھڑک رہی ہے زندگی دلوں میں اضطراب ہے
غلا بھی ہے سجا سجا فضا بھی لاجواب ہے
زباں زباں پہ موجزن ترانہ شباب ہے
حرم کی سر زمین پر عجیب انقلاب ہے
خدا کے گھر میں دوستو درود پو تراب ہے

بکھر رہے ہیں دائرے جمال ذوالجلال کے
جلے تو جل کے بجھ گئے عدو نبی کی آل کے
ملنگ کہہ رہے پھر دھمال ڈال ڈال کے
مٹی مٹی ہیں ظلتیں طلوع آفتاب ہے
خدا کے گھر میں دوستو درود پو تراب ہے

تو کہاں ہے بتا مرے ابن ابی حقے و صوفی رہا ہے خدا کا نبی
 تری خوش نصیبی پہ یہ لوگ نہیں میری حق طلبی کی ہے بے ادبی
 کوئی مولس جاں نہیں تیرے سوا کئی مدنی، عجبی، عربی
 یہاں تیرگی باطل ہے بہت اے روشنی بلیا مددے
 تو سخی تو انی تو جلی کا دلی تو علی تو ہے شیر خدا مددے

خیبر

سلطان عرب، معراج نسب اے پھر ارض و سما مددے
 اے مرکز عالم علم و یقیں اے محور مبر و رضا مددے
 اے رہبر کامل منزل حق اے پیکر صدق و صفا مددے
 اے علم کا گمراہ علم کا در حیدر صفدر ایلیا مددے
 تو سخی تو انی تو جلی کا دلی تو علی تو ہے شیر خدا مددے

پھر کھینچ طنائیں دھرتی کی پھر آج نئے انداز سے آ
 کونین کی بنیادیں قائم جائیں اس طور سے آ اس ناز سے آ
 خیبر سے مدینہ دور کئی طاقت سے نہیں اعجاز سے آ
 اے صاحب حی علی مددے اے وارث مددے
 تو سخی تو انی تو جلی کا دلی تو علی تو ہے شیر خدا مددے

کیا عرض کروں یہ شہر مرے کس بزدل گود کے پالے ہیں
 سب صورت کے اجیالے ہیں پر من اندر سے کالے ہیں
 بے وقت کے روگی جوگی ہیں بے موقع رونے والے ہیں
 اب ان سے جان چھڑا میری اے سایہ و بال ہما مددے
 تو سخی تو انی تو جلی کا دلی تو علی تو ہے شیر خدا مددے

میرا دل میرن مرے دیں کا چن مرا شعلہ بدن ذرا سامنے آ
 مرا شوخ سخن میری لے مرا فن مرا فن من و من ذرا سامنے آ
 مرا روپ سنگن مرا ذہول جن مری جاں مرا چن ذرا سامنے آ
 ذرا سامنے آ مرا روپ بڑھا میری جگہ جگہ شان نظام مددے
 تو سخی تو انی تو جلی کا دلی تو علی تو ہے شیر خدا مددے

مجھے عرش پہ جب کیا حق نے طلب، معراج کی شب ذرا یاد تو کر
وہاں تیرے سبب ہوا حال عجب، وہی بزم طرب ذرا یاد تو کر
میں تھا میرا یہ لب مجھے یاد ہے سب، یہی کہتا تھا رب ذرا یاد تو کر
کبھی وقت پڑے تو اے ختم نسل، یہی کہتا کہ غیب نامدے
تو سخی تو انی، تو جلی کا ولی تو علی تو ہے شیر خدا مددے

گھوڑا

نک سوائے فلک سرے عرش تک ہے یہ جس کی جھلک وہ علی تو نہیں
نگراں ہیں ملک نہ جھپک تو پلک ہے یہ جس کی چمک وہ علی تو نہیں
ہوئی ایسی کڑک، گیا دل بھی دھڑک مجھے پتا ہے شک وہ علی تو نہیں
پڑھو صل علی وہ علی آ گیا، کہو قبلہ و کعبہ ما مددے
تو سخی تو انی، تو جلی کا ولی تو علی تو ہے شیر خدا مددے

جبریل کے پڑ کفار کے سر، ہشیار کہ شیر ہیر آیا
اے قلب و جگر اے فکر و نظر تیار کہ شیر ہیر آیا
تاروں کے ٹکر دھرتی کے پیر، بیدار کہ شیر ہیر آیا
اے ناز ولی عقیلی مددے، اے تاج سر زہرا مددے
تو سخی تو انی، تو جلی کا ولی تو علی تو ہے شیر خدا مددے

لے میں تو جلی پڑا ہوں بھر کے ہیر کی چال
اب تو بھی مست ہو کے نقابوں سے منہ نکال
میں سراڑا رہا ہوں، فضا میں انہیں اچھال
اعضا سرے پر دہیں، روحوں کو تو سنبھال
میرے سوں کی سم پتوشل ہے اجل کی تال
فرصت نہیں کہ پوچھ سکوں اب میں تیرا حال
اپنے ہر ایک وار کو رقص قضا میں ڈھال
میں چال کا دہنی ہوں تو میرا نہ کر خیال
اب وقت ہے کہ بدلہ، بغض و عناد لے
ہر ضرب پر گرفت، یہ اللہ سے داد لے

مرکب

یہ بات ہے تو پھر مرے تیور بھی دیکھنا
کھل کھل کے کھیلتے ہوئے جو ہر بھی دیکھنا
چلتی ہوئی عذاب کی صرصر بھی دیکھنا
خون عدو سے روئے زمیں تر بھی دیکھنا
خیبر میں آج موت کے چکر بھی دیکھنا
ناپوں کی دھن پہاڑتے ہوئے سر بھی دیکھنا
میدان چھوڑتے ہوئے لشکر بھی دیکھنا
حلقے مرے زمیں سے ظلم پر بھی دیکھنا

قدموں میں اضطراب نگاہوں میں کیف ہے
مولا سے آج داد نہ لوں مگر تو حیف ہے

تلوار

چنچل چمک کے جرج پہ چل چل چل کے چل
نکلی بدن کی باگ بنا بن بدل کے چل
دھرتی کو مثل برگ گل ترسل کے چل
اندھی اٹل اجل سے بھی آگے نکل کے چل
اعدا نگاہ بد سے نہ دیکھیں سنبھل کے چل
چہرے پہ گرد آبیہ واطمین مل کے چل
ہر دشمن علیٰ کو سموں سے کچل کے چل
لیکن میں جس کو چھوڑ دوں تو اس سے نکل کے چل

بیٹھا ہے گبریا کا اسد تیری زین پر
کر بل کے آسمان کو اڑا دے زمین پر

غدرِ خم

وہ غدرِ خم میں اڑاں ہوئی وہ بھی خیال کی انجمن
 وہ ترخ شعور پہ صو پڑی وہ بڑھا حیات کا باکمین
 وہ کلی کلک سے چٹک گئی وہ بھٹک بھٹک کے چلی پون
 لب آرزو پہ دھتک پڑی کھلا خواہشوں کا حسین چمن
 دل کھکشاں میں از گئی وہ دوائے دشت حکم شکن
 وہ سوار یوں کے قدم رکے بجھکے فرش پر وہ تھکے بدن
 وہ فلک کو دیکھ کے ہنس پڑا رخ ریگزار کا بھولین
 وہ زمیں کے دل میں ہے آرزو کہ ملائے آنکھ ذرا مگن
 سوئے مرتضیٰ بڑھے مصطفیٰ ہوا بچ رسم و رو کہن
 وہ نبی وی سے ملا ہے یوں طے جیسے چاند سے اک کرن
 وہ علی کا ہاتھ بلند ہے کہاں رہ گئے یہ زمیں زمین
 سر تخت ریگ ہے لب کشا وہ امیر مغل پنجتن
 کہا مصطفیٰ نے کہ زندگی مری بات آج سے عام کر
 ہے یہی علی مرا جانشین میرے جانشین کو سلام کر

تلوار

جی چاہتا ہے آج قیامت کا زن پڑے
 گردن سے سر جدا ہوں بدن پر بدن پڑے
 کھرام وہ مجھے کہ فلک سے نہ بن پڑے
 جھنکار سے ابل کی جبین پر شکن پڑے
 چنگاریوں سے شمس و قمر میں کہن پڑے
 میرے ہر ایک وار سے بجلی سی چمن پڑے
 جس سمت میرے غیظ و غضب کی کرن پڑے
 مولا کے دشمنوں پہ قضا کا کہن پڑے
 بیست ہوں زمیں سے جو میرے شکار ہوں
 کوئی شمار کر نہ سکے بے شمار ہوں

سر محشر

میں سایہ طولیٰ کی خشک رُت سے ہوں واقف
 مولاً تری گلیں کی مگر چھاؤں کھتی ہے
 اب کس سے کہوں کیا ہے ترے جبر کا عالم؟
 جو سانس بھی لیتا ہوں وہ نیزے کی انی ہے
 یہ درد کی دولت بھی میسر کسے ہوگی؟
 جواشک ہے آنکھوں میں وہ ہیرے کی کٹی ہے
 جو کچھ مجھے دیتا ہے زمانے سے الگ دے
 وہ یوں کہ زمانے سے میری کم ہی بنی ہے
 حاصل ہے اسے سایہ دامانِ پیہر
 محسنِ سر محشر بھی مقدر کا دھن ہے

حق ایلیا

سن سن مرا پیغام سن
 ہر بات پر یوں سر نہ دمن
 اپنی قبائے فکر پر
 کلیاں سجا کاٹنے نہ چن
 حیدر بٹا باقی فنا
 ریشم پہن کھدر نہ بن
 اک بار پی جامِ ولا
 تجھ پر سدا برے گا بن
 کچھ سوچ تخلیقات پر
 اے صاحبِ فکر و سخن

بنتا ہے جب پیکر کوئی
 کہتا ہے کون اس وقت کن
 انکار کا سونا بنا
 الفاظ کی روئی نہ دھن
 اس پر میرا ایمان ہے
 آتا ہے مجھ کو ایک گن
 مولا علی مشکل کشا
 جس کو لیا خالق نے جن
 ہاں اسے عدوئے مرتضیٰ
 حیدر کا تو ہمسر دکھا
 جس کو خدا بندہ کہے
 بندے کہیں جس کو خدا
 حق ایلیا حق ایلیا
 حق ایلیا

یہ این و آں یہ خشک و تر
 یہ رنگ و یو شام و سحر

دیان ہوتی بستیاں
 ہر سمت یہ آباد گھر
 یہ غفلتے احساس کے
 یہ ہاؤ ہو آنکھوں پہر
 ہر دم جواں پیہم رواں
 دھرتی فلک شمس و قمر
 طوقاں سمندر آب جو
 ہیرے صدف موتی گہر
 رستے مسافر قافلے
 منزل قدم گرد سفر
 رنگ فضا سنگ صدا
 کروہیاں جن و بشر
 جو کچھ بھی ہے کونین میں
 مولا کی ہے خیرات در
 سب کچھ اسی کے فیض سے
 سب کا وہی ہے چارہ گر
 چسپ اس کا در پہنچنے لگا

سارا جہاں مجھے لگا
قرآن میں پڑھ مل اتی
صلی علیٰ صلے علی
حق ایلیا حق ایلیا
حق ایلیا

اے خطہ ارض عرب
کر یاد تو تیرہ رجب
انوار کعبہ در نبی
ہم مثل یزداں کے سبب
خالق کے گھرا ترے بشر
ہوتا ہے یوں دنیا میں کب؟
بت بھی اسے سجدہ کریں
لوگو یہ ہے بندہ عجب
اوصاف مثل کبریا
سیرت میں بھی اعلیٰ نسب
جب تک نہ دیں احمد زباں

اس وقت تک کھولے ندب
اس بندہ رب کے لیے
کہتا ہے خود بندوں کا رب
اس کی رضا میری رضا
اس کا غضب میرا غضب
میرے نبی کا آسرا
کوئی نہیں اس کے سوا
اب تو بھی ہو وقت دعا
حق ایلیا حق ایلیا
حق ایلیا

جھولے میں اک طفلِ حسین
سویا ہوا ہے ناز میں
بنتِ اسد کا لاڈلا
عالم کا تنہا مہ جبین
جھک جھک کے دیکھے آسماں
رک رک کے پیچھے زمیں

دہکا ہے رنگ لعل لب
 مہکی ہے زلف خیریں
 آنکھیں گلابی جمیل ہیں
 چہرہ رخ دین میں
 اژدر کی پھنکاریں سنو
 ٹھہرو ہوئی آہٹ کہیں
 پھیلا عذوئے مرتضیٰ
 آیا جو جھولے کے قریں
 اٹھا وہ دست کبریا
 اژدر ہوا کلڑے نہیں
 عالم پہ سکتہ چھا گیا
 ہر شخص ہے سہا ہوا
 یو جہل کو کہنا پڑا
 حق ایلیا حق ایلیا
 حق ایلیا

ہجرت کی شام پر خطر
 بھائی کی چادر اوڑھ کر

سویا ہے کتنے چین سے
 جاں دادۂ خیر البشر
 دیکھا غبارِ خواب میں
 منہ چومنے آئی سحر
 اعداء کے گھیرے میں مکاں
 دشمن کے قبضے میں ہے گھر
 منظر سے ہے ظاہر ابھی
 تیغوں سے برسیں گے شر
 لیکن یہ منظر چھوڑ دو
 آؤ ذرا دیکھیں ادھر
 پیغمبری ہے مطمئن
 بستر پہ ہے شیر ہر
 لپٹا ہے اپنی اصل سے
 شاہخ شجاعت کا ثمر
 اس ست خوف و حزن سے
 رویا نئی کا ہم سفر
 سرور کو کچھ یاد آ گیا

کہنے لگے یوں مصطفیٰ
کیوں بے عمل رونے لگا
آجھ پہ دم کر دوں دعا
حق الیاء حق الیاء
حق الیاء

اک اور منظر دیکھنا
اب سوئے خیر دیکھنا
بغض و حسد کے روپ میں
مرحب کے تہر دیکھنا
ہیں سرگوں بیٹھے ہوئے
اسحاب سرور دیکھنا
وہ رہ کے احمد کا وہاں
اپنا مقدر دیکھنا
آیا سوار کھکشاں
اترا وہ حیدر دیکھنا
اک پل میں اب اڑتا ہوا

اک آہنی در دیکھنا
سہی زمیں اوڑھے ہوئے
جبریل کے پر دیکھنا
آتا ہے کتنے ناز سے
نفس پیبر دیکھنا
سلمان کہتے تھے ادھر
لوگو ہرور دیکھنا
کیسے چلی تیغ علی
مردوں کے جوہر دیکھنا
حیدر کی مٹھی میں ذرا
مرحب کا بھی سر دیکھنا
کہتے تھے اس دم مصطفیٰ
یہ ہے پیام کبریا
جب بھی ہو دکھ کا سامنا
واجب ہے تم پر یہ صدا
حق الیاء حق الیاء
حق الیاء

معراج کی شب آگئی
 ہر سو خوشی چھا گئی
 جاگو ذرا اے مصطفیٰ
 دیکھو سواری آگئی
 طے ہو چکیں سب منزلیں
 روح ام لہرا گئی
 آیا حجاب آخری
 ساری فضا چرا گئی
 چپ چپ ہے حق کا نبی
 قسمت کہاں ٹھہرا گئی
 یہ ساتھ ہے دیکھا ہوا
 انگشت ہی بتا گئی
 پردے کے اندر کون ہے؟
 لہجے کی رو سمجھا گئی
 ابھری صدائے آشنا
 عقدے کئی سلجھا گئی
 پوچھا نبی نے ماجرا

آئی صدائے کبریا
 اے وارثِ بزمِ کساء
 یہ کون ہے بوجھو ذرا
 بولے جواباً مصطفیٰ
 حق ایلیا حق ایلیا
 حق ایلیا

یاد آ گیا کچھ برمل
 سوئے غدیر خم بھی چل
 یہ قافلہ کیوں رک گیا؟
 پڑنے لگا کیا غلل؟
 اترا ہے کیوں روح الامیں؟
 کیوں تھم گیا ہر ایک لہلہ؟
 پالان کے منبر پہ کیوں؟
 ابھری اذان اے دل سنبھل
 کہتا ہے کون اس دشت میں
 جی علی خیر اہمل

سن لے زبان نور سے
 توحید کی تازہ غزل
 وہ دے رہے ہیں مصطفیٰ
 پیغام رب لم یزل
 حیدر ہے میرا جانشین
 حیدر مری محنت کا پھل
 یہ محور ارض و سما
 نیوں کا یہ عقدہ کشا
 آدم کا پہلا مدعا
 نوح نجی کا آسرا
 یعقوب کے دل کی دعا
 یہ حسن یوسف کی بھتا
 یہ ابن مریم کی شفا
 یہ صدر یزید اقیام
 یہ قاطع ظلم و دیا
 یہ منزل حق آشنا
 یہ بندہ غائب نما

یہ آدمی کا ارتقا
 یہ فصل گل موج صبا
 یہ ساتھی حوضِ ولا
 یہ ماہ و انجم کی ضیاء
 یہ دشمن حق کی قضا
 یہ سر حق کی ابتداء
 یہ رازدارِ انما
 یہ حوصلوں کی انتہا
 یہ صبر میں ڈھالا ہوا
 یہ موت کا پالا ہوا
 یہ خلد کا سلطان سدا
 یہ دافع قحط و دیا
 یہ شافعِ روضہ جزا
 یہ جنگ میں کہسار سا
 یہ آئینہ اعمال کا
 یہ سو مرض کی اک دوا
 یہ کشتیوں کا ناخدا

یہ سازِ حق سوزِ نوا
یہ مرکزِ حسنِ وفا
یہ رازِ نطقِ تحتِ بیا
یہ لختِ دلِ عمران کا
ہر اک کا مولا بن گیا
اب مجھ پہ بھی واجب ہوا
حقِ ایلیا حقِ ایلیا
حقِ ایلیا

شبیرؑ

شبیرِ کربلا کی حکومت کا تاجدار
انساں کا تازِ دوشِ نبوت کا شہسوار
ہے جس کی شوکروں میں خدائی کا اقتدار
جس کے گداگروں سے ہر اسماں ہے دروگاہ
جس نے زمیں کو عرشِ مقدر بنا دیا
ذروں کو آفتاب کا محور بنا دیا

وہ جس کی ہندگی میں سہمتی ہے داوری
کھولے دلوں پہ جس نے رموزِ دلاوری
لٹ کر بھی کی ہے جس نے شریعت کی یادری
جس نے سمندروں کو سکھائی شناوری
وہ جس کا غم ہے ابر کی صورت بنا ہوا
صحرا ہے رشکِ مہجہ کوثر بنا ہوا

جس کے غلام اب بھی سلیمان سے کم نہیں
جس کا مزار غلد کے ایوان سے کم نہیں
جس کا مزاج وعدہ یزداں سے کم نہیں
جس کی جبین لطافت قرآن سے کم نہیں
وہ جس کی پیاس چشمہ آب حیات ہے
وہ جس کا نام آج بھی وجہ نجات ہے

وہ کہکشاں جبین وہ ذبح فلک مقام
جس نے کیا ضمیر انا میں سدا قیام
جس نے جبینی عرش پہ لکھا بشر کا نام
جس کی سٹاؤتوں کو سخاوت کرے سلام
نوک سناں کو رتبہ معراج بخش دے
جو دست دو فلک کا حسیں تاج بخش دے

کنکڑ کو ڈر بنائے کہاں کوئی جوہری
ایجاد کی حسین نے یہ کیا گری
بخشی ہے یوں بشر کو ملائک پہ برتری
بچوں کو ایک پل میں بنانا گیا جری
وہ جس کے شک کو حق کا قرینہ سکھا دیا
جس نے بشر کو مر کے بھی جینا سکھا دیا

جو میر کاروان مودت ہے وہ حسین
جو مرکز نگاہ شہیت ہے وہ حسین
جو رازدار کنو حقیقت ہے وہ حسین
جو تاجدار ملک شریعت ہے وہ حسین
وہ جس کا عزم آپ ہی اپنی مثال ہے
جس کی "خیں" کو "ہاں" میں بدلنا محال ہے

مولا تو جی رہا ہے عجب اجسام سے
سمجھے ہیں ہم خدا کو بھی تیرے کلام سے
کرنیں وہ پھوٹی ہیں سدا تیرے نام سے
کرتے ہیں تیرا ذکر سبھی احترام سے
پایا ہے وہ مقام ابد تیرے نام نے
آیا نہ پھر یزید کوئی تیرے سامنے

کہیں قبیلہ ہو اولیاء کا کہیں پہ پہلوں کی دکان ہو
 بچا کے مسند بشارتوں کی دلوں پہ اور اک مہریاں ہو
 میں اپنی سوچوں کو آپ کوثر میں غسل دے دوں تو امتحاں ہو
 پردھوں میں تسبیح قاطعہ جب تو کعبہ فکر میں اڑاں ہو

اگر یہ سب کچھ ملے تو مدبر شہنشاہ مشرقین لکھوں
 حیا کی حنقی پہ اپنی پلکوں سے پھر میں لفظ حسین لکھوں

حسین کیا ہے؟ خیال خیمہ خلوص خامہ خرد خزانہ
 حسین کیا ہے زبان وحدت پہ انما کا حسین ترانہ
 حسین کیا ہے ضمیر زمزم ضمیر کوثر کرم نشانہ
 حسین کیا ہے تمام نبیوں کے دین محکم کا آب ودانہ
 حسین کیا ہے محیط عالم مشیر مرسل مہ زمانہ
 حسین کیا ہے جگے ہوئے دیں کے درد کا آخری ٹھکانہ
 حسین کیا ہے؟ خلوص پرور مشیتوں کا حسین گھرانہ
 حسین کیا ہے؟ تمام غیرت کی ایک آوازِ غازیانہ
 حسین کیا ہے یزیدیت کے بدن پہ عبرت کا تازیانہ

حسین وہ ہے کہ جیت جس کو ادب سے جھک کر سلام کر لے
 حسین وہ ہے جو لوگ نیزہ پہ خود خدا سے کلام کر لے

حسینؑ

صبا کا سینہ بنے سفینہ ذرا طبیعت رواں دواں ہو
 ہوا میں خوشبو کے دائرے ہوں غلامیں کرنوں کا ساتباں ہو
 زمیں زمرہ اگل رہی ہو گلاب گنار آساں ہو
 ہر ایک کو پیل کنول اچھالے کلی کلی کنز کن دکان ہو
 چمن کے سینے پہ فصل گل کا نشان بانداز کبکشاں ہو
 جبین کو نین پتھن کے کرم سے فردوس انس و جاں ہو
 سبکی سمندر ہوں میرے بس میں شجر شجر میرا راز داں ہو
 درود کی انجمن سجاؤں دہن میں جبریل کی زباں ہو
 خیال ہو سلسیل جیسا جلو میں لفظوں کا کارواں ہو
 چمن سجاؤں میں مل لاتی کا مچیتوں سے بھرا جہاں ہو

حسین اب بھی سمجھ رہا ہے یزیدیت کے کبھی اشارے
 حسین اب بھی لہو سے سیراب کر رہا ہے فلک کنارے
 حسین اب بھی سجا رہا ہے زمیں پہ شمس و قمر ستارے
 حسین اب بھی بدل رہا ہے تم کی طغیانوں کے دھارے
 حسین اب بھی سنا رہا ہے سناں پہ قرآن کے درد پارے
 حسین اب بھی سنیل سنیل کے پکار رہا ہے سبھی سہارے
 حسین اب بھی لٹا رہا ہے نئی کے دیں پر نکل دلا رہے
 حسین اب بھی یہ چاہتا ہے کہ مشکلوں میں کوئی پکارے
 یزیدیوں کو یہ وہم کیوں ہے کہ صرف اک دن حساب ہوگا
 حسین سے جو جہاں بھی الجھے وہیں پہ خانہ خراب ہوگا

مناظرہ زمین و آسمان

اک دن بڑے غرور سے کہنے لگی زمیں
 آیا مرے نصیب میں پرہم حسین کا
 مہتاب لے کہا میرے سینے کے داغ دیکھ
 ہوتا ہے آسمان پہ بھی ماتم حسین کا

پھر آسمان نے ہنس کے کہا حیثیت نہ بھول
 تو ادب عرش و کرسی و لوح و قلم نہیں
 جب سے جنمیں سبط نبی مجھ پہ خم ہوئی
 اس دن سے میں بھی عرشِ معطی سے کم نہیں

کہنے لگا فلک کہ ذرا دیکھ اے زمیں
 میری بلندیوں کی تو محتاج ہو گئی
 صرف ایک شب کو آئے تھے اس ست مصطفیٰ
 وہ شب جہان میں شب معراج ہو گئی

چھیڑا ہے تذکرہ شب معراج کا تو سن
میرا خیال ہے کہ تیری بھول بڑھ گئی
نعلین مصطفیٰ کی قسم منصفی تو کر
تجھ سے تو مرتبے میں میری دھول بڑھ گئی

تو جن کے فیض سے ہے منور وہ نور زاد
سارے ازل کے دن سے مری اپنی حد میں ہیں
پہلے تو میں غلا کا اڑاتی رہی مذاق
شخص و قمر بھی اب مرے بیٹوں کی زد میں ہیں

بیٹوں کی تربیت پہ بہت ناز بھی نہ کر
کچھ دن میں ہیں کئی کئی کجیوں بھی تو ہیں
کہنے لگی زمیں کہ ستاروں کو بھی تو دیکھ
کچھ ان میں نیک ہیں کئی منحوس بھی تو ہیں

یہ شہر کھکشاں یہ مد و مہر کے دیار
آدیکھ تو سہی مرے دامن میں کیا نہیں؟
کہنے لگی زمیں سر تسلیم خم بجا!
سب کچھ ہے تیرے پاس مگر کربلا نہیں

وہ دن بھی تھے کہ جب مری وسعت کے آس پاس
رہتا تھا مرکب شب کوئین یاد کر
اتنی سی بات پر تجھے اتنا غرور ہے
کھیلے ہیں میری خاک پہ حسین یاد کر

کر یاد تیرے پاس ہی جھولے کے روپ میں
جبریل لے کے آئے عماری حسین کی
تو بھی تو یاد کر کہ زمیں پر برد و عید
ختم رسل بنے تھے سواری حسین کی

سن اے عدوئے امن و سکون دشمن بشر
تو ایک بوجھ بن گئی نبیوں کی جان پر
عیسیٰ نے ایک عمر ہے ہیں تیرے ستم
آخر سکون ملا ہے اسے آسمان پر

اے انتظار گاہ امام جہاں نہ چھیڑ
جھوٹی شکن نہ ڈال منور جبین پر
آنے دے میرے آخری وارث کو ایک بار
عیسیٰ کو پھر اترنا پڑے گا زمین پر

کہنے لگا فلک کہ زباں کو لگام دے
پہلے بھی تیری ضد کا ستایا ہوا ہوں میں
ہر سو محیط ہیں میری سرحد کی وسعتیں
تجھ پر ازل کی صبح سے چھایا ہوا ہوں میں

گستاخیاں فضول ہیں میرے حضور میں
اب کیا کہوں کہ تو تو بڑا بد مزاج ہے
تو جن کی خاک تک بھی نہ اڑ کر پہنچ سکے
ان سرحدوں پہ بھی مرے ابا کا راج ہے

آخر فلک نے جھک کے زمیں کو کیا سلام
اللہ دے یہ شعور یہ صورت جہاں کی ہے
کس نے سکھائی ہیں تجھے حاضر جوابیاں
کیا شجرہ نسب ہے ترا تو کہاں کی ہے

کہنے لگی زمیں کی فلک جی خطا معاف
اب ٹھیک ہو گئی ہے طبیعت جناب کی
کافی ہے اس قدر ہی مرا شجرہ نسب
ادنیٰ سی اک کنیر ہوں میں بو تراب کی

حسین اور کربلا

حسین

تجھ پر میرا سلام ہو اے دشت بے گیاہ
میری محبتوں کی عقیدت وصول کر
آیا ہوں رفعتوں کی تمنا لیے ہوئے
میرا خلوص میری دعائیں قبول کر
کربلا

اے اجنبی ٹھہر مجھے اتنی دعا نہ دے
پہلے بھی میری خاک ہے نیوں سے شرمسار
میری حدود سے جلد گزر جا با احتیاط
میں کربلا ہوں میری تباہی سے ہوشیار

حسینؑ

تیرے اجاڑ پن کا میرے پاس ہے علاج
تجھ کو خبر نہیں کہ میں عیسیٰ کا ناز ہوں
میں نے تو بچنے میں فرشتوں کو پر دیے
اپنا مرض بتا میں بڑا کارساز ہوں
کربلا

میری رگوں میں ہانپتی رہتی ہے شب کو موت
دن کو میری فضا میں برستی ہیں بجلیاں
شام و سحر بلاؤں کے مسکن ہیں ہر طرف
ہر سو بکھر رہی ہیں ہواؤں کی ہچکیاں
حسینؑ

وہ لوگ انبیاء تھے مگر میں امام ہوں
ممکن نہیں کہ دید کے بدلے شنید لوں
تجھ کو سنوارنے کی تمنا بھی ضد بھی ہے
اب طے یہ ہو چکا ہے تجھے میں خرید لوں

کربلا

مجھ کو سنوارنے کی تمنا ہے مگر تو سن
اتنا لہو تو ہو کہ میں جس سے سنوار سکوں
روڑ ازل سے ہے میری قسمت بھی ہوئی
کیا کچھ ہے تیرے پاس میں جس سے نکھر سکوں
حسینؑ

میں وہ ہوں جس کو صرف تباہی سے پیار ہے
میرے ہی دم سے عرشِ تولا بنے گی تو
میں اس طرح پڑھوں گا یہاں آخری نماز
رہے میں مثل عرشِ معلیٰ بنے گی تو
کربلا

ممکن نہیں کہیں پہ بھی یہ کیسا گری
جو فرشِ بے ردا کو کوئی تاج بخش دے
ایسا کوئی بشر نہیں دیکھا جو اس طرح
ذروں کو چھو کے عرش کی معراج بخش دے

حسینؑ

اے نینوا اداس نہ ہو حوصلہ نہ ہار
لایا ہوں تیرے واسطے پیغامِ زندگی
میں خود اجڑ کے تجھ کو بساؤں گا اس طرح
تیری سحر بنے گی میری شامِ زندگی
کربلا

میرا یہ مشورہ ہے مسافر پلٹ ہی جا
شاید تجھے خبر نہیں میرے جنوں کی
گرمی سے جاں بلب ہیں تیرے قافلے کے لوگ
لیکن میری رگوں میں ضرورت ہے خون کی
کربلا

ڈھونڈے گا آسمان تیرے ذروں کی نکلیں
تجھ کو عطا کروں گا وہ پوشاک دیکھنا
میرے لبو سے تجھ کو ملے گا وہ مرتبہ
خاکِ شفا بنے گی میری خاک دیکھنا

کربلا

دعویٰ نہ کر کہ مجھ کو بسانا محال ہے
ایسا کوئی جہان میں پیدا نہیں ہوا
ہر فرد کو تلاشِ مسرت ہے دہر میں
کوئی تباہیوں کا تو شیدا نہیں ہوا
حسینؑ

اے خاکِ بے ثمر میرا اعجاز دیکھنا
اک بار میرے ساتھ ذرا مسکرا کے دیکھ
ضامن ہوں تجھ کو خلد سے بڑھ کر بساؤں گا
اے خطہ اداس مجھے آزما کے دیکھ
کربلا

آئے تھے لوگ مجھ کو بسانے کے شوق میں
اک پل میں سب کے مہر کے ساغر چٹک گئے
تو تازہ دم سہی مگر اتنا خیال کر
میری اداسیوں سے پیہر بھی تھک گئے

حسینیتؑ

مرا عقیدہ ہے بعد محشر فلک پہ یہ اہتمام ہوگا
مرے خیالوں سے بھی زیادہ وسیع تر اک مقام ہوگا
عقیدتوں کے چمن کھلیں گے مسرتوں کا نظام ہوگا
گلوں کو نسبت علی سے ہوگی کلی پہ زہرا کا نام ہوگا
ولائے حب علیؑ کی برسات کا عجب لطف عام ہوگا
یہ انبیاء سب وزیر ہوں گے تو صدر میرا امام ہوگا
مشیر معصومیت کے پائے کہ عدل سے جن کو کام ہوگا
محبتوں کی ہوا چلے گی ہوا میں حق کا پیام ہوگا
کہیں نہ زہرا کے پاسانوں میں ایک قطرہ کا نام ہوگا
کہیں در قصر بنت زہرا پہ جدۂ صبح و شام ہوگا
مرا عقیدہ نہیں ہے جھوٹا یقیں ہے یہ اہتمام ہوگا
یہ عکس ہے ایک سلطنت کا حسینیت جس کا نام ہوگا
بہشت میراث جو نہیں ہے کہ گردِ راہِ شہ نجفؑ ہے
مگر منافق کا کیا ٹھکانہ اس طرف ہے نہ اس طرف ہے

کہیں پہ باقر علوم پائیں گے علم کا لطف عام ہوگا
کہیں پہ جعفر کے گرد اہل خلوص کا اژدہام ہوگا
کہیں پہ موسیٰ رضا کی جانب سے مومنوں کو سلام ہوگا
کہیں جناب علی رضا سے کسی پیغمبر کو کام ہوگا
کہیں تقی بزمِ انقیاء کا سلام لیں گے کلام ہوگا
کہیں تقی سندِ نقاوت پہ وقف الطاف عام ہوگا
کہیں حسن عسکری کی محفل میں ذکر خیر لا نام ہوگا
کہیں کسی تخت پر مرے چودھویں علی کا قیام ہوگا
کہیں پہ نعرے علی علی کے کہیں درود و سلام ہوگا
ہر ایک میکش کے ہاتھ میں سلسیل و کوثر کا جام ہوگا
مگر تیرہ کیے بغیر اس کو منہ لگانا حرام ہوگا
ہر اک عمارت خدا کی قدرت کا ایک نقشِ دوام ہوگا
کہیں محمدؐ کی مسکراہٹ کہیں علیؑ کا کلام ہوگا
کہیں حسن کی حسین صورت پہ زائروں کا سلام ہوگا
کہیں پہ مظلوم کربلا کے جلوں کا اہتمام ہوگا
کہیں پہ سجاد کی سواری کا ذہن میں احرام ہوگا

گلی گلی میں اسی کا پرچم اسی کا سجدہ جہیں جہیں ہے
 قدم قدم پر سبیل اس کی نظر نظر میں وہی کہیں ہے
 ہوا ہوا میں اسی کے نوحے وہی تصور خلافتیں ہے
 اسی کا ماتم ہے آگ پر بھی اسی کا تم خلد کا امیں ہے

فلک فلک پر لہو اسی کا اسی کی مجلس زمیں زمیں ہے
 حسینیت کو مٹانے والو حسینیت اب کہاں نہیں ہے؟

جہاں بھی عالم حکومتیں تھیں وہاں وہ مظلوم چھا گیا ہے
 وہ تیرگی کی روا پہ اپنے لہو سے موتی سجا گیا ہے
 کٹے ہوئے سر سے نوکب نیزہ پہ بھی وہ قرآن سنا گیا ہے
 بس ایک پل میں زمیں کو چھو کر کوئی معفی بنا گیا ہے

جہاں جہاں کل یزیدیت تھی حسینیت اب وہیں وہیں ہے
 حسینیت کو مٹانے والو حسینیت اب کہاں نہیں ہے

آدم اور حسینؑ

آدم کی ذات مرکز ایمان بھی نہیں
 آدم کا نطق محور قرآن بھی نہیں
 آدم خطا کرے کوئی نقصان بھی نہیں
 شبیر میں خطا کا تو امکان بھی نہیں
 ادنیٰ سی شان دیکھ شہِ مشرقین کی
 آدم بہشت میں بھی رحمت حسین کی

آدم کو فرق امر و نہی کی خبر نہیں
 آدم ابو البشر ہے ضمیر بشر نہیں
 آدم شب سیر میں دلیلِ سحر نہیں
 آدم معنی ضرور ہے اوصافِ گر نہیں
 آدم نبی ہے صاحبِ عز و وقار ہے
 لیکن حسین دوشِ نبی کا سوار ہے

نوح اور حسینؑ

رہے میں ہو جی تو وہی شان چاہیے
اب نوح کو نجات کا سامان چاہیے
کشتی ہو بادباں ہو تھکبان چاہیے
کشتی کے تیرنے کو بھی طوفان چاہیے
لیکن یہ معجزہ ہے شہِ مشرقین کا
خنگلی پہ تیرتا ہے سفینہ حسین کا

بے شک حراجِ نوح کا تو حوصلہ بھی دیکھ
طوفانِ غم سے اس کو اُلجھتا ہوا بھی دیکھ
لیکن سوئے فرات و سر کر بلا بھی دیکھ
یہ مبر و ضبطِ والی ارض و سما بھی دیکھ
دیکھے یہ مبر و ضبطِ تو یزدان بھی رو پڑے
دو بیاس ہے کہ نوح کا طوفان بھی رو پڑے

آدم خدا کا نور نہیں تھا حسین ہے
آدم خطا سے دور نہیں تھا حسین ہے
آدم شعاعِ طور نہیں تھا حسین ہے
آدم مرا غرور نہیں تھا حسین ہے
آدم تراب ہے یہ دل پو تراب ہے
وہ نقشِ گل یہ محورِ صد آفتاب ہے

اب لوح کے پر کی بغاوت بھی دیکھئے
 اپنے لہو میں فرق حرارت بھی دیکھئے
 لیکن میرے حسین کی عظمت بھی دیکھئے
 تاثیر تربیت کی یہ صورت بھی دیکھئے

میدانِ حرب و ضرب میں کیا نام کر گیا
 ننھا سا شیرِ خوار بڑا کام کر گیا

ابراہیم اور حسینؑ

انصاف چاہتا ہوں میں دنیا کے معتمد
 صبرِ ظلیل کے بھی سبھی زاویے تو مہمن
 لیکن سکونِ شاہ بھی دیکھ امتحاں کے دن
 سب کچھ لٹا کے بھی مرا مولا ہے مطمئن
 اکبر وہ سو رہا ہے یہ اصغر کی قبر ہے
 شبیر چپ کھڑے ہیں یہ معیارِ صبر ہے

بے شک ترے نبی کا مقدر چمک گیا
 بیٹے کو لے کے موت کی سرحد تک گیا
 آنکھیں تھیں بند پھر بھی کلیجہ دھڑک گیا
 تیرا ظلیل ایک ذبیحہ پہ تھک گیا
 کتنے حسین کتنے جواں کیا صبح تھے
 میرے ظلیل کے تو بہتر دُج تھے

اس ست اک نبی کا ارادہ اٹل نہیں
 اس ست وہ عمل کہ گھڑی کا غل نہیں
 بیٹے کی لاش دیکھ کے ماتھے پہ بل نہیں
 برچی کو کھینچنے کے لیے ہاتھ شل نہیں
 برچی کھینچی تو نبض زمانے کی رک گئی
 آنکھیں انہیں تو موت کی گردن بھی جھک گئی

یعقوبؑ اور حسینؑ

یعقوب کے لیے تو خدا کا رساڑ تھا
 گیارہ شرتے پھر بھی نہ دل سرفراز تھا
 یعقوب کو بس ایک ہی یوسف پہ ناز تھا
 لیکن حسینؑ کا بھی عجب امتیاز تھا
 اس شجرہٴ عظیم کے کیا برگ و بار تھے
 اکبر کے حسن پر کئی یوسف ٹار تھے

پیرنی سے جب پسر کی جوانی چھڑ گئی
 اشکوں کی اک جھڑی تھی کہ پلوں پہ اڑ گئی
 دردِ فراق کی وہ سناں دل میں گڑ گئی
 اللہ کے نبی کی نظر ماند پڑ گئی
 لیکن حسینؑ تھے پہ ناز کارگر نہ تھی
 بیٹوں کی موت پر بھی تری آنکھ تر نہ تھی

موسیٰ اور حسینؑ

موسیٰ کلیم وقت تھا محبوب خاص و عام
 قائم تھا اس کا بھی یہ بیضا سے احرام
 ہاں اک عصا بھی تھا جو بنا تیغ بے نیام
 لیکن جو نور طور پہ اس سے تھا ہم کلام
 وہ نور پنپن تھا رو مستقیم تھا
 شبیر اس کا پانچواں جزو عظیم تھا

عیسیٰ اور حسینؑ

عیسیٰ بھی ہے خدا کا بڑا مقتدر نبی
 بخشی ہے اس کی سانس نے مردوں کو زندگی
 لیکن حسینؑ کس سے بیاں ہو یہ برتری
 عیسیٰ ہے حیرے آخری نایب کا مقتدی
 جس خاک پر حسینؑ تو سجدہ ادا کرے
 اس خاک سے مسیح بھی حاصل شفا کرے

محمدؐ اور حسینؑ

سن لو حدیثِ ختمِ رسل پیکرِ حشم
لوگوں ہی حسینؑ ہے ہم سے اسی سے ہم
ہر چند بے مثال نبی ہیں شہِ ام
لیکن خطا معاف یہ آگے ہے دو قدم
رکھی ہٹائے دیں شہِ بدر و حنین نے
لیکن کیا ہے دیں کو مکمل حسینؑ نے

علیؑ اور حسینؑ

دو شہِ نبی کہاں یہ سناں کی فضا کہاں؟
بستر کہاں نبی کا یہ دشتِ بلا کہاں؟
غریب و غضب کہاں وہ یہ دستِ دعا کہاں؟
خندق کہاں یہ رزمِ گمراہ کربلا کہاں؟
پیا سے کا نام ایک ہی جد سے چڑھ گیا
بچے کا وارِ باپ کی ضربت سے بڑھ گیا

بتولؑ اور حسینؑ

صورت اگر ہے عرض تو جوہر ہیں خدو خال
جس طرح سے ہذین "مدف" گھر گھر خیال
شہیر و قاطمہؑ میں بھی بہتر ہے یہ مثال
معدن ہیں قاطمہؑ تو گھر قاطمہ کا لال
بیٹے کی تربیت ہے سدا والدین سے
پرکھا گیا بتولؑ کو اکثر حسین سے

حسنؑ اور حسینؑ

اب فرق بھائیوں کا خیالوں میں کیا ہو بند
وہ بھی فلک نشیں ہے تو یہ بھی بہت بلند
لیکن بقدر شوق یہ کہتا ہوں حرف چند
وہ روح انقلابؑ حسین عافیت پسند
جس طرح کی بہار کو نسبت چمن سے ہے
نسبت وہی حسینؑ کو اپنے حسن سے ہے

عباسؑ

عباس چرخ پر مہ کابل کا نام ہے
 عباس عمر شوق کے ساحل کا نام ہے
 عباس ضبط درد کے حاصل کا نام ہے
 عباس کارواں نہیں منزل کا نام ہے
 قرآن چپ حسین بنا دین بن گیا
 عباس اس میں سورۃ یٰسین بن گیا

عباس بے مثال دلاور کا نام ہے
 عباس عمر حق کے شہاد کا نام ہے
 عباس دیں کے درد کے یاد کا نام ہے
 عباس صبح صبر کے خاور کا نام ہے
 خالق تو لاشریک ہے اجر حوال دے
 عباس کی وفا کی بھی کوئی مثال دے

عباس اہل تیج بھی اہل قلم بھی ہے
 عباس دفعہ غم بھی علاج الم بھی ہے
 عباس دل کا تاز بھی دیں کا بھرم بھی ہے
 عباس تاجدار صریح و علم بھی ہے
 عباس کا کرم ہے خزانہ بہار کا
 عباس کا غضب ہے غضب کردگار کا

عباس حسن دین یتیم کی آبرو
 عباس کی وفا کا تسلط ہے کوکبو
 باطل کے سامنے ہو یہ کیونکر نہ سرخرو؟
 اسلام کی رگوں میں ہے عباس کا لہو
 جب بھی کسی جری کو حسیں تخت تاج دے
 عباس کی وفا کو زمانہ خراج دے

عباس حرب و ضرب کی دنیا کا تاج دور
 عباس دین حق کے لیے مژدہ سحر
 کھیلے نہ کیوں قضا کے سلاسل سے بے خطر
 عباس پنجتن کی دعاؤں کا ہے اثر
 اس کو جھکا سکے گا کوئی کیسے فرش پر
 عباس کے علم کا پھریرا ہے عرش پر

توقیر باب علم و فقیر فلک مقام
تاخیر دست حیدر و تزئین صبح و شام
ادراک انبیاء میں دھڑکتا ہوا کلام
پانی سے بے نیاز ہے عباس نقشہ کام
عباس ہے انا کا سمندر بنا ہوا
دریا تو شرم سے ہے زمیں پر بچھا ہوا

قصر شعور دیں میں ہے عباس وہ چراغ
جس کے مقابلے میں ہے سوچ بھی داغ داغ
عباس کی مہک سے مہکتا ہے جاں کا باغ
شیر دل ہی دل ہے تو عباس ہے داغ
اس کی عطا سے نبض موت رواں ہوئی
عباس کے کرم سے شریعت جواں ہوئی

چہرہ ہے یا فلک پہ چمکتا ہے آفتاب
نقش قدم کی خاک میں چھپتا ہے انقلاب
عباس کی رگوں میں جو ابھرا ہے اضطراب
سبھی ہوئی ہے موت پر سایہ رکاب
عباس جب بھی اذین روانی عطا کرے
دریا بھل کے شکر کے سجدے ادا کرے

جرات کی ابتدا بھی یہی انتہا بھی ہے
عباس وہ جہاں میں مرا آسرا بھی ہے
تاخیر التماس دعا بھی دعا بھی ہے
بندہ بھی رب کا ہے یہی رب وفا بھی ہے
ہے دیں اسی کے در کا نمازی بنا ہوا
ہو کر شہید بھی یہ ہے غازی بنا ہوا

صفین

دُستِ برقی رنج و سخن بن کے تن ہر بدن میں اجل کی آگن گھول دے
لشکروں کا جگر چیر، مستی میں آؤ دلوں کی طرح کھن کھن گھول دے
منکروں کے لہو کی ہر اک موج میں اپنے ماتھے کی ہر اک شکن گھول دے
اپنے اعداء کے سر آسمان پر اڑاؤ آبِ وجہ میں ان کے کفن گھول دے
دیکھ بزمِ شجاعت کا ہر تاجوز تیرے نزدیک ہے اور مرے پاس ہے
یوں لڑیں دشمنوں کو گماں تک نہ ہو یہ علی لڑ رہا ہے کہ عباس ہے

مہینہ میں اتر، میسرہ سے ابھر، قلبِ لشکر پہ بجلی گرا جھوم کر
دُشمنانِ علیؑ کے پرچے اڑاؤ ان کی لاشوں کو دوزخ کا مقدم کر
اب نقائیں الٹ کر پلٹ دے صفیں ہر منافق کا شجرہ بھی معلوم کر
بن کے زہر اجل آج میدان میں ڈھل میرے بابا کے نقشِ قدم چوم کر
دیکھ سستی نہ کر موت کی ہم سفر ہر طرف سے دعاؤں کی برسات ہے
تیری ہر ضرب پر آج خیر شکن داو دینے کو آئے تو پھر بات ہے

سب زمینیں، شجر، بستیاں، رگھندر رقص کرتی ہوائیں، سمندر ترے
آج کی شب ستاروں کے سب ڈانچے، جگنوؤں کی قطاروں کے اندر ترے
موت کی دیوایاں ہیں کتیریں تری زندگی کے پچھلے سمندر ترے
تیرے خالق کی نصرت ترے ساتھ ہے اور دعا گو ہمارے قلندر ترے
چھین لے دشمنوں کی یہ بیانیائیں روزِ روشن میں نازلِ سیدِ رات کر
زندگی کیا ہے خود موت پاؤں پڑے آج چنگاریوں کی وہ برسات کر

سن، کسی کی نہ سن، ایک ہی دھن کو بن اور جن جن جن کے مفرور سر کاٹ دے
سنناتی ہوئی سب سروں سے گزروار سینے پہ کر اور جگر کاٹ دے
لوک سے روک لے وقت کی گردشیں، دستِ شام دوجو وحر کاٹ دے
آج جبریل بھی پر بچائے اگر تو رعایت نہ کر اس کے پر کاٹ دے
کبریا کا غضب بن کے اتر آہوں میں میرے چہرے پہ جذبات کا رنگ ہے
میرے قبضے میں نہیں ہیں تقدیر کی میری تاریخ کی اولیں جنگ ہے

ملیکۃ العرب (خدیجہ الکبریٰ)

فلک نشانِ عرش مرتبت، کہکشاں قدمِ خوش نظر خدیجہ
 بدن صداقت ہے سر خدیجہ صدق شرافت، گھر خدیجہ
 خدا کے دہن میں کے دھنوں کی دہر میں چادر گر خدیجہ
 وہ آل کی مادر گرائی رسول کی ہم سفر خدیجہ
 اسی کے دم سے جہاں میں مہر و وفا کا چشمہ اہل رہا ہے
 نبی کا دیں آج تک اسی محسن کے ٹکڑوں پہ پل رہا ہے

سنو اسی نے کیا مرتب نساء کا دستور حکمرانی
 بڑے سلیقے سے کر گئی ہے ربخ رسالت کی پاسبانی
 سنواری اس کی تربیت نے کچھ اس طرح حق کی نوجوانی
 پیہری خود پکار اُٹھی ترا کرم تیری مہربانی
 جو تو نہ ہوتی تو کون مشکل میں دیں کی مشکل کشائی کرتا
 ترے سوا کون بے نوا کبریٰ کی یوں بھوائی کرتا

جہاں باطل کی ظلمتوں میں مثال شمع حرم خدیجہ
 عرب کے صحرا میں چھا گئی بن کے عکس ابر کرم خدیجہ
 ازل سے لے کر اب تک دین حق کا ہے اک بھرم خدیجہ
 تمام ازواج انبیاء میں ہے اس لیے محترم خدیجہ
 کسی کا شوہر نہیں ہے ختم رسل خدیجہ مشرقین جیسا
 نہیں ہے بیٹی بتول جیسی نہ ہے نواسہ حسین جیسا

عرب کے راجہ کے من کی دیوی، عجم کے سلطان کی شاہزادی
 اسی کے دم سے ہوئی منور حجاز کی بے چراغ وادی
 اس کی اک شاخ کے شر ہیں حریم حق کے تمام ہادی
 کبھی مسائل کو حل کیا ہے کبھی مصائب پہ مسکرا دی
 یہ مسکرا دی تو مسکراہٹ کا نام قرآن ہو گیا ہے
 اسی کا دامن بکھر کے دنیا میں آلِ عمران ہو گیا ہے

کہاں یہ ممکن ہے خود پرستی کے دور میں ہو خدا پسندی
 مگر خدیجہ نے دشتِ زمیں بھی کی ہے عقیق کی خشتِ بندی
 یہی خدیجہ ہے جس کو حاصل ہے مصطفیٰ کی نیاز مندی
 جو مصطفیٰ ہو تو کم نہیں ہے کسی سے رتبے کی یہ بلندی
 ابھی یہ رتبہ کچھ اور اونچا بحکم رب جلیل ہوگا
 بروزِ محشر اسی کا داماد ساقیِ سلیمان ہوگا

خدا کے محبوب کے خدوخال پر غضب کا شباب آیا
 شباب آیا تو سر زمین عرب میں اک انقلاب آیا
 مثال یہ ہے کہ دو پہر کی حدوں پہ جب آفتاب آیا
 سوال بنے لگی رسالت تو پھر مکمل جواب آیا
 پیغمبری جنس بے بہا تھی مگر یہ سودا بھی نقد ہوگا
 درود پڑھ لو کہ مصطفیٰ کا ابھی خدیجہ سے عقد ہوگا

شفق شفق ہے زمیں کا چہرہ فلک سے تارے اتر رہے ہیں
 ہوا میں خوشبو رچتی ہوئی ہے فضا میں غنچے بکھر رہے ہیں
 یہ صف بہ صفا انبیاء کے جھرمٹ بھی کے چہرے نکھر رہے ہیں
 یہاں لکیریں بدل رہی ہیں وہاں مقدر سنور رہے ہیں
 قضا کی مسند پہ اب جو بیٹھا وہی جناب غلیل ہوگا
 گلابیاں جو چھڑک رہا ہے وہ دیکھنا جبرئیل ہوگا

جناب یعقوب کی بصیرت تمام محفل میں بٹ رہی ہے
 وہ دورِ یوسف کی نوجوانی نقابِ رخ سے الٹ رہی ہے
 تمام عالم کی چاندنی ایک دائرے میں سمٹ رہی ہے
 یہ یزم کی یزم کس لیے آج رنگ و نکبت سے الٹ رہی ہے
 یہ کن کے قدموں کی خاک سیلیٰ خود اپنی آنکھوں پہل رہے ہیں
 یہی تو ہیں جن کی دست بوسی کو انبیاء بھی میل رہے ہیں

یہ آل ہاشم کا آسرا ہے یہ چشمِ انسانیت کا تارا
 یہ پاسبانِ حریمِ وحدت یہ بحرِ انصاف کا کنارہ
 یہ زمزمہ خوانِ آپِ زمزمِ خدا کے گھر کا اہل سہارا
 عجم کے ماتھے کا شوقِ جموں عرب کی دھرتی کا اک دلارہ
 جنابِ عمرال ہے نام اس کا یہ فطرانِ مہربان ہوگا
 یہ کل ایمان کی سلطنت کا عظیم تر حکمران ہوگا

وہ دیکھ عقد نبی کا خطبہ جنابِ عمرال پڑھا رہے ہیں
 مزاجِ توحید وجد میں ہے تو انبیاء مسکرا رہے ہیں
 ادب سے حوریں ہیں سر بہ زانو ملکِ فلک کو سجا رہے ہیں
 مگر مجھے اس گھڑی سقیفہ کے کھیل کچھ یاد آ رہے ہیں
 اگر صداقت جنابِ عمرال کی حق و باطل کی حد میں ہوگی
 تو یاد رکھنا کہ خود نبوت تمہارے فتوؤں کی زد میں ہوگی

اگر مسلمان نہیں ہے عمرال تو پھر نکاحِ رسول باطل
 اگر نکاحِ رسول باطل تو دیں کا ردِ قبول باطل
 جو دیں کا ردِ قبول باطل تو پھر فروع و اصول باطل
 اگر فروع و اصول باطل تو آدمیت فضول باطل
 جسے بھی عمرال کے دیں کو تھکایک کا ہدف بنانے کا شوق ہوگا
 وہ سوچ لے مشرک اسی کے گلے میں لعنت کا طوق ہوگا

ادھر وہ ہاشم کا لخت دل ہے ادھر خویلد کی آبرو ہے
ادھر ہے اخلاق کا سمندر ادھر محبت کی آبرو ہے
ادھر ازل سے امن و صدیق ادھر حقیقت کی جستجو ہے
یہ دونوں معصوم یوں ملے ہیں شرف شرافت کے رو برو ہے
کھنچا ہوا ہے افق سے تا بہ افق خط مستقیم ایسا
کہاں ہے تصویر صدق ایسی کہاں ہے در جہیم ایسا

تیسری پر ترے کرم کی کہانیاں ہیں طویل بی بی
مگر میری زندگی کی مدت ہے ایک پل سے قلیل بی بی
کھلے ہیں جس میں کنول حیا کے تو ہے وفا کی وہ جھیل بی بی
یہ حد نہیں ہے کہ ترے در کا غلام ہے جبرئیل بی بی
مری جہیں تیرے آستان کے سوا کسی در پہ خم نہیں ہے
کہ تیرے نقش قدم کی مٹی بھی آسمانوں سے کم نہیں ہے

قصیدہ جناب امام زین العابدین علی بن حسینؑ

وہ علی عابد بنی ہاشم کی غیرت کا نشان
جس نے اپنی پشت پر کھسی وفا کی داستان
کاروانِ آدمیت کا امیر کارواں
جس کے قدموں کو مسلسل چوتی تھیں بیڑیاں
کیوں زباں ترسے نہ اس کی مدح خوانی کے لیے
جس کو زنب نے چتا ہوسا رہانی کے لیے

وہ امامت کے صدف کا ایک تابندہ گہر
شجرہ حق کی مقدس شاخ کا چوہا شمر
جس نے ہاشم علم کے در کی شعاعیں در بدر
مسکرا دیتا تھا جو تازہ مصیبت دیکھ کر
پھر کی بارشوں میں بھی جیسے نیند آگئی
لنگرِ باطل پہ جس کی ناتوانی چھا گئی

جس کی آنکھوں میں سدا رہتی تھی آنکھوں کی گھڑی
 ڈھونڈتی رہتی تھی جس کو استخوانوں کی گھڑی
 گھوم کر ٹوٹی سر باطل پہ جس کی ہتھکڑی
 وہ کہ جس کے حوصلوں پر خود مصیبت رو پڑی
 جس جگہ بھی اس شہنشاہ کے سپاہی اڑ گئے
 زندگی کیا موت کے ماتھے پہ بھی مل پڑ گئے

جو مکمل کر گیا دیں کے ادھورے کام کو
 جس نے مٹی میں ملا ڈالا امیر شام کو
 جس کی بیماری نے بخشی ہے شفا اسلام کو
 جس نے جھک جھک کر کیا اونچا خدا کے نام کو
 جس نے باطل کی زمیں میں جج حق کا بودیا
 جس کی آنکھوں کے لبوں نے حرف بیعت دھودیا

ایک قیدی اک حکومت کے مقابل ہو تو یوں
 اک برہنہ پا مسافر میر منزل ہو تو یوں
 ایک غیرت مند حق گوئی میں کامل ہو تو یوں
 ایک بیٹا باپ کی مسند کے قابل ہو تو یوں
 دیکھ لو بھرتے ہیں یوں بجلی خس و خاشاک میں
 یوں ملا تے ہیں غرور آمریت خاک میں

جسم زنجیروں کی زد میں لب پہ ہلکے کردگار
 بیڑیاں پاؤں میں ہاتھوں میں زمانے کی مہار
 آنکھ زباناں پر تسلط میں ربخ لیل و نہار
 قیدیوں کا ہم سفر لیکن خدائی کا وقار
 جو بچھا دے اپنی زنجیروں کا بستر فرش پر
 جس کے جہدوں سے زمیں ہنس دے فراز عرش پر

ڈھل رہے ہیں جس کے آنسو زمستوں کے کنار میں
 دُفن کرتا تھا جو زعمہ قاہری کو قبر میں
 زلزلہ جس نے کیا پیدا وجود جبر میں
 جس کی خاموشی ہے اک معیار اب تک صبر میں
 جو حسنی صبر اب تک دین کی بنیاد ہے
 انتہا اس صبر کی نہی نہیں سجاد ہے

قدموں پہ سدا گردنِ افلاک بھی خم ہے
 ہے امرِ اولی الامر کہ تصویر ہو زندہ
 عیسیٰ سے کہو آئے مقابل میں جو دم ہے
 جاں نچ کے خالق سے ترا نام خریدا
 یہ ذکرِ علیؑ آج بھی قرآن میں رقم ہے
 پھولوں سے بھری رت سے ترا عکس تبسم
 برسات کا موسم بھی ترا دیدہ نم ہے

جس کی آنکھوں میں سدا رہتی تھی آنکھوں کی جھڑی
 ڈھونڈتی رہتی تھی جس کو آسمانوں کی گھڑی
 گھوم کر ٹوٹی سر باطل پہ جس کی ہتھکڑی
 وہ کہ جس کے حوصلوں پر خود مصیبت رو پڑی
 جس جگہ بھی اس شہنشاہ کے سپاہی اڑ گئے
 زندگی کیا موت کے ماتھے پہ بھی مل پڑ گئے

جو مکمل کر گیا دیں کے احوالے کام کو
 جس نے مٹی میں ملا ڈالا امیر شام کو
 جس کی پیاری نے بخشی ہے شفا اسلام کو
 جس نے جھک جھک کر کیا اونچا خدا کے نام کو
 جس نے باطل کی زمیں میں حق کا بودیا
 جس کی آنکھوں کے لبوں نے حرف بیعت دھو دیا

ایک قیدی اک حکومت کے مقابل ہو تو یوں
 اک برہنہ پا مسافر میر منزل ہو تو یوں
 ایک غیرت مند حق گوئی میں کامل ہو تو یوں
 ایک بیٹا باپ کی سند کے قابل ہو تو یوں
 دیکھ لو بھرتے ہیں یوں بجلی خس و خاشاک میں
 یوں ملاتے ہیں غرور آمریت خاک میں

جسم زنجیروں کی زد میں لب پہ شکر کروگار
 بیڑیاں پاؤں میں ہاتھوں میں زمانے کی مہار
 آنکھ زنداں پڑ تسلط میں رہن لیل و نہار
 قیدیوں کا ہم سفر لیکن خدا کی کا وقار
 جو بچھا دے اپنی زنجیروں کا بستر فرش پر
 جس کے جہدوں سے زمیں ہنس دے فراز عرش پر

دھل رہے ہیں جس کے آنسو رزقوں کے بار میں
 دفن کرتا تھا جو زندہ قاہری کو قبر میں
 زلزلہ جس نے کیا پیدا وجود جبر میں
 جس کی خاموشی ہے اک معیار اب تک صبر میں
 جو جیتی صبر اب تک دین کی بنیاد ہے
 انتہا اس صبر کی نہیب نہیں سجاد ہے

قصیدہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام

نکھرے ہوئے کردار کا قرآن ہے سچا
سرچشمہ دین عظیم ایمان ہے سچا
تقدیر علیٰ قسمت مروق ہے سچا
اسلام کی تاریخ کا عنوان ہے سچا
یہ شہر فضائل ہے مصائب کا جہاں ہے
تکبیر نبوت ہے امامت کی اذان ہے
انسان کے احساس کی معراج ہے سچا
جذبات کی تقدیر کا سر تاج ہے سچا
مظلوم کی آنکھوں میں کیس آج ہے سچا
کب تیرے مرے ذکر کا محتاج ہے سچا
جب تک ہے جہاں میں حق و باطل کا فساد
سچا کے سجدوں کو نہ بھولے گا زمانہ

قصیدہ حضرت امام رضا علیہ السلام

یہ رنگ یہ دم جہم یہ برقی ہوا
کھلتے ہوئے ریشم کی طرح رات
دیکھے ہوئے جذبول سے مہر سال
یہ گلین یاقوت میں بکھرے ہو
یہ خاتم انگشت شب و روز کو
یہ بارش فیروزہ و الماس کو
ہستی کے خدو خال پہ الہام کے
مستی میں یہ بجتے ہوئے الفاظ
یہ وجد کا عالم ہے کہ دل پر نہ
پلکوں کے غلافوں میں ستارے ہیں

الفاظ ہیں کم قیمت و کم قامت و کم رو
 اک وہ کہ زبانوں کی رسائی سے ہے بالا
 اک میں کہ مجھے ٹھیک سے آتی نہیں اورو
 اے رسیہ زبان خالقِ اقصیٰ تحیل
 اے صاحبِ قرآن کے لیے قوت بازو
 اے تو کہ ترا نطق ہوا نچ بلاغت
 دے میرے تکلم کو بھی طراح کی خوب
 خود لفظ ترے اذنِ سلونی کا ہے محتاج
 الفاظ و مفاہیم کا محتاج نہیں تو
 بہتر ہے کہ اب قافیہ تبدیل کروں میں
 پھر فطرت الفاظ بدلنے لگی پہلو
 دے اذن کہ تو صاحبِ اسرارِ قلم ہے
 یہ شب تو شبِ مدحتِ سلطانِ عجم ہے
 سلطانِ عجم صاحبِ ولدائی کونین
 مختارِ ازل قافلہ سالارِ ام ہے
 کہنے کو علی نام رضا کام شفاعت
 غربت میں بھی سلطانِ شب و روزِ ارم ہے

پیکر ہے کہ اقصیٰ کا فلک یوں منارہ
 سایہ ہے کہ اک ابر سرِ صحنِ حرم ہے
 زلفیں ہیں کہ کہنے میں شبِ قدر کی آیات
 چہرہ ہے کہ دیباچہ آئینِ کرم ہے
 آنکھیں ہیں کہ ثقلین کی بخشش کی سبیلیں
 ماتھا ہے کہ سرنامہ تعظیمِ ام ہے
 رخسارِ معابد ہیں مہ و مہر وفا کے
 کردار کی عظمت میں رسولوں کا حشم ہے
 رفتارِ قیامت کو بھی تعظیم سکھائے
 کونین کی شاہی کافسوں زیرِ قدم ہے
 بازو ہیں کہ وحدت کی حکومت کی حدیں ہیں
 قد ہے کہ سرِ عرش بریں حق کا علم ہے
 شانے ہیں کہ انساں کی شرافت کے خزانے
 سینہ ہے کہ اک صفحہ تاریخِ قدم ہے
 ہاتھوں کی لکیریں ہیں کہ کوثر کی شعاعیں
 ناخن کی چمک رشکِ رُخِ شیشہ جم ہے
 لمبوں کی ہر تہ سے دھنک رنگ جھائے

قدموں پہ سدا گردنِ افلاک بھی خم ہے
 ہے ہر اولی الامر کہ تصویر ہو زندہ
 عیسیٰ سے کو آئے مقابل میں جو دم ہے
 جاں نچ کے خالق سے ترا نام خریدا
 یہ ذکر علیٰ آج بھی قرآن میں رقم ہے
 پھولوں سے بھری رت سے ترا عکس جسم
 برسات کا موسم بھی ترا دیدہ خم ہے

مختارِ آلِ محمد

خوشید شجاعت کی کرن ہے مرا مختار
 بے خوف خیالوں کا بدن ہے مرا مختار
 اسرارِ عقیدت کا چمن ہے مرا مختار
 دھرتی پہ دلیری کا سمکن ہے مرا مختار
 مختار کی نیت ہے وہ اربابِ ستم میں
 رعبہ نظر آتا ہے مورخ کے قلم میں

مختار کو ہم لوگ بڑھاتے نہیں حد سے
 لیکن ہمیں نفرت ہے زمانے کے حید سے
 اب تک جو سرافراز ہو سرور کی بد سے
 محشر میں ملے داد جسے حق کے اسد سے
 ایسا کوئی سادنت جریٰ حریفیں دیکھا
 مختار سا پھر کوئی بہادر نہیں دیکھا

قدموں پہ سدا گردن افلاک بھی خم ہے
ہے نہر اولی الامر کہ تصویر ہو زندہ
عیسیٰ سے کہو آئے مقابل میں جو دم ہے
جاں بچ کے خالق سے ترا نام خریدا
یہ ذکر علیؑ آج بھی قرآن میں رقم ہے
پھولوں سے بھری رت سے ترا عکس تبسم
برسات کا موسم بھی ترا دیدہ نم ہے

مختار آل محمد

خوشید شجاعت کی کرن ہے مرا مختار
بے خوف خیالوں کا بدن ہے مرا مختار
اسرار عقیدت کا چمن ہے مرا مختار
دھرتی پہ دلیری کا سمکن ہے مرا مختار
مختار کی بیبت ہے وہ ارباب ستم میں
رعشہ نظر آتا ہے مورخ کے قلم میں

مختار کو ہم لوگ بڑھاتے نہیں حد سے
لیکن ہمیں نفرت ہے زمانے کے حید سے
اب تک جو سرافراز ہو سرود کی بدو سے
عشر میں ملے داو جسے حق کے اسد سے
ایسا کوئی سازنت جریٰ حرمیں دیکھا
مختار سا پھر کوئی بہادر نہیں دیکھا

بکلی کو کبھی گر کے پلٹتے ہوئے دیکھو
یا جنگ میں دھڑکی کو اٹھتے ہوئے دیکھو
طوفان کبھی قطروں میں سمٹتے ہوئے دیکھو
چڑیوں پہ عقابوں کو جھپٹتے ہوئے دیکھو
چومے جو کبھی موت کوئی زرد سا ہاتھ
تم سوچنا مختار کی تلوار میں کیا تھا

اے قسمت اسلام کے منجوس ستارو
طغیانی تھلک کے بہتے ہوئے دھارو
اے مکہ پر خاک سفید کے کنارو
چہروں سے ریا پاش ٹھائیں تو اتارو
پہلے کسی ملعون کی تائید کرو تم
پھر شوق سے مختار پہ تنقید کرو تم

مختار کا چہرہ ہے کہ صبحوں کا ورق ہے
ہاتھ ہے کہ اک منظرہ انجیل اوراق ہے
رخسار کی رنگت ہے کہ اعجاز شفق ہے
ہونٹوں پہ دھنک ہے کہ یہ دیباچہ حق ہے
حلقے ہیں کہ آثار پیسیر کی دعا کے
مختار کے بازو ہیں کہ پرچم ہیں قضا کے

آنکھیں ہیں کہ فانوس ربخ عرش بریں پر
پلکیں ہیں کہ جھومر ہیں ستاروں کی جہیں پر
دلفیں ہیں کہ بادل سے ربخ مہر میں پر
ہیبت ہے کہ اک حشر سا کونے کی زمیں پر
یہ پھول یہ جگنو یہ فلک تاب ستارے
مختار کی تلوار سے جھڑکتے ہیں شرارے

پہلے یہ خد تعالیٰ خواب میں دیکھیں گے غلد کو
 اب خدیہ ہے کہ غلد میں جاگیں گے خواب سے
 محسن بہشت مولا علیؑ کی ولا سے ہے
 میں نے بھی پڑھا ہے خدا کی کتاب سے

خاکِ دربو تراب

کیا خاک وہ ڈریں گے لحد کے حساب سے
 منسوب ہیں جو خاکِ دربو تراب سے
 مشکل کشا ہیں پاسِ فرشتہ ادب کرو
 مشکل میں ڈال دوں گا سوال و جواب سے
 خیر میں دیکھتا یہ ہے جبریل یا اجل؟
 لپٹا ہوا ہے کون علیؑ کی رکاب سے
 جو ”یا علیؑ“ کو گنہ کہہ کے چڑھے
 وہ بے خبر ہیں میرے گنہ کے ثواب سے

قطعات



روح اداں ہے باپ تو بیٹا نماز دیں
 مسجد علی کی ہے تو مصلیٰ حسینؑ کا
 جاکیر کبریا ہوئی تقسیم اس طرح
 کعبہ علیؑ کا، عرش مصلیٰ حسینؑ کا



وہ موج میں ہے جس کو ملا ہے غم حسینؑ
 قصر ارم تو اس کے لیے سنگ و خشت ہے
 جس سلطنت پہ راج ہو میرے حسینؑ کا
 اُس سلطنت کا ایک جزیرہ بہشت ہے



منصب کا اشتیاق نہ پروائے تخت و تاج
تیرا ہر اک غلام بڑی تمکنت میں ہے
جنت میں کون جائے گا تیری رضا بغیر
جنت بھی اے حسین تیری سلطنت میں ہے



انگشتری ہے دیں کی نگینہ حسین کا
خیرات میں بھی دیکھ قرینہ حسین کا
سورج پہ سورج چاند ستاروں پہ غور کر
تقسیم ہو رہا ہے پسینہ حسین کا



اپنی تقدیر پہ سایہ ہے ترا ابن علیؑ
قافلہ گردشِ دوراں کا کہاں رکتا ہے؟
پرچمِ حضرت عباس کا بوسہ لینے
سجدہ کرنے کو کئی بار فلک جھکتا ہے



صبر و سکون کا ناز وہی دل کا چین ہے
مظلوم ہو کے بھی جو شہِ مشرقین ہے
پوچھی متاعِ دامنِ اسلام جب کبھی
اسلام کہہ اٹھا مرا سب کچھ حسین ہے



جو مطلق قراں نے دیا لوگ سناں سے
پیغام وہ دنیا سے مٹے گا نہ مٹا ہے
قانون حسین ابن علیؑ بر سر صحرا
عباسؑ نے ہاتھوں کو قلم کر کے لکھا ہے



عباسؑ صحیفہ ہے امامت کے عمل کا
عباسؑ کی آواز ہے فرمان ازل کا
ہر ظلم کی تقدیر ہے جکڑی ہوئی اس میں
عباسؑ کا بیجہ بھی کتبہ ہے اجل کا



کوئی تو ہے جو ظلم کے حملوں سے دور ہے
کوئی تو ہے جو ضبط وفا کا غرور ہے
اب تک جو سرنگوں نہ ہوا پرچم حسینؑ
اس پر کسی کے ہاتھ کا سایہ ضرور ہے



انسان کو سکون سے رہنا سکھا دیا
ہنس ہنس کے ظلم و جور بھی سہنا سکھا دیا
شبیہ تیری پیاس نے عشر کی شام تک
آنکھوں کی ہر فرات کو بہنا سکھا دیا



لحہ لہخِ احساس کی ضو ہتی ہے
ریزہ ریزہ غم کوئین کی لو ہتی ہے
پوچھ مت کتنی بلندی پہ ہے شبیر کی پیاس
اس کی تعریف میں کوثر کی زباں کھتی ہے



دھوپ کی موج میں سورج کا بھی خوں ملتا ہے
سوگ میں پرچم احساس نگوں ملتا ہے
ہاں مگر ابنِ علیؑ ایک شجر ہے ایسا!
جس کے سائے میں شریعت کو سکون ملتا ہے



آنکھوں میں جاگتا ہے سدا غم حسینؑ کا
سینے میں سانس لیتا ہے ماتم حسینؑ کا
مٹی میں مل گئے ہیں ارادے یزید کے
لہرا رہا ہے آج بھی پرچم حسینؑ کا



اعمال میں ثبوتِ ولا ہے غم حسینؑ
نبیوں کی بندگی کا صلا ہے غم حسینؑ
دشمنِ غم حسینؑ کے دوزخ کا رزق ہیں!
وہ موج میں ہے جس کو ملا ہے غم حسینؑ



حکمت کے آئینے کا سمندر ہے تو حسین
بخشش کا ہے کنارہ سمندر ہے تو حسین
اے وجہ ذوالجلال فنا تجھ سے دور ہے
دل میں نہیں ہے روح کے اندر ہے تو حسین



مشکل ہے قرض ابن علی کی اورنگ
قدرت کو پھر ادھار نہ لینا پڑے کہیں
جنت تو کچھ نہیں مجھے ڈر ہے کہ حشر میں
اللہ کو اپنا عرش نہ دینا پڑے کہیں



سورج ابھی نہ جا تو حد مشرقین سے
جبریل ایک پل کو ٹھہر تو بھی چین سے
اے موت سانس روک زمانے قیام کر
مصرف گفتگو ہے خدا خود حسین سے



ملکوں کی نگاہوں میں عجب مستی نظر آئی
بلندی آسمانوں کی انہیں پستی نظر آئی
کبھی بہلول نے بچی کبھی حزن خریدی ہے
خداوند اتری جنت بڑی سستی نظر آئی



روزِ حساب سب کا سفر ہوگا مختلف
دوزخ میں کچھ گریں گے کئی سنگِ دشت میں
لیکن حسینؑ ہم ترے نوکرِ بروزِ حشر
جائیں گے کربلا سے گزر کر بہشت میں



ذرا احتیاط سے کام لے نہ زباں دراز ہو اس قدر
کہ حسینیت سے الجھ سکے ابھی تجھ میں اتنا تو دم نہیں
ہے عروج دیں گا میں یہی ہے نشانِ فتح میں یہی
اسے چشمِ بد سے نہ دیکھنا یہ علم ہے تیرا قلم نہیں



پھوٹا تھا جو کبھی کسی نیزے کی نوک سے
ہر عہد پر محیط وہی انقلاب ہے
ہر دور میں حسینؑ نے ثابت یہ کر دیا
ہر دور کے یزید کا خانہ خراب ہے



غربت ہے رشکِ بختِ سکندر بنی ہوئی
صحرا کی تنگی ہے سمندر بنی ہوئی
دیکھو سرِ حسینؑ کی بخشش کا معجزہ
نوکِ سناں ہے دوشِ پیبرؑ بنی ہوئی



اب تک الجھ رہا ہے یزیدی ہجوم سے
شبیڑ تو نے دین کو غازی بنا دیا
تجھ پر درود پڑھ کے پہنچتی ہے حق کے پاس
تو نے نماز کو بھی نمازی بنا دیا



حسینت تری تعظیم جا بجا ہوگی
یزیدیت تری تذلیل برلا ہوگی
ہر ایک دل پہ لگی ہے غم حسین کی مہر
اگر نکلت یہی ہے تو فتح کیا ہوگی



ممکن نہیں کسی سے عداوت حسین کی
سانسوں میں بٹ رہی ہے سخاوت حسین کی
بازار کے ہجوم سے کہہ دو کہ چپ رہے
قرآن کر رہا ہے تلاوت حسین کی



سکتے ہیں خواب دیں ہے کہ تعبیر کچھ کہے،
قرآن دم بخود ہے کہ تفسیر کچھ کہے
لو کہ سناں سے عرش تک خامشی تو دیکھ
خالق کو انتظار ہے شبیڑ کچھ کہے



مرضی ہے تیری فکر میں ترمیم کرنے کر
سلطان عقل و عشق کو تسلیم کرنے کر
بچپن میں دیکھ لے ذرا دوشِ رسول پر
پھر تو مرے حسین کی تعظیم کرنے کر



کیا فکر جہاں تو کر سلطانِ وفا ہوں
میں قبر کی آغوش میں راحت سے رہوں گا
عشر کی پیش مجھ کو پریشاں نہ کرے گی
میں پرچمِ عباس کے سائے میں رہوں گا



علی جو قبر میں آئے ہوئے ہیں چین سے ہوں
یہ دل ہے رقص میں خوشبو کی ڈالیوں کی طرح
فرشتے بہر سفارش زمیں پہ بیٹھے ہیں
کس سخی کے مہذب سوالیوں کی طرح



اس شان سے جائیں گے سرِ حشر بھی ہم لوگ
مولا تیری چاہت کا بھرم ہاتھ میں ہوگا
جھک جھک کے ملیں گے ہمیں درِ بانِ ارم خود
سینے میں ترا عشقِ علم ہاتھ میں ہوگا



واجب خدا کی ذات ہے ممکن حسینؑ ہے
انسان کی نجات کا ضامن حسینؑ ہے
جس سے شب سیاہ یزیدی لرز اٹھے
خود اپنے دل سے پوچھ وہی دن حسینؑ ہے



بشر کا ناز نبوت کا نور عین حسینؑ
جناب فاطمہ زہرا کے دل کا عین حسینؑ
کبھی نماز سے پوچھا جو رنج و غم کا علاج
کہا نماز نے بے ساختہ حسینؑ! حسینؑ!



تحت اثریٰ ہے بغض علیؑ کی گھٹن کا روپ
کوثر مرے حسینؑ کی بخشش کا نام ہے
جنت علیؑ کے سجدہ وافر کی ہے ذکوۃ
دوزخ بتولؑ پاک کی رنجش کا نام ہے



توحید کی چاہت ہے تو پھر کرب و بلا چل
ورنہ یہ کلی کھل کے کھلی ہے نہ کھلے گی
توحید ہے مسجد میں نہ مسجد کی صفوں میں
توحید تو شبیرؑ کے سجدے میں ملے گی



بوقت مشکل، مرض کی حالت میں دشمنوں سے الگ الگ کر
کبھی تو میرے سخی سے دنیا میں تم کوئی کام لے کے دیکھو
یہ نام سن کر تو موت کے بھی نہ ہاتھ شل ہوں تو مجھ سے کہنا
کبھی مصیبت پڑے تو میرے حسین کا نام لے کے دیکھو



یہ بات یاد رکھ کہ عقیدے کی بات ہے
اس بات کا لقب ہی کلید نجات ہے
دوزخ منافقوں کی عبادت کا ہے جہنم
جنت علی کے ذکر کی پہلی زکوٰۃ ہے



علی اس شان سے نازل ہوئے ہیں
تیر اک جہاں پر چھا گیا ہے
بتوا نکلو خدا کے گھر سے دیکھو
خدا کی شکل والا آ گیا ہے



اگر کسی دل میں بغض حیدر کی دھول ہوگی جناب والا
تو پھر عقیدے کی ہر ادبے اصول ہوگی جناب والا
اگر کسی سے بروز محشر خفا خفا ہوئی کی بیٹی
تو پھر بہشت بریں کی خواہش فضول ہوگی جناب والا



حسینؑ کے قدموں کی بچی دھول ہیں تارے
جنت کی فضا بنتِ پیہر کے سبب ہے
ہے عرش محمدؐ کے فضائل کی بلندی
معراجِ ید اللہ کی زیارت کا لقب ہے



دستِ تاریخ کی پوشیدہ لکیریں تو پڑھو
ہر مسلمان کا مقوم ابو طالب ہے
کفر و ایمان کی سیہ بحث کہاں سے آئی
جبکہ اسلام کا مفہوم ابو طالب ہے



ضمیر ابنِ آدم میں شعاعِ نورِ ایمانی
تکجیلانِ رسالت کے بس اک نقشِ قدم سے ہے
نہ ہوتا یہ میجا تو شریعتِ سانس نہ لیتی
دلِ اسلام کی دھڑکن ابو طالب کے دم سے ہے



اگر نہ مبرِ مسلسل کی اٹھنا کرتے
کہاں سے عزمِ پیہر کی ابتدا کرتے
خدا کے دیں کو تمنا تھی سرفرازی کی
حسینؑ سر نہ کٹاتے تو اور کیا کرتے



دنیا و آخرت میں نہ بھوکے مرے گئے ہم
غربت میں بھی نہ اپنے قدم ڈکھائیں گے
بے روزگار ہو بھی گئے مگر تو دیکھنا
جنت کے گھر کوچ کے روٹی کمائیں گے



چھیڑو نہ مجھے اے مرے دلدار ملے کو
جو کچھ بھی تمہیں چاہیے ماحول سے لے لو
اس وقت میں نہیں کے مسائل میں ہوں مصروف
جنت کی طلب ہے تو وہ پہلوں سے لے لو



لو کہ سناں پہ ہے سر مظلوم سرفراز
خنجر غرورِ ظلم کے سینے میں گڑ گیا
کہنے لگے حسین کہ بول اے یزیدیت
بس ایک وار میں ترا چہرہ بگڑ گیا



کعبہ علی کا مسجد و منبر علی کے ہیں
ابدال و غوث و قطب و قلندر علی کے ہیں
محشر میں اہل حشر پہ آخر کھلا یہ بھید
سوداگرانِ خلز گداگر علی کے ہیں



ہے علم و آگہی کا سمندر علی کا نام
لیتے ہیں غوث و قطب و قلندر علی کا نام
فرط ادب سے میرے فرشتے بھی جھک گئے
میں نے لیا جو قبر کے اندر علی کا نام



اللہ رے بائگین ابو طالب کے لال کا
آئے تو مرتضیٰ نے ٹھکانہ کہاں لیا
بچپن کی پہلی ضد بھی نہایت حسین تھی
ملتی تھی جس سے شکل اسی کا مکاں لیا



جلائیں مردے ٹھوکر سے ابھاریں ڈوٹا سورج
جہاں میں بندگان باہنرا ایسے بھی ہوتے ہیں
علی میرا خدا ہرگز نہیں لیکن بتا مجھ کو
خدا و خدا خدائی میں بشر ایسے بھی ہوتے ہیں



غم حسین کے آنسو ہیں اپنی آنکھوں میں
سجا کے جسم پہ ماتم کے داغ لائے ہیں
سنا تھا قبر کے اندر بڑا اندھیرا ہے
ہم اپنے ساتھ ہزاروں چراغ لائے ہیں



اسلام کھو چکا تھا غرور یزید میں
کرتا نہ کربلا میں جو بیعت حسینؑ کی
شک ہو تو اب بھی روح پیبرؐ سے پوچھ لے
رانج ہے دو جہاں میں شریعت حسینؑ کی



غلام بریں کی راہ کا رہبر ہے تو حسینؑ
تسکین قلب و روح پیبرؐ ہے تو حسینؑ
کیونکر نہ تیرا درد کرے دین بچپن
تسبیح فاطمہؑ کا مقدر ہے تو حسینؑ



شیرِ اگر دل میں ترا نقش قدم ہے
کچھ خوف ہے محشر کا نہ اعمال کا غم ہے
یہ بھید کھلا کر کے مقدر سے جہاں میں
جنت تو ترے ایک تبسم سے بھی کم ہے



ہری ہو کر مری شاخ تمنا اور ہمتی ہے
مروت کے چمن میں ہر کلی یک لخت کھلتی ہے
خدا برحق سہی لیکن پریشانی کے عالم میں
علیؑ کا نام لینے سے بڑی تسکین ملتی ہے



اے کفر کے فتوؤں کی دکان کھولنے والو!
 بوسیدہ عقائد کے درو بام سنبھالو
 پھر شوق سے ہم اہل مودت سے الجھنا
 پہلے ذرا ایمان بزرگوں کا بچا لو



تو کفر کل کی ڈھال میں ایمان کل کا وار
 دوزخ کے راستے کا مسافر ہے تو کہ میں
 تو بیرو یزید میں تو کر حسین کا
 سچ بتا کہ اصل میں کافر ہے تو کہ میں



اب بھی آتی ہے یہ آوازِ رباب
 عمر بھر دشت کو ترسیں بادل
 ڈر نہ جائے کوئی معصوم بدن
 قبر اصغر پہ نہ برسیں بادل



پانی پانی کر گئی دریا کو اک بچے کی پیاس
 تشنگی کو سانس لینے کا قرینہ آ گیا
 تیر کھا کر بس پڑا اصغر کچھ اس انداز سے
 شرم سے قاتل کے ماتھے پر پینہ آ گیا



فرعونِ عصر نو کے نمک خوار نو کرو
جو تم کو غرق کر دے وہی نیل ہم بھی ہیں
اے ابرہہ کی فوج کے بدست ہاتھیو
انجام سوچ لو کہ ابائیل ہم بھی ہیں



ان کی فطرت ہے ہر اک مومن سے لڑنا بے سبب
ان سے پہلے بھی کئی شیطان صفت آئے گئے
یہ تو کیا ہیں غور سے دیکھا تو ان کی بھیڑ میں
کچھ نبوت پر بھی شک کرتے ہوئے پائے گئے



ہر درد کے لیوں پہ سجا ہے دوا کا نام
حاجت سے پوچھ لے کبھی حاجت روا کا نام
تجھ کو یقین نہ ہو تو کبھی آزما کے دیکھ
مشکل کی موت ہے مرے مشکل کشا کا نام



ہر ایک اشکِ شبنمِ برگِ گلِ نجات
کالی قبا، لبادہ، عرشِ برین ہے
ماتم نہیں حسین کی عظمت کا طبل ہے
نوحہ نہیں ترانہ، فتحِ مبین ہے



انسانیت کو روپ بدلنا سکھا دیا
 قطرے کو بحرِ مہ میں ڈھلانا سکھا دیا
 تو نے بشر کی آبلہ پانی کو اے حسینؑ
 خنجر کی تیز دھار پہ چلنا سکھا دیا



حسینؑ جس کے گداگروں نے بہشتِ پنجی زمین پر بھی
 حسینؑ جس کے علم کا سایہ رہے گا عرشِ برین پر بھی
 حسینؑ جس کے لہو کی جھلک ہے کہکشاں کی جین پر بھی
 حسینؑ جس کے عمل کی خوشبو برس رہی ہے یقین پر بھی



مولانا حسینؑ تیری مودت سے عہد ہے
 اس عہد پر حضور ہمیں اب غرور ہے
 ہم تیرے دشمنوں کو نہ بخشیں گے حشر تک
 اور حشر میں بھی ان سے الجھنا ضرور ہے



تاجدارِ قلب و جاں بحرِ سفا عباسؑ ہے
 پاسدارِ فاتحِ کرب و بلا عباسؑ ہے
 کیوں نہ ہو مقبول اس کا نام خاص و عام میں
 حیدر و حسنینؑ و زہرا کی دعا عباسؑ ہے



جو مطلق قرآن نے دیا نوکِ سناں سے
پیغام وہ دنیا سے مٹے گا نہ مٹا ہے
قانونِ حسین ابن علی برسرِ صحرا
عباس نے ہاتھوں کو قلم کر کے لکھا ہے



خیراتِ علم و بخششِ محشرِ متاعِ خلد
ملتی ہے بے دریغ یہ حسنِ نصیب ہے
جو کچھ بھی مانگتا ہے وہ حیدرِ کور سے مانگ
یہ درِ درِ خدا سے نہایت قریب ہے



شبیرؑ تو نے درد کا ایواں سجا دیا
صحرا کو مثلِ عرشِ معلیٰ بنا دیا
تجھ پر نماز ختم ہے اے دیں کے تاجدار
تیروں پہ تو نے اپنا مصلیٰ بچھا دیا



نیزے کی نوکِ دوشِ نبی زینِ ذوالجناح
چمکتی ہے اس طرح کی سواری حسینؑ کو
جس زندگی پہ سایہ ظلمِ یزید ہو
اس زندگی سے موت ہے پیاری حسینؑ کو



ہم حسابی نہ کتابی پہ خبر ہے اتنی
اپنے مومن کے لیے حق کے دلی آتے ہیں
زندگی وار کے اس واسطے پہنچے ہیں یہاں
قبر میں ہم نے سنا تھا کہ علی آتے ہیں



حشر والو! ہمیں محشر کی ضرورت کیا تھی؟
چارہ ضعف بصارت کو چلے آئے ہیں
خوفِ دوزخ ہے نہ فردوس کا لالچ ہم کو
ہم تو مولا کی زیارت کو چلے آئے ہیں



زمانے بھر میں ایسا کیسا گر کب ہوا پیدا؟
کسی کنکر کو چھو لے اور پل میں ڈر بنا ڈالے
حسین ابن علی جیسا سخی، گر ہو تو لے آؤ
جواک چشمِ کرم سے مجرموں کو حر بنا ڈالے



غنیچہ بنت اسد شیر جلی یاد آیا
حرزِ جاں روحِ اذانِ حق کا دلی یاد آیا
جب کبھی باوِ رجب معنِ حرم سے گزرا
مسکراتے ہوئے کعبے کو علی یاد آیا



یہی خیال مرے دل کا چین لگتا ہے
میں کیا کروں کہ یہی نور عین لگتا ہے
برانہ مان کہ نیزے کی نوک پر مجھ کو
زمین پہ عرش سے اونچا حسین لگتا ہے



ترے دل میں کیسی گرہ پڑی تھی اس سے اتنا حسد ہے کیوں؟
جو نئی کی آنکھ کا نور ہے جو علی کی روح کا چین ہے
کبھی دیکھ اپنے ضمیر میں کبھی پوچھ اپنے ضمیر سے
وہ جو مٹ گیا وہ یزید تھا جو نہ مٹ سکا وہ حسین ہے



لحمہ ابھر رہا ہے فروع و اصول کا
منظر نکھر رہا ہے وہ زو و قبول کا
صف باندھ کر کھڑی ہیں جہاں کی حقیقتیں
تاریخ لکھ رہا ہے نواسہ رسول کا



عصر کی تشنہ لپی یاد آئی
وقت کی یو الچی یاد آئی
ابر برسا جو کہیں پر محسن
مجھ کو اولادِ نئی یاد آئی



عباسؑ کی وفا سے جسے بھی عناد ہو
اس کو خطاب کوئی و شامی دیا کرو
جب بھی مقابلے میں محض ہوں یزید کی
عباسؑ کے علم کو سلائی دیا کرو



عالم میں ہر نخی نے سوالی کے واسطے
ہاتھوں سے درخود اپنے خزانوں کے وایکے
عباسؑ وہ نخی ہے کہ دنیا میں دین کو
ہاتھوں سمیت بھیک میں بازو عطا کیے



عمل کا زیب شریعت کا زین کہتے ہیں
بطون قلب نبوت کا چین کہتے ہیں
جو سر کٹا کے بھکا دے سر غرور یزید
اسے سناں کی لغت میں حسین کہتے ہیں



شجاعت کا صدف، ینارۃ الماس کہتے ہیں
غریبوں کا سہارا بے کسوں کی آس کہتے ہیں
یزیدی سازشیں جس کے علم کی چھاؤں سے لرزیں
اسے ارض و سما والے نخی عباسؑ کہتے ہیں



سینے میں جو عباس کے قدموں کی دھمک ہے
ہیبت کئی ذروں کی سرعرش تک ہے
یہ کہہ کے گزرتا ہے گرجتا ہوا بادل
بجلی مرے عباس کے لہجے کی کڑک ہے



وہ موج میں ہے جس کو بلا ہے غم حسینؑ
قصر ارم تو اس کے لیے سنگ و خشت ہے
جس سلطنت پہ راج ہے میرے حسینؑ کا
اس سلطنت کا ایک جزیرہ بہشت ہے



عباسؑ کی چاہت کا یہ عالم ہے جہاں میں
ہر سانس پہ لگتا ہے کہ نیزے کی اتنی ہے
دریا میں ابھرتی ہوئی موجوں کو ذرا دیکھ
یہ ماتم عباسؑ میں زنجیر زنی ہے



آنکھوں میں جاگتا ہے سدا غم حسینؑ کا
سینے میں سانس لیتا ہے ماتم حسینؑ کا
مٹی میں مل گئے ہیں ارادے یزید کے
لہرا رہا ہے آج بھی پرچم حسینؑ کا



لڑکھرائی جو زباں نطق جلی یاد آیا
کوئی مشکل جو پڑی حق کا دل یاد آیا
زندگی بھر تو سخن کہہ کے مکرنا سیکھا
موت جب سامنے آئی تو علی یاد آیا



بدلی مصیبتوں کی جو چھائی تھی چھٹ گئی
مشکل مری حیات کے رستے سے ہٹ گئی
میں نے علی کا نام لیا جب جلال میں
گھبرا کے میری موت بھی واپس پلٹ گئی



کب بشر واقف اسرار جلی بنتا ہے
مردے ٹھوکر سے جلانے تو ولی بنتا ہے
کوئی انساں شب ہجرت بڑے آرام کے ساتھ
بستر موت پہ سوئے تو علی بنتا ہے



حادثے جب بھی مجھے رہ سے ہٹانے آئے
لوگ جب بھی مجھے مشکل میں ستانے آئے
میں نے گھبرا کے کہا مولا علیؑ اور کئی
انبیاءؑ بڑھ کے مرا ہاتھ ہٹانے آئے



کس نے کہا کہ مفتی و ملا کے شر میں آ؟
یا دشمن علی کی حدود اثر میں آ
جنت خریدنے کو چلا ہے تو جان من!
بہلول کے بچے ہوئے ”نیلام گھر“ میں آ



نصیہیں لرز رہی ہیں ضمیر حیات کی
سانسیں اکٹڑ رہی ہیں دل کائنات کی
عباس کے غضب کا اثر ہے کہ آج تک
ساحل سے دور دور ہیں موجیں فرات کی



قرطاس شفاعت کے سوا اور بھی کچھ مانگ
محشر میں مودت کی جزا اور بھی کچھ مانگ
جنت کا ہر اک گھر تیری جاگیر ہے لیکن
شبیر کے ماتم کا ملا اور بھی کچھ مانگ



کیوں کہہ رہے ہو دین بے سرا ہے زندگی
صحرائے کربلا کا سویا ہے زندگی
ڈرتی ہے ان سے موت کہ جن کی نگاہ میں
عباس کے علم کا پھریرا ہے زندگی

۲۰۷

نہ پوچھ کیسے کوئی شاہِ مشرقین بنا
بشر کا حسن، عقیدت کا زیب و زین بنا
علی کا خون، لعابِ رسولِ شیرِ بتوں
ملے ہیں جب یہ عناصر تو پھر حسین بنا

۲۰۶

پڑا جو رعب تو سب قیل و قال بھول گئے
چلا دناغ کچھ ایسا کہ چال بھول گئے
لحد میں ہم نے جو مولا علی کا نام لیا
قسم خدا کی فرشتے سوال بھول گئے

۲۰۵

چھانی تھا ظلم و جور سے جادہ حسین کا
اپنے لہو میں تر تھا لبادہ حسین کا
لیکن اہول دیں کو بچانے کے واسطے
باطل پہ چھا گیا ہے ارادہ حسین کا